



اظہارِ حق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ اہل بیت (ع) دارالعلوم کراچی

بائبل
سے

قرآن
مکا

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk
" " : mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾
- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
 - مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
 - ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
 - دارالاشاعت اردو بازار کراچی
 - بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَابُ الْقُرْآنِ

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی شہرہ آفاق تالیف
”اظہار الحق“
کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اول

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب دہلوی
ماہر استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳۲

شرح و تحقیق

زینکدانی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے بھٹکے ہوئے

قافلوں
کے نام

جنہیں جاوہ منزل کی تلاش ہے

حمد و ثنا

صرف اس ذات بے ہمتا کو سمجھتی ہے جس نے اس کا رخاۂ عالم کی ہر شے کو عدم کی اندھیروں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لاکھڑا کیا، رنگ و بو کی اس کائنات کا ہر ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ ہے ادر ایک ہے۔! ۛ

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

اور

درود و سلام

اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جنہوں نے باطل کی گٹا ٹوپ تارکیوں میں حق کی پُر نور مشعلیں روشن فرمائیں اور دنیا کے ظلمت کدوں میں اُجالا کر دیا۔! ۛ

پھوٹا جو سینہ شب تارِ اللہ سے
اس نورِ اولیں کا اُجالا تمہیں تو ہو

فہرست مضامین مقدمہ شارح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳	عقیدہ تثلیث کے عقلی دلائل	۱۷	پیش لفظ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم
۵۸	حضرت مسیح کے بلے میں عیسائی عقائد	۲۳	حرف آغاز: محسنہ تقوٰی عثمانی
۵۹	عقیدہ حلول و تجسم	۳۷	مقدمہ شارح
۶۲	وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو خدا ماننے سے انکار کر دیا		عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر:
۶۳	پولس سمرقہ		محمد تقوٰی عثمانی
۶۵	نظوری سمرقہ		
۶۶	یعقوبی سمرقہ	۳۱	پہلا باب
۶۶	آخری تاویل	//	عیسائیت کیا ہے؟
۶۵	عقیدہ مسلویت اور نشان صلیب	۳۳	عیسائی مذہب میں خدا کا تصور
۷۱	عقیدہ حیات ثانیہ	//	عقیدہ تثلیث
۷۱	عقیدہ کفارہ اور اس کی اہمیت	۳۴	توحید فی التثلیث
۸۰	اس عقیدے کے منکر	۳۷	باپ بیٹا اور روح القدس
۸۲	عبادات اور رزق میں	۳۸	تین اور ایک کا اتحاد
۸۳	حسد خوئی	۵۱	مشابہات کی حقیقت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۶	تشکیث اور حلول کا عقیدہ کہاں سے آیا!	۸۴	ہیثمہ
۱۰۹	ہارنیک کی تصریحات	۸۵	عشار ربانی
۱۱۳	حضرت مسیح حواریوں کی نظریں	۸۷	بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ
۱۱۶	انجیل یوحنا کی اہمیت	۸۷	تاریخ عیسائیت
۱۳۵	نتائج	۹۰	حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری
۱۲۷	عقیدہ کفارہ کی اصلیت	۹۱	ذوہرہ بستلہ
۱۳۲	تورات پر عمل کا حکم	۹۲	قسطنطین عظیم
۱۲	عشار ربانی کی اصلیت	۹۳	سینین سے گریجوی تک
۱۳۵	ختنہ کا حکم	۹۲	تاریک زمانہ
۱۳۵	تاریخی شواہد	۹۲	سردن وسطی
۱۳۶	عرب کا سفر	۹۵	نفاق عظیم
۱۳۹	پوس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل	۹۶	مسیحی جنگیں
۱۴۰	پوس اور برناباس	۹۷	پاپائیت کی بدعنوانیاں
۱۴۶	یروشلم کونسل کی حقیقت	۹۷	اصلاح کی ناکام کوششیں
۱۵۲	گلیٹیوں کے نام پوس کا خط	۹۸	عبدالصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ
۱۵۷	نتائج بحث	۹۹	عقلیت کا زمانہ
۱۵۸	جدائی کے بعد	۱۰۰	تجدد کی تحریک
۱۵۹	انجیل برناباس	۱۰۱	احیاء کی تحریک
۱۶۰	پوس اور پطرس	۱۰۳	دوسرا باب
۱۶۲	پطرس کے خطوط	۱۰۳	عیسائیت کا بانی کون ہے؟
۱۶۵	پوس اور یعقوب	۱۰۳	پوس کا تعارف
۱۶۷	پوس اور یوحنا	۱۰۶	حضرت عیسیٰ اور پوس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۰	بیت اللہ میں	۱۶۸	پوٹوئی اور دوسرے جاری
۲۰۱	قسطنطنیہ کا پہلا سفر	۱۶۹	نتائج بحث
۲۰۲	اظہار الحق کی تصنیف	۱۷۰	پوس کے مخالفین
۲۰۳	مدرسہ صولتبیہ کا قیام	۱۷۲	آخری زمانے میں
۲۰۵	قسطنطنیہ کا دوسرا سفر		تیسرا باب
۲۰۸	تیسرا سفر	۱۷۹	سوانح حضرت مولانا رحمت اللہ علیہ
۲۰۹	سماجی خدمات	۱۸۰	مولانا کے آباء و اجداد
۲۱۱	وفات	۱۸۱	ابتدائی حالات
۲۱۲	تصانیف	۱۸۲	تدریس
۲۱۲	اظہار الحق کا تعارف	۱۸۳	گھریلو حالات
۲۱۵	اظہار الحق پر تبصرے	۱۸۴	رد عیسائیت کی خدمات
۲۱۵	لندن ٹائمز	۱۸۶	فانڈر سے مناظرہ
۲۱۵	شیخ باچہ جی زاوہ	۱۸۶	مناظرے کا پہلا دن
۲۱۶	شیخ جزیری	۱۹۳	مناظرے کا دوسرا دن
۲۱۷	رشید رضا مصری	۱۹۴	چار شہادے
۲۱۷	عمر الدسوقی	۱۹۸	ہجرت
	جمعہ جمعہ	۱۹۹	جانماد کی منبلی

فہرست مضامین

”اظہار الحق“

جلد اول

(جو عنوان قوسین میں لکھے گئے ہیں ان سے حاشیہ کی بحثوں کی طرف اشارہ ہے)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۹	علمائے پروٹسٹنٹ کی مسلمانوں پر	۲۱۹	خطبہ کتاب
	پہتان طسرازیاں،	۲۲۱	پیش لفظ مصنف
۲۴۳	میزان الحق کے اقوال		مسترد
۲۴۱	حل الاشکال کے اقوال	۲۲۴	کتاب سے متعلق چند باتیں
۲۸۱	عیسائی علماء کی دوسری عادت		کتاب کے اہم ماخذ
۲۹۰	تیسری عادت اور اس کے شواہد	۲۲۹	عیسائی لٹریچر میں مخالفت کے لئے نازیبا
۲۹۵	علی بن حسین واقعہ کا ایک واقعہ	—	العناظ۔
۲۹۹	بسم اللہ سے شکیفہ پر استدلال اور اس کا جواب	۲۳۲	
۳۰۲	کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں	۲۳۸	یورپی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۵	بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی		پہلا باب
۲۳۹	کتاب یشوع کی اصلیت	۳۰۳	بائبل کیا ہے؟
۲۴۲	کتاب قضاة کی حیثیت		پہلی فصل
۲۴۲	کتاب روت کا مال		عہد قدیم و جدید
۲۴۵	کتاب نحمیاہ کا حال	۳۰۵	عہد قدیم کی پہلی قسم یعنی متفقہ کتابیں
۳۲۵	کتاب ایوب	۳۰۶	دراں کتابوں کا مختصر تعارف
۳۲۶	کتاب زبور	۳۰۶	عہد عتیق کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں)
۳۲۹	امثال سلیمان	۳۱۴	عہد جدید کی متفقہ کتابیں
۳۵۲	کتاب داعظ	۳۱۵	دراں کتابوں کا مختصر تعارف
۳۵۲	عنزہ الغزلات	۳۱۶	عہد جدید کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں)
۳۵۲	کتاب دانی ایل	۳۱۸	کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء کی مجلسیں
۳۵۲	کتاب آستر	۳۱۹	اسلاف کے فیصلوں سے پروٹسٹنٹ
۳۵۲	کتاب یرمیاہ		فرقہ کی بغاوت،
۳۵۵	کتاب اشعیاہ	۳۲۱	ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں
۳۵۶	اناجیل اربعہ کی اصلیت	۳۲۳	سوجرہ تواریخ حضرت موسیٰ کی نہیں
۳۵۶	انجیل متی، لوقا و مرقس	۳۲۵	اس کے دست و دلائل،
۳۵۸	انجیل یوحنا مستند نہیں،		
۳۶۳	خطوط و مشاہدات		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۳	اختلاف نمبر ۳ اور تحریف کا مشورہ	۳۷۱	کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے،
۳۸۴	بعشا کا یہود راہ پر حملہ، اختلاف نمبر ۳۸		دو تھی فصل
۳۸۵	حضرت سلیمان کے منصب دار، اختلاف نمبر ۳۷	۳۷۳	بائبل ختلافات لبریزہ
۳۸۶	دو ہزار بت یا تین ہزار بت کے؟ اختلاف نمبر ۳۶		تین اختلافات
۳۸۷	بابل کی قید سے رہا ہونے والے، اختلاف نمبر ۳۵	۳۷۳	چوتھا اختلاف، اور آدم کا ترک کا اعتراف
۳۸۸	ابیاہ کی ماں کون تھی؟ اختلاف نمبر ۳۴	۳۷۴	بائبل میں برس یا بیالیس برس؟ اختلاف نمبر ۸
۱۸۹	اشدیا شیطان؟ اختلاف نمبر ۳۵	۳۷۵	آٹھ یا اٹھارہ؟ اختلاف نمبر ۸
۳۹۰	حضرت مسیح کے نسب میں شدید اختلاف	۳۷۶	واں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعتراف
۳۹۸	ولادت مسیح کے بعد، اختلاف نمبر ۵۳	۳۷۸	کیا مصریوں کے سب چوپائے مر گئے تھے؟ اختلاف نمبر ۱۳
۳۹۹	انجیل مشی لوقا کے زمانہ میں مشہور نہ تھی	۳۷۹	حضرت نوح کی کشتی کب ٹھہری؟ اختلاف نمبر ۱۳
۳۹۹	کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟		سموئیل اور تواریخ کا شدید اختلاف
	بائبل کی رُودے حضرت عیسیٰ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے،	۳۸۰	چالیس ہزار یا چار ہزار؟ اختلاف نمبر ۲۳
۴۰۲	ایلیا کون تھا؟ اختلاف نمبر ۵	۳۸۱	لٹو، بیل یا گڈیاں؟ اختلاف نمبر ۲۳
۴۰۱	لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی؟ اختلاف نمبر ۱۱	۳۸۲	میں پانچ ہیں؟ اختلاف نمبر ۲۶
۴۱۲	حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو کب پہچانا؟ اختلاف نمبر ۸	۴۸۳	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳۴	بارہ حواریوں کے نام، اختلاف نمبر ۱۰۶	۴۱۴	حضرت عیسیٰ نے کتنوں کو شفا دی؟
۴۳۵	اعظم الحواریین یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۱۰۸	۴۱۵	اختلاف نمبر ۸۱
۴۳۰	سر پطروا کے واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۴	۴۱۷	تجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی
۴۳۲	عشاءے ربانی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۵	۴۱۷	پطرس کا انکار، اختلاف نمبر ۸۴
	(عید فصح اور عشاءے ربانی)	۴۲۱	مردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹
۴۳۶	صومیدار کے غلام کو شفا دینا،	۴۲۳	حضرت عیسیٰ کی حیات ثانیہ، اختلاف نمبر ۹۰
	اختلاف نمبر ۱۱۸	۴۲۵	ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟
۴۳۶	تجلی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۹		اختلاف نمبر ۹۲
۴۳۷	پائل گونگے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۲۰	۴۲۶	پطرس کے عیدانی ہونے کا واقعہ
۴۳۷	حضرت عیسیٰ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲		اختلاف نمبر ۹۴
	تیسری فصل	۴۲۹	حضرت یوسف کے خاندان کی تعداد
۴۵۰	باسیل کی غلطیاں		اختلاف نمبر ۹۸
۴۵۱	بیت المقدس کے سامنے کوٹھڑی کی	۴۲۹	امن سلامتی یا جنگ و پیکار؟ اختلاف نمبر ۹۹
	اوغچائی، غلطی نمبر ۸	۴۳۰	یہوداء اسکر لوتی کی موت، اختلاف نمبر ۱۰۱
۴۵۲	بنی بنیامین کی سرحدیں، غلطی نمبر ۹	۴۳۲	کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱
۴۵۳	چودھویں غلطی اور کھلی تعریف	۴۳۳	منیب پر لٹکتے ہوئے اعلان کی جہاز
۴۵۴	یہود تعظیم تمہید ہوا یا مقتول؟ غلطی نمبر ۱۰		اختلاف نمبر ۱۰۳
		۴۳۳	حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب
			اختلاف نمبر ۱۰۵

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰۰	سولی کے دقت زمین کی حالت، غلطی نمبر ۵۹	۲۵۷	افرائیم پر شاہ (سوزہ کا حملہ، غلطی نمبر ۲۲
۵۰۳	حضرت عیسیٰ کی حیات ثانیہ، غلطی نمبر ۶۰	۲۵۸	حضرت آدمؑ کو درخت کی مالمعت، غلطی نمبر ۲۳
۵۰۵	نزولِ عیسیٰ کی پیشگوئی، غلطی نمبر ۶۳	۲۵۹	یہودیوں کی جلاوطنی، غلطی نمبر ۲۶
۵۱۳	بارہ حواری نجات یافتہ؟ غلطی نمبر ۸۲	۲۶۳	صوکر کی تباہی کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۲۹
"	آسان کا کھلنا اور مندرشتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳	۲۶۵	ایک اور غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۰
۵۱۵	کیا حضرت مسیح کے سوا کوئی آسان نہیں آئے گا؟	۲۷۱	کتاب دآنیال کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۲
"	عیسائیوں کی کرامتیں، غلطی نمبر ۸۵	۲۷۵	بنی اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳
۵۱۷	شیطان کو تھر پر غالب آگیا،	۲۷۶	حضرت داؤد کی نسل میں سلطنت، غلطی نمبر ۳۴
۵۱۸	کابون کی شرارت اور اس کا انجام	۲۸۱	کوئے یا عرب؟ غلطی نمبر ۳۶
۵۲۱	ولادتِ مسیح سے پہلے مردم شماری، غلطی نمبر ۸۷	۲۸۳	ہیکل سلیمانی کی تعمیر، غلطی نمبر ۳۷
۵۲۳	حضرت داؤد کا نذر کی روٹیاں کھانا، غلطی نمبر ۹۲	۲۸۴	حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸
۵۲۵	حواری غلطی نہیں کر سکتے، غلطی نمبر ۹۸	۲۸۵	نسب نامے کے چار غلطیاں (کھلی تحریف)
۵۲۸	دیوانے کو شفا دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵	۲۹۱	حضرت شعیاہ کی پیشگوئی اور لفظ "علمہ" کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰
۵۳۰	شاگرد آستارے نہیں بڑھ سکتا، غلطی نمبر ۱۰۷	۲۹۸	حضرت یحییٰ کی تشریف آوری، غلطی نمبر ۵۵
"	ماں باپ کی عزت یا دشمنی؟ غلطی نمبر ۱۰۸	۲۹۹	بیرود یا کاشوہر، غلطی نمبر ۵۶

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۵۵	کلی میٹیس کا اعتراف		چوقبھی فصل
۵۵۵	پیبلی کا اعتراف		
۵۶۳	ایکبارن اور جرمنی علماء کا اعتراف	۵۳۷	بائبل الہامی نہیں ہے!
۵۷۲	بائبل کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد	"	اخلاقات کی کثرت
۵۸۰	امام رازیؒ کا قول	۵۳۸	اعنلاط کی کثرت
۵۸۰	امام شربیؒ کا ارشاد	"	تحریفات کی کثرت
۵۸۲	علامہ معترضیؒ کی رائے	"	عیسائیوں کا اعتراف
۵۸۲	صاحب کشف الظنون	۵۴۰	ہوژن کا اعتراف
	(مرقبونی اور مانوی فرقے)	۵۴۲	انگلیز کا اعتراف
۵۸۶	رد مغالطے اور ان کا جواب	"	انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف
۵۹۰	کلیمنس کے خط کی عبارت	۵۴۳	رتیں کی تحقیق
۵۹۸	انگنٹس کے خطوط اور ان کی حقیقت	۵۴۶	واٹسن کا قول
۶۰۸	انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی	۵۴۹	باسبرٹیا فان کا اعتراف
۶۱۰	پطرس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا	۵۵۱	تورات کے بارے میں عیسائیوں کا اعتراف
		۵۵۴	یعقوب کا خط اور مکاشفہ یوحنا

کچھ حوالوں سے متعلق

- (۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثناء ۵: ۱۳ کا مطلب کتاب استثناء کے پانچواں باب کی تیسری آیت، اسی طرح ۵ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔
- (۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں۔
- (۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مختل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے اوپر ت کی علامت بنا دی گئی ہے، لہذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف مانتے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہو سکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔
- (۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ ان مہملاحات کی بھی مختل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔
- (۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تفصیل حروف آغاز میں دیکھئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِ الرَّحْمٰنِ اَصْلَفَا

چند سالوں سے عالم اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص، بے وقت، بنا ہوا ہے، جس طور سے پاکت ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں ان کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی ۱۹۵۷-۵۹ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے۔“

اس کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جراتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ رسالتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور قرآن اور اسلام کے خلاف تمسخر آمیز جھنڈا دے کلمات ہتھیال کرنے سے بھی نہیں بچ سکتیں!۔۔۔ کلیساؤں سے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتالی اس کام کے لئے وقف ہیں،

اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورت حال چہنچہاں تشویشناک نہ تھی! عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر تہم بزمائی کا انجام کیا ہوتا ہے! لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ حضرات بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں، ان حالات میں اس بات کی ضرورت ہے کہ محسوس کی جا رہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح فہم و خیال سے لوگوں کو واقف کر سکے اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کر کے اپنی راہ عمل علی وجہ البصیرۃ متعین کر سکے، **لِيَخْلُقَ مَنْ خَلَقَ عَنْ نَبِيَّتِهِ وَيَخْبِي مَنْ سَخَى عَنْ بَيْتِنَا**؛

آج سے کم و بیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقادمت کے لئے ملاحق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست فاش دیکر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور علما اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حنیف (متوفی ۱۸۴۶ء) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی (متوفی ۱۳۱۴ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ)، مولانا شرف الحق صاحب صدیقی (متوفی ۱۳۵۲ھ)، مولانا محمد علی صاحب موگیری (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسن، مولانا سید عہد الباری صاحب (متوفی ۱۳۰۳ھ)، مولانا سید ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسین صاحب عالی ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:-
ہندوستان میں اسلام خطروں میں گمراہ ہوا تھا، ایک طرف مشنری گمات میں لگے ہوئے تھے، دوسری طرف کے دریاں میں ان کو تو بڑا پھلکا شکار پیٹ بھرا ڈھل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانستہ ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لئے ان کے منادیوں میں ان کے اخباروں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر پوجہ و تہنیتیں

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر افزع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بیٹے مسلمان کچھ نادانیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر انفس کے سبب ان کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ ملائے اسلام (شکر اللہ ما جہم) جیسے سرفراز آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ تھے، انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔
(جواز فرنگیوں کا جال ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی بنگاہوں میں کاتھوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انھک کاوشوں سے ہندوستان کے طویل و عریض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی تھی، جو ہر علاقہ میں عیسائی پادریوں کی راہ میں مؤثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بہت کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فرخ انچاچ ضلع ملتان لکھتے ہیں:

”ملتان کے ملا، سید اور محمد سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (۱) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنرل اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فائز سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا۔“ (صلیب کے علمبردار، ص ۵۳)
دہلی مشنری کے انچاچ مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

”ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہو گئی، کیونکہ بحث چھوڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا شرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدد مہم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہو، دکھائی نہیں دیتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے... مسجدوں کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی،
بالتعمیر ایک نابینا مولوی لیفرائے کا بچپانہ چھوڑتا۔“

(صلیب کے علمبردار، جواز فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں :

”مسلمان مٹا ہر وقت اس کو پیشکش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادشی ہو، یہاں پتیل
۱۸۳۱ء میں مٹانے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر دغظ کرنا شروع کر دیا، پتیل کو اس طرح دق

کرتے، (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ راجھی، پٹنہ، بنارس، ہنم کنڈہ، مظفرنگر، شعلہ پور، احمد نگر، حیدرآباد وکن، غرض
جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت
کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے
گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، ردِ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور
رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ ”اردو اخبار“ (دہلی، ۱۸۳۳ء) اسی مقصد کے تحت
جاری ہوا تھا، کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واضح گفٹ کرے، اور اسی جرم کی
کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقتدر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ
اس اخبار کے علاوہ ”سید الاخبار“ (دہلی، ۱۸۳۵ء)، ”سراج الاخبار“ (دہلی، ۱۸۳۹ء)،
”قطب الاخبار“ (آگرہ)، ”نور علی نور“ (لذھیان)، ”امین الاخبار“ (الہ آباد)، ”پنجابی اخبار“ (لاہور)،
”رہبر ہند“ (لاہور)، ”ناصر الاخبار“ (دہلی)، ”مہر درخشاں“ (دکن)، ”المستنصر“ (دہلی)، ”حبل متین“
(سکلتہ)، ”نور الاسلام“ (سیالکوٹ)، ۱۸۹۶ء، ”منشور محمدی“ (بٹکھور)، ۱۸۹۶ء، بطور خاص قابل ذکر
ہیں، نیز ماہنامہ ”حسن“ (حیدرآباد وکن)، ۱۸۹۹ء، اور ”نیر الموعظ“ (دہلی، ۱۸۹۹ء) وغیرہ
رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی و درسی اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے
وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب
کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر
سرمایہ سے کما حقہ فائدہ اٹھانا نامہ مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بنا پر مشکل ہو گیا ہے،
تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر ان میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، مگر جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی باریہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہ یا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو "انبارالحق" سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی یہ عربی تصنیف ان کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا پھول ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی کچھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراج تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطب الانسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دارالعلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے ان حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت قاصر رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دارالعلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی کو اشارہ اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہو، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلق (ایڈٹ) کا کام بھجوا دیا، اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انہوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب تہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھادی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے ناخذ کی مراجعت کر کے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں ان کی اربت بھی اشارے کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہو، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بس عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی دانی ہو گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنہیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں،

زیر نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہل علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات ہتیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب روئے عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب کے اعلیٰ و جہ البصیرہ واقف ہو، لہذا اب ہمارے اہل علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دین حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، — واللہ المستعان علیہ کلان۔

بندہ مکمل راجعہ خاندانہ
۸ دسمبر ۱۳۸۸ھ



حرف آغاز

الحمد للہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سسکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہے، انظارِ الحق بلاشبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانویؒ پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پورکی امتِ اسلامیہ کو سر بلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق و صواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے جس سے روگردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تاثر یہ ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے قدمین جاوہ پڑا ہو گئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق و تفتیش کے بارے اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تاثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانویؒ

نے انبارالحق تصنیف فرما کر اس کلمے میں ہستیار پیدا کیا ہے، عیسائیت وہ موضوع ہے جس پر ان سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہارالحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزم، علامہ عبدالکریم شہستانی، اور علامہ ابن قیم جوزیہ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازی اور علامہ سترطی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن "اظہارالحق" کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجانا شروع
کمرتک الاثر الاخر

اس مسرکہ الآراء کتاب نے علی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انہیں ہاتھوں ہاتھ پیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیق علی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو دان اہل علم اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم و بیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب مظہم سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انہوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انہوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مظہم کے ایسا پر اور ان کی نگرانی میں بنام حسدایہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مظہم نے ترجمے میں محنت شاق اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصہ لگ سگے گا، لیکن جب قرج تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظر عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر سر عہدہ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۳۸۲ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے، ترقیم (Punctuation) کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کر کے تصحیح کرنی پڑے گی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کر دوں گا، اور بس؛ لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آئے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے "انہار الحق" کے کچھ قسط باسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرون ملک سے میرے پاس خطوط کا تانا بندا ہلکا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس کے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا، میں نے اس پر مزید محنت شروع کر دی، یوں یہ کام کھینچتا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں مکمل کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے۔

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

①— متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں، وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھ دی ہیں، تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابل اعتماد بھی ہوں،

②— لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہارالحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہارالحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے توہین کے ذریعے ممتاز کر کے حاشیے پر خستلات کی مکمل توضیح کر دی ہے،

③— اظہارالحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر خاص طور سے حوالوں میں بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہارالحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہو اصل ماخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طبعات کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا اظہار کر دیا،

④— غیر مسلموں کے نام اظہارالحق میں معرب کر کے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے! میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھ دیا، اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

⑤۔۔۔ جس جگہ ترجمے میں ایہام یا اغلاق محسوس ہو ا وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت

کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

⑥۔۔۔ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور

ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

⑦۔۔۔ ترتیم (Punctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے

ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیرا گراف قائم کر دیئے ہیں،

⑧۔۔۔ آخر میں مفصل اشاریہ () مرتب کر دیا ہے،

⑨۔۔۔ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور

اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے

امور کی نشاں دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلہ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن

اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجہ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے

جن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے،

①۔۔۔ بائبل کے ہر حوالے پر اُنی عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی

مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں

جن اختلافات سے نفس مفہوم پر فرق پڑتا تھا انہیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور

اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

②۔۔۔ اظہار الحق کے ماخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشیے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر اصرار کرنے کو سبب کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، ان کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنف نے بیان فرمائی ہے،

②۔۔۔ اظہارِ راجح میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، حشر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

③۔۔۔ کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، ان کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کر دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

④۔۔۔ کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کر دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، حشر نے ان ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا... جاننا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو ان سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف مت بنا ہوا ہے ان ناموں کا تعارف حواشی میں موجود ہے،

⑤۔۔۔ آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

⑥۔۔۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنف کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

⑦۔۔۔ جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنف کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حواشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں،

⑨ — مصنف نے جس جگہ انبارالحق کی کسی گزشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حق نے اس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھ دیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کر سکیں،

اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، لیکن یہاں میں انبارالحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشاں وہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں:

- ① انبارالحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبوعہ خیرہ مصر بتصحیح شیخ محمد الایسوطی،
- ② انبارالحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۴ھ المطبعة العامة المحمدية، الجامع الازہر، مصر،
- ③ انبارالحق جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعة العلییة،
- ④ انبارالحق کا انگریزی ترجمہ جو انبارالحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھٹا، راجہ برہمپور سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائٹل کا صفحہ غائب ہے، اس لئے مترجم کا نام، مطبعہ اور سن طباعت معلوم نہیں ہو سکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحب کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے گجراتی مترجم کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

- ① اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوایڈ براؤنڈون پرنٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان ہائیل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا، انبارالحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے "موجودہ اردو ترجمہ" کا لفظ استعمال

کیا ہے،

② اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

③ بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الكتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں تجدید عربی ترجمہ "کافکا ہستمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

④ بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۹۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الایام الاذیل تک کے صفحے اس میں سے فائب ہیں، "قدیم عربی ترجمہ" سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

⑤ بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) (کننگ جیس ورژن ۱۹۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف "قدیم انگریزی ترجمہ" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے ان عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو ان کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے "الفناؤں متبادلہ کی فہرست" (A Berrnntiys Rendering) کے نام سے

انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

⑥ بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے،

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میٹروڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، ڈی بیپٹسٹ یونین، ڈی پریسبیٹیرین چرچ آف انگلینڈ، ڈی سوسائٹی آف فرینڈس، ڈی چرچز اینڈ میوز، ڈی چرچز اینڈ آرٹ لینڈ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ سب ڈی نیو ٹیکسٹ ہبل کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظر ثانی نہیں ہو، بلکہ اسے باقاعدہ بنا لیا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جا بجا سابق انگریزی ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے۔ اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے جدید انگریزی ترجمہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

④ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ٹاکس ورژن)، یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے اس کا مترجم مونس گزلبے، ٹاکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے بیکلن کپن لندن نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا ہے فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "ایپوکریفا" (Apocrypha) بھی شامل ہے، لہذا ہم نے جہاں جہاں ایپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے سے ماخوذ ہیں، اس پر جا بجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے "کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جا بجا ملیں گے،

① لے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کروا کے شائع کیا ہے، سنہ طباعت ورج نہیں، سکاڑس
سے میری مراد ہی کتاب ہے،

- ① اے نیوٹنٹھ کنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رائلڈ اے ناگس نے لکھا،
 ② انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۰ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،
 ③ ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہیڈنگ بک کالردو ترجمہ
 ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینل، ایم اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی،
 رائسن بی، اے بی، ڈی اور اے ایم سٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ ہے، ایس، امام الدین
 اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ
 لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے
 حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہو میں فراہم کر دوں، اور اس
 غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ
 صرف ایک صفحے کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل
 یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟
 اس کا اندازہ ان حضرات کو ہوگا، جنہوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس
 موضوع کی اہم کتابیں کم یا بے ہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے
 مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ
 کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقعہ ضرورت تھی وہ ہتیا نہ کر سکا، دارالعلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گزشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہو گیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے ہجرت کو اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی ان دیکھی طاقت میری رہنمائی فرما رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تعجباً مایوس ہو جانے کے بعد جب میں ٹھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھلا ہے، اور تمام چپیدگیاں دُور ہو گئی ہیں،

بہر کیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، انظارِ اِنقی جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ آپ نعل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی تھی، ایک نسبت مجھے حاصل ہو گئی ع

بسیل ہیں کہ قافیہ نگل شود بس ہست

باری تعالیٰ کی بارگاہِ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمائے، اور جب آخرت میں دین کے محتاج خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سبہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر ان حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

جہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات وہ تھوڑے
ہو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں اُن حضرات کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس کام
میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مظلّم العالی
سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اولین محرک ہیں، اور ابتدائی
کتابیں بھی انہوں نے سربراہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحق صاحب
کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی (کراچی)، جناب
حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بینک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری
استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بعض بنیادی اہمیت
کی کتابیں میرے لئے جیتا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب
صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب عظمیٰ، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب
(دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال حسد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی
شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مسودات کی تہنیت اور کاہیوں کی تصحیح
میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے قہت باسات نقل کرو
میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب، مہتمم مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد
صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہیں منت ہوں کہ
انہوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار
جناب ابراہیم صاحب باوانی اور ان کے رفقا بھی بطور خاص شکر کے مستحق ہیں

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،
 ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا بہرہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے
 دلے، درے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کا رخیہ میں کسی بھی جیت حصہ لیا،
 آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا
 فرمائے، اور یہ کتاب مصنف، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے
 ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا كُنْ فِي قِيِّ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

محمد تقی عثمانی

۲۷ شعبان ۱۳۸۴ھ ہجری

دارالعلوم کراچی ۱۴

—————



عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر

مقدمہ

۱

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَىٰ قَوْلَهُ عَلَىٰ عِبَادِهِ النَّارَ مِنْ مَطْفَأٍ

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب انہارالحق اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہو کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن بعض اہم اسباب کی بنا پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ انہارالحق جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب سے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؛ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؛ اور ان اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانے والی برکتگوئی میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، تا وقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہو کہ انہارالحق ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنسک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بھداہمت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنہوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کرنے سے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ ان کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزو بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں انہارالحق کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جن قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو، میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کر دوں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم نسر مودہ عقائد پیش کرتا ہے؟ اگر نہیں، تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انہیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اس حصے کا بطور خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے چھ "عیسائیت اور عصر حاضر" کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زلزلے کا ساتھ دے سکتا ہے، پھر برصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو زور و عمل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امجداد صابری صاحب نے اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المستعان،

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کے کسی نظریے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔
عیسائیت کی تعریف | وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناقصہ کے باشندے یسوع کی

طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔ (برٹانیکا مقالہ عیسائیت ص ۱۹۴)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت جمل ہے، الفسرٹڈ، اسی، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاق، تاریخی، کائناتی موجدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والی مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ سمجھنا کر دیا گیا ہے۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے، "اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اعتبار حاصل ہے،

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موجد (Monothel) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں نین اقا نیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تئلیٹ۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التئلیٹ کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک عین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موصفہ اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔"

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفارے" پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گارڈے لکھتا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا، اس لئے ضروری ہو کہ اسے بھرے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو ہی میں ڈالنے سے ہوتا ہے۔"

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تشریف آری صفت کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارتس رلیٹن لکھتا ہے:

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے، لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہیں معلوم ہو سکتی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔“

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے **عقیدہ تثلیث** خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھن ہوتی ہیں اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا میں قائم (Persons) سے مرکب ہوا ہاٹ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ”خدا“ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم“ وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموعہ TRINITY سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعہ خدائے کتر ہیں اور ان پر لفظ ”خدا“ کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے،

توحید فی التثلیث غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک ”خواب پریشاں“ بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، دیکھئے برٹانیکا ص ۴۹، ج ۲۲ مقالہ ”TRINITY“
 ۲۔ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ”انیرمدتیں“ اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نید جاوید، ص ۲۵۶ بحوالہ پادری سٹیل صاحب)،
 ۳۔ Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by
 the Encyclopaedia Britannica 1950 P. 479 V. 22 “TRINITY”
 ۴۔ St. Thomas Aquinas, Basic Writings of: P 327 V I.
 ۵۔ a Britannica P. 479 V. 22

۶۔ یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے (الخطوط المقریزیہ ص ۴۰۸ ج ۳، لبنان، ۱۹۵۹ء)۔

تشلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے
بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی
خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک کو
کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب کے اس بات کی بھی مانعت
کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم

اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On
the Trinity) میں لکھتے ہیں،

تجدد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے
اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تشلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں
کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر
ایک خدائی وحدت تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے
ایک اور ناقابل تقسیم ہے، اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ
باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے
پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ نہ
بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تشلیثی وحدت
میں ان کی وحدت دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تشلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی،
اسے پنطیس پیلاتس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر پتھر سے دن زندہ
ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تشلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے
کے ساتھ پیش آنے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تشلیثی وحدت
لیتورج پر کبوتر کی شکل میں جس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پتھر دبا جا رہا تھا.....

۱۵ اشارہ، ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء کے واقعہ کی طرف تفصیل کے لئے دیکھئے اگبارالحق لٹریچر ہاؤس، ۱۹۵ ج اول،

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو پتھر دیا جا رہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ ”تو میرا بیٹا“..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابل تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے:

میں کو ایک، اور ایک کو تین شہر اردینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ | عیسائیوں کے نزدیک ”باپ“ سے مراد خدا کی ہننا ذات ہے، جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کر لی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایجویناس کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنما ہے، اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، درنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے،

۱۰ اشارہ ہے مٹی، ۱۱: ۵ یعنی تہی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۶۹ کا حاشیہ،

۱۲ Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddan and edited by Whitney J-Oals New York 1948 P. 672 V.2

۱۳ Basic Writings. of St. Thomas Aquinas.

edited by A. C. Pegis P. P. 324, 25 V. 1 New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ایس گارڈی نے لکھا ہے کہ:

اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، انسانیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنکس (۱۹۶۷ء)

بیٹا | بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایجویناس لکھتا ہے:

انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جز ہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقہً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعے ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اسٹیا پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے انٹارٹڈیم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے۔

روح القدس | روح القدس (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

۱۰ Aquinas The Summa Theologica Q 33 Art 206 3

۱۱ Augustine, The City of God, Book XI ch XXIV

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو پتھر دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳: ۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہ تثلیث کی تشریح میں گذر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو عید پینٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۶۷۲ ج ۲)۔

اب عقیدہ توحید فی التثلیث (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس تین اور ایک کا اتحاد میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتدا سے لے کر اب تک ایک چیتا بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، ساہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی محقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے ختمنا اور تیسری صدی کی ابتدا میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

حال پر ویسٹ مارس ریلیشن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی فسرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر اختیار ڈال دیے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کناپڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں ہے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس سترار دیدیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے باپ!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے ذمہ داروں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا،

ایبونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی ذاتی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن شرک کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں باپ نے خدائی عطا کی تھی، لہذا توحید اس لحاظ سے درست ہے کہ بالذات خدا صرف باپ ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ باپ نے خدائی کی یہ صفت بیٹے "اور روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا بیٹے کو بال باپ کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فسرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی،

ایک تیسرا فرقہ پیٹری پشین (Patripassian) تھا، نائیسس (Nicaea) پر گیزیس (Praxeas) کالٹس (Callistus) اور زیفائرینوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتراف سے قدیم ہر غیر فانی ہے، انسان کی نظر میں اس کا اور ایک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی تسلیم نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا ہے اور نہ انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آسکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یہ رعب نسج کا روپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھایا گیا۔ — لہذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بیٹا" کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بیٹا" رکھ لیا ہے،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر ایک اور تین کے اتحاد کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کسی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے نبی کیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ اور بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے۔ اس لئے یہ سسرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جنوں کا تولد رہا،

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابل مستبرل تھیں کہ ان میں کیسا کے مسئلہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے اس مسئلے کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

۱۔ یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کاتب باب اور علامہ شیخ کیا ہی تفصیل کے لئے دیکھے مارتن ریلیٹن کی کتاب

سرستداز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی

لہ اس بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہت میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور *الترخمن علی اللہ فی استویٰ* میں آیا کا مفہوم ہم میں نہیں آسکا، اس طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہت کی حقیقت | ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مقالہ دیا کرتے ہیں، اس کو اس کا جواب تفصیل سمجھ لیتے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہت آیتوں میں جو مفہوم پنپا ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دیکھ کر ہیاری عقیدہ شکل نہیں دیتا، جن پر پالانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھے گا ہم کو باہم بند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی۔ متشابہت وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا میں آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مفرد نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا و عقیدہ ہے جس پر ایمان لانے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اس عقیدہ تثلیث کو متشابہت میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ نے ایک ایسی بات سمجھنے اور ماننے کا ہمیں تکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، الفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہت کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے پہلے ہی موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہت سے بالکل بے خبر ہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہت قرار دینا یا تو متشابہت کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب کے، اس لئے کہ متشابہت سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ میں آسکے وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہت عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن عقل کے خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ اللہ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم ہی یعنی طور سے آج تک بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور اصل (باقی صفحہ آئندہ)

کوئی عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ جہاں تک ان ہندوستانی پادری

دعویٰ حاشیہ صفحہ ۳۵) مفہوم کیا ہے؟ اور وہی معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

أَلَمْ نُخَلِّقْ عَلٰی الْعَرْشِ الْمَثْوٰیءَ ۝ حِجَابِ عَرْشٍ ۝ اِسْمٰوٰی ۝ جِبَانَ عَرْشٍ ۝ اِسْمٰوٰی ۝ حِجَابِ عَرْشٍ ۝ اِسْمٰوٰی ۝

ایہ الفاظ کا ایک ظاہری مفہوم نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سیدھا ہو گیا ہے، لیکن یہ مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات غیر متناہی ہے، وہ کسی مکان کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی، اس لئے جہور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، عرش پر سیدھا ہونے سے کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں یقینی طور سے معلوم نہیں،

ظاہر ہے کہ عقیدہ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ مانتا پڑے گا کہ خدا تین انبیا ہیں، اور یہ تین ایک ہی گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ بنا گیا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماوراء کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی خدا کا عرش پر بیٹھنا مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

دوسرے الفاظ میں مسلمان قرآن کریم کی جن آیتوں کو متشابہ قرار دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں حقیقتہً جو دعویٰ کیا گیا ہے وہی ہم نہیں سمجھ سکے، لیکن جو دعویٰ ہمیں ہے وہ عقل کے مطابق اور دلیل کے موافق ہے، اس کے برخلاف عقیدہ تثلیث کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ تو معلوم اور متعین ہے، لیکن اس کی دلیل دہائی ہمیں نہیں آتی۔ اس لئے عقیدہ تثلیث کو متشابہات سے کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی،

صاحبان کا تعلق ہے جو پہلی ایک صدی کے دوران برصغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں ان کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، بس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کیسے مد تک بھانپا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے عقیدہ تثلیث کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ "تکثیف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو سن ۱۹۲۰ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں ترمسید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں،

اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو ہمیں اپنی ہمجنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی ہمماہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے۔ (تکثیف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۰ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے، اسی طرح (معاذ اللہ باللہ) کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں تین اقانیم سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے سے بلا وجود ایک ہے۔ — حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود تسلیم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ ابٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس لئے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسانہ"

لے آکستان کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جزء کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ بیٹے ... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا قرار دیتا ہے، خدا کا جزء نہیں مانتا۔

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر مندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقل و دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے ملما، متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مبسوط کتاب ہماری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی مینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ لے، ڈیلیو، ہیملٹن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعہ مقالات کا جزء ہے، جو ۱۹۲۳ء میں نیربارک سے پبلشرز آف مینٹ آگسٹائن کے نام سے شائع ہوا ہے،

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے تین اور ایک کے اتحاد کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات | آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا:

۱۔ اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جزء مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قدم و دوام کے منافی ہڈ ہے، ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، ت

عالم (جس نے جانا) — آپ

معلوم (جس کو جانا) — نذید

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، لہذا آلہ علم بھی وہ خوری ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس صورت میں واقعہ کو اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) — دماغ

معلوم (جس کو جانا) — دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلہ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہو گئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلہ علم کیلئے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، — آگسٹائن کہتا ہے کہ اس طرح خدا تین اقامتوں سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی زہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم برہ، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ ہے، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیث وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاؤس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چل گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیث وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہں تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کیوٹر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پتھر دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو پتھر دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے منہ سے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔ (آگسٹائن، ص ۶۰۲، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا حقیقہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم، مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام ربیٹا اور صفت مجتہد (روح القدس) اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہذا داغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہے، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدہ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفت کلام اور صفت مجتہد خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان متعلق فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفت کلام اور صفت مجتہد کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح داغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا داغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح لمیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کرتے رہا، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اس وقت یہ خدائی اقنوم ان کے جسم سے الگ ہو گیا، پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیے، اور انہیں کچھ بدایتیں دے کر انہیں پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایسا

رکنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدمؑ کی غیبتی سے اُن کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا۔

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں،

(۱) عقیدہ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدہ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدہ حیاتِ ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدہ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جز کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عقیدہ حلول و تجسم | حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے:

ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں

خدا کے ساتھ تھا: (یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا حیل لایا دیکھا جیسا باپ کے اظہارے کا جلال“ (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں کلام ”خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود

مستقبل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم

مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آ گیا تھا، ماس ریلیئن اس عقیدے کی تشریح

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کیونکہ عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو

چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار

کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہو، اور ایک جسم تکسہ ہمارے درمیان

مقیم رہی“

”بیٹے“ کے اقنوم کو یسوع مسیح علیہ السلام، کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیت کے نزدیک روح القدس تھی، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصل گناہ کا کفارہ بن سکے۔^{۱۵}

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ”بیٹے“ کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”بیٹا“ خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، ”افریڈ ایسنگھارو“ کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

”وہ حضرت مسیح، حقیقتہً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، ان کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا ان کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف یعنی نظریات پیدا ہوئے، اور ابتدائی شیش نے آریوں کے مقابلے میں اس نظریے کی پر زور حمایت کی تھی، لہذا منظور شدہ فارمولہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں۔“^{۱۶}

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کچھ تہہ تھے، اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا کہ:

”باپ مجھ سے بڑا ہے“ (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور ان حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ ”باپ“ کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے ایمل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

”میں اور باپ ایک ہیں“ (یوحنا، ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

”مطلبہ القہاس خدائی حیثیت سے انہوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

۱۵ (بصا ص ۱۳۳)

۱۶ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجیون اینڈ ایٹھنکس ص ۵۸۶ ج ۲ مقالہ ”وسائنت“

سے وہ خود پیدا کئے گئے۔

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ۔۔

چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے۔۔۔۔۔ لہذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے انفصل ہیں، اور اسی

طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کتر بھی ہیں (ص ۶۷، ۸ ج ۲)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی !

خانی بھی ہو اور مخلوق بھی ! برتر بھی ہو اور کتر بھی ! — عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال

بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی

ہیں کہ ”علم مسیحیت“ (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل پوختا

کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت

ہے، رہی عقل، تو عقیدہ حلول کو انسانی بچہ سے قریب کرنے کے لئے وہ چن مثالیں پیش کرتا ہے:

کوئی کہتا ہے کہ ”خدا“ اور ”انسان“ کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے،

کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس

طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں،

انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو

حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی

وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

۱۔ آگسٹائن ص ۶۷، ۸ ج ۲۔

۲۔ ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر شکل تبصرہ اجمار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

۳۔ دیکھئے انسا یٹلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۷۹ ج ۲۲، مقالہ ”تثلیث“، مئی ۱۹۵۰ء۔

پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی _____ لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے، وہ صرف انسان تھے، اس لئے

وہ جنھوں نے حضرت مسیح کو
خدا ماننے سے انکار کر دیا،

یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا،

نے اپنی فاضلانہ

James Mackinnon

سٹریٹس ایک کنٹرول

میں ان مفکرین کا تذکرہ

From Christ to Constantine

کتاب ر

کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اُن کے بیان کے مطابق اس نظریے کے ابتدائی لیڈر بال آون سوسٹا

لہ اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رد من کی توکلک چہچ کی یہ دلیل بہت سلی ہے، اس لئے کہ انگوٹھی میں جو غور نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگوٹھی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگوٹھی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تخریب ہے، اور نہ تخریب کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آئینے میں زید کا عکس نظر آ رہا ہے تو وہ آئینے سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی لئے کوئی آئینے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آئینہ ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیح کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہذا یہ مثال کسی طرح عقیدہ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

۵۲ ملار ابن حنبل نے اس کا نام بولس الثمالی ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸ ج اول)، یہ شخص

۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریق رہا ہے، (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۰)

Paul of Samosata اور لوسیئن (Lucian) تھے، مشرکوں کے گھٹے ہیں

تدوینوں کا نظریہ ہے تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق
یہ کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے
اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسیئن اور اس کے بھتیجے کے نزدیک وہ ایک آسانی
وجود تھے جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصیت
میں آگئی تھی، لہذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر
ان کی رُوح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ 'باب' کا پیغام پہنچائیں
لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی ۔

گویا پال نے دوسرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیح
کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص
عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسیئن نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ
خدا کی صفت علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیح کو خدا، خالق، قدیم
اور جاودانی بنا دے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیح بدستور مخلوق،

پال اور لوسیئن ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس
(Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری
عیسائی دنیا میں ایک جھگڑا مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں ایک کلمہ کے الفاظ میں یہ تھا:

"آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے، اور اس کا
کوئی سا جہی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہذا نہ بیٹا جاویدانی

۱۱۰ لوسیئن (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جن نے تمام عمر راہبانہ زندگی گزارا، اس کے نظریات
پس شمشلی اور آریوس کے نظریات کے بن بن تھے، شمشلیہ میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ
انطاکیہ میں گزارا (برٹانیکا، ص ۶۰، ج ۱۱، مقالہ لوسیئن)

ہے۔ اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیر نکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں۔ وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں مکمل ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم پوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔

خود یا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر ایگزیکٹو اور اتہائی شینس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدہ ملول کے ٹھیٹھ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوس عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلا وطن کر دیا گیا،

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولیسی فرقہ (Paulicians) نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین راسے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدانے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے ہیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ خدا کے بیٹے کہلائے۔ ان فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں، لیکن اس کو قریباً عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسطوری فرقہ | پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری سرسرتہ کھڑا ہوا جس کا سب ڈر نسطوریوں (م ۳۵۰ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی۔ نسطوریوں نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، بیٹا "خالص خدا ہے، اور مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولہ یہ تھا کہ: ایک شخصیت اور دو حقیقتیں۔ اس کے برعکس نسطوریوں کا فارمولہ یہ تھا کہ: دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں۔ چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پر زور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اس کے نتیجے میں اسے جلا وطن اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی سرار دیا گیا، تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے، اس کے خلفاء جو جرم ماند کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیڈن بکر

Bethune-Baker، ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اس نے ہم سے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتداد بنا کر تاکہ

وہ دو مستقل وجود بن گئے۔۔۔۔۔۔ اس نے کلمہ اللہ کو بتواریح سے اور ابن اللہ

کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیا۔"

اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسا بکٹر پٹی بارٹانیکا میں، ج ۳۹، مقالہ پائسٹینس۔
 لہ آخرا نے کے بعض حقیقتیں مثلاً بیڈن بکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات
 ٹیک بھائیس گیا، مگر پر دینس آس رلیٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے۔

یعقوبی فرقہ

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ Jacobite church

پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر

تھا، اس کا نظریہ آریوس

Jacabus Baradaeus

یعقوب برزعمانی

اور نستور یوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نستور یوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں

کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت

تھے، بلکہ ان میں حقیقت بھی صرف ایک پائی جاتی تھی۔ اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا

تھے، مگر میں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی ڈرلڈ فیمل انساٹیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا

نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی

تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی“

یہ نظریہ یعقوب برزعمانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے

فرقوں کو ”مونوفیزی فرقے“ Monophysites کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی

صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بھد زور رہا ہے،

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جا گیا ہے کہ عقیدہ حلول کی تشریح اور اسے

آخری تاویل

اعتل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کب

کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے

عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے بدینہ

۱۵ دی ڈرلڈ فیمل انساٹیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰، منبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

۱۵ء یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث بن گئے

ان کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے ردیکھنے برٹانیکا، ص ۳۰، ج ۱۵، ۱۵ء، خالہ مرزنیس فر

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل لہجہ میں غالباً اپنی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ

مبلاشیرہ رنگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ

سبحانہ و تعالیٰ ہے

الذین یؤمنون بہ

نشر دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدہ حلول بھی ایک سرسبز راز ہے جسے مانتا ضروری ہے، مگر سمجھنا نہیں، (دیکھئے بڑا تھیکا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر ذرور میں عقیدہ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رد من کیتمولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جون کاٹوں پر سرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض تدبیر منکرین نے بھی پیش کی تھی مگر اسے پروفیسر آرس رلیٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اس قسم کا حلول (جس کا رد من کیتمولک چرچ قائل ہے)، اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُس وقت ہموار ہو گئی تھی جب پہلے انسان آدم، کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اس انسانی عنصر کو بتی آدم کے مخلوق ڈھلچنچے میں نامکمل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہذا جتنی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کارروائی نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کیوں مقیم رہی ہو لہذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ محض مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے، آخستہ کار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت ہی، جو ہماری

لہ یہاں آرس رلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی

صورت پر پیدا کیا (پیدائش: ۱: ۲۷)

انسانیت اسی ہی مختلف ہر جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس تاویل کی زد سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں، یہ ہے وہ تاویل جو ہر دینیس مارٹن ریلین کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرج نہیں آتا۔ لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اپنی نظر سمجھ سکتے ہیں،

۱۵ Studies in Christian Doctrines P.P. 133, 144

۱۵ اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک، پیاس، خوشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک، پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اُسے میں بھی حادثات کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات باہرہ غلط ہے، اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انھیں کیوں بھوک، پیاس لگتی تھی؟ انھیں کیوں بچ اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزرگ نصاریٰ) سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ جبکہ ان کی انسانیت بقول مارٹن ریلین ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور برتر ہے؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں۔ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا۔ — حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ واقعہ الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے برے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کا (باقی برسر آئندہ)

عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں ہیروڈ نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہو گئی تھی، — اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پچاسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

(دقیقہ ما شیہ صفحہ ۵۲) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں۔ سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب ڈی سٹی آف گاڈ کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں،

پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی روح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہو اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنہیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں۔ (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

(ما شیہ صفحہ ۵۲) لے حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدّمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہار الحجّ کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی مسئلہ کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برتاؤ اس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برتاؤ اس نے نہایت مہارت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکر یوتی مصلوب ہوا تھا، رہم نے اظہار الحجّ کے آخری باب میں بشارت کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے راقی آئینہ صوری

پہلے گزر چکا ہے، کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری پشین فرتے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،
صلیب مقدس | چونکہ عقیدہ مصلوبیت ہی کی بنا پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے
 نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی
 یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ————— چونکہ صدی عیسوی تک اس نشان کو
 کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء
 میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران غالباً خواب میں آسمان پر صلیب کا
 نشان بنا ہوا دیکھا، پھر ۳۱۳ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب مل
 جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزرگیم نصاریٰ) حضرت مسیح
 علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن
 مناتے ہیں جس کا نام پڑور یافت صلیب) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار
 (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخواست میں اس نشان کو ہتھمال
 کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

دبقیہ ماشیہ صوفو گند، اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے اس انجیل کے بارے
 میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے۔۔۔ لیکن حال ہی میں انجیل کا
 ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں ہے لکھا ہے
 کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ
 بلیمین اسٹریٹرنے اپنی مشہور کتاب "انجیل اربعہ" (The Four Gospels)

دص ۵، مطبوعہ میکلن نیویارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تائید ایل اگرچہ اسٹریٹرنے یہ کی ہے کہ یہاں
 مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف
 یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مجہول (Passive Voice)

"He was taken oil"

استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹرنے یہ الفاظ نقل کیے ہیں،

راہ کو اد پر اٹھا لیا گیا، اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اُن سے
 مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ اد پر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت،
کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت، عین
ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں^{۱۵}

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ ان کے اعتقاد کے مطابق
حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؛ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں
ہیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد کفارہ کا عقیدہ ہے،
یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم
کرتے ہیں،

عقیدہ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سونے پر
وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ
ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے،

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور
چونکہ حضرت مولا ناریحت اللہ صاحب کیرانوی نے اٹھارہالحق میں اس قصے کے غیر مستند اور
متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی
موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیل گفتگو بیکار ہے،

عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ کفارہ ہے،
اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے مزوری ہے، اول تو اس لئے کہ بقول

^{۱۵} صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۵۲، ج ۶، مقالہ "صلیب" سے اخذ ہے۔

مسٹر ڈینیئل ویلسن یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں ان کو درحقیقت اس عقیدے کی تہید سمجھنا چاہئے، دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی چھپیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا، اور نادراقت حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیاں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر مانہ نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

”عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام رہتا ہے، اس لئے انسان جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔“

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے ہم بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

David Wilson, *Evidences of Christianity* V. II, P. 53 London, 1830. ۷۲

۷۲ مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب رسالہ ”الکفارہ“ مطبوعہ پنجاب ریویس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۰۷ء

”کفارہ“ کے بارے میں پڑھنے کے لئے ج ۲ مقالہ ”Atonement“

ہو سکتا، یہ مفروضات ہم نمبر وار درج ذیل کرتے ہیں،

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انہیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انہیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر چاہتے تو خلواتِ درزی بھی کر سکتے تھے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کثرت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ اول تو اُس وقت حضرت آدم کے لئے حکم کی بجائے بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی کھلی آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلواتِ درزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار اطاعت کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح اطاعت "تمام نیکیوں کی جڑ ہے"، اسی طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدم

۱۵ ہماری نظر میں عقیدہ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ سنا ہی دیا گیا ہے۔

۱۶ آگسٹائن، دی سٹی آف گھاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گناہ نے یہ بنیاد قائم کر دی،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کیت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت سے گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں کبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنی لڑائی جیتتیا میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کہ فریور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو موت کا مستحق بنا لیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گراہ کن ٹکڑی چڑھی باتوں کی تصدیق اسے انسانی رُوح کا اخص غاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جب غذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے ان سے زائد کی تمنا کی تھی، اور ہاں بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا۔“

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بچہ سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ دائمی موت یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”شجرہ ممنوعہ“ کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

”جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا (پیدا) کر دوں گا۔“

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوت ارادی (Free Will)

لے دی گئی آت گاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۷ ص ۱۲۵۷ ج ۱۲

Augustine, The Enchiridion XLV PP. 684 V. 1 ۵۷

عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انہیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور برے کام بھی، لیکن چونکہ انہوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

جب انسان اپنی آزاد قوت ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوت ارادی کی آزادی ختم ہو گئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے۔ میری پطرس رسول کا فیصلہ ہے،..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیک کا غلام بنا شروع نہیں کرے گا۔

گو یا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کر لیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیک کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مستلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایجویناس لکھتے ہیں:

درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہو گئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعے بے شمار گناہوں میں مستلا ہونا درحقیقت اس پہلے گناہ کا لازمی خاتمہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا۔

۳۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی آزاد قوت ارادی ختم ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیک کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

۱۔ پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرت اشارہ ہے،

۲۔ The Enchiridion, XXX P. 675 V. 1 آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گارڈ میں ۲۵۵

۳۔ ۲۵۱ ص ۱ میں یہی کہی ہے،

۴۔ Aquinas, The Summa Theologica (2), 87, Art. 2, P. 710 V. 11

اس نے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہو گیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ اِن دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ اصلی گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہوا، سینٹ آگسٹائن لکھتے ہیں،

اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے رانجا ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھے،

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوئے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود موصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، درحقیقت ہم نے آدم سے صرف سزا درخت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک دبانی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انسان کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اس طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا لے کر جاتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور تصور کی ہوتی ہے، کس اور کس تصور کی نہیں؟

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس اکیویناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہائے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصل گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جہیم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔^۱

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم "اصل گناہ" میں ملوث ہو گئے تھے، اور "اصل گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوتِ ارادی سے محسوس ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصل گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لگ گیا جو "اصل گناہ" کے سبب انہوں نے خود کئے تھے۔^۲

۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی "عقوبت" کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوتِ ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے ان کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوتِ ارادی کے فقدان کے سبب وہ ان نیک کاموں پر بھی قادر رہے تھے جو انہیں مذاپِ نجات دلا سکتے۔^۳

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے بچشکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کر کے انہیں معاف کر دے۔ لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اہل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتابِ پیدائش کے حوالے سے یہ گزر چکی ہو کہ "اصل گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ موت کی سزا دے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا۔^۴

۱۔ The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. 11

۲۔ Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. 1

۳۔ ایضاً باب نمبر ۳۰ ص ۶۷، ج ۱ ازل،

۴۔ دیکھئے الٹا بیکلر پیڈیاٹریکا، ص ۶۵۱ و ۶۵۲، ج ۲، مقالہ گفتار

۹۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالت زار پہنچی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانون عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوت ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انہیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ ٹیکیاں کر سکیں۔

۱۰۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہے، خدا سے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے بیٹے کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے، اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو ٹیکوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے، بپتسمہ

۱۱ آگسٹائن، دی سیٹی آف گلاڈ، ص ۲۵۹، ۲۶۰ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۱

۱۲ ایضاً،

۱۳ The Enchiridion L P. 687 V I

۱۴ Ibid, 60 ch 1: " 698 V. 1

۱۵ اس سزا کو "بپتسمہ" کہتے ہیں اللہ آئے گی،

لینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ پتھر لینے والا یسوع مسیح کے گناہے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا پتھر لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لہذا جو شخص پتھر لے گا اس کا اصل گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی اور جو شخص پتھر نہ لے اس کا اصل گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایکویناس لکھتا ہے،

تو پتھر پتھر لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ بھی
خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پا گئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں!

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لاکر پتھر لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کہتے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصل گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا مستحق تھا اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصل گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملے ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزلو قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر پتھر لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ پتھر لے کر دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ ان کے لئے کافی نہ ہوگا، لہذا چرچ جن لوگوں کو "نفاق" Schism یا "بدعت" Heresy کے الزام میں براہِ رومی سے خارج کر دے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔

۱۵ Aquinas, *The Summa Theologica* 87.5 P. 711 V. II

۱۶ Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 611 V. I

۱۷ Aquinas, *The Enchiridion* LXVII P. 621 V. I

اور اگر انہوں نے کوئی سہول گناہ کیا ہے تو وہ ماضی طور پر کچھ عرصے کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام..... "مطر" Purgatory ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔
 بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف کفر ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی راتے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر | یہ ہے عقیدہ کفارہ کی حقیقت؛ عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

۵ عقیدہ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے انجیل و الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزو پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دیتا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مسئلے میں فیصلہ کن باہتیت کے حامل ہیں، اور شاید ان کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں ابھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ حضرت آدم کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟
 - ۲۔ پھر اس عقیدے میں اصل گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدم سے ان کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیح کی طرف، سوال یہ ہے کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تو آت میں تو یہی ہے عبارتِ بلیتی ہے کہ:
- تو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ پاپے بچے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صوابت اس کے لئے ہوگی، اور شرع کی حرارت

شرع کے لئے • (حقیقی ایل ۱۰: ۱۱) (باقی صفحہ آگے)

۳۔ ہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غائبہ و بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ (۳) کالون نے آدم کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال دہانی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو یہ مسئلہ ہی محل نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض وہ دوسری کو گھٹتا ہے، یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر ہتھیاری چیز ہوائے گناہ پر تکیا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابل سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطلع کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابل سزا کہتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

۴۔ اسی طرح ایکویناس کے بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہ نگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گھنکار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدم کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدم کو اس وقت تک گناہ نگار نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد گناہ نگار نہ بنا دیا جائے۔

۵۔ اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسانا بھی۔ اور اپنی انسانی حیثیت سے انہیں نیچا پر چھڑھایا بھی گیا تھا،

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رہنمائی کسی بھی) پھانسی پر چڑھا دینا انسان کا کیا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں جگتے کو تیار ہوں۔ تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ — حرتی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

۷۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہو کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی توبہ ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا عمن توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ صفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص ایٹینس شیس ر Coelestius (ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

”آدم کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدم اپنے گناہ سے پہلے تھے“

لیکن ان نظریات کو کاتھلیک کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے ”بدعتی“ قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انساٹیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادات اور رسمیں

اصول عبادت | عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس کے بنیادی اصول عبادت کو سمجھ لیا جائے، مسٹر ریمینڈ ایبار Raymond Abba کے بیان کے مطابق یہ اصول نکل چار ہیں:

۱۔ عبادت ”درحقیقت اس شربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ“ یعنی حضرت مسیح نے بندوں کی طرف سے دی تھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ”اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب

آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہو کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مرے گا“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دیگر باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

Augustine, *On Original Sin* ch. II P. 621 V. 1

(حاشیہ صفحہ ۱۷)

Raymond Abba, *Principles of Christian Worship*, Oxford 1960, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”جس طور سے ہمیں، دعا کرنی چاہئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر

ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا“ (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ کسی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ عبادت ”کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ مسیح کے بدن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون **حمد خوانی** میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، — ان میں سے ایک ”حمد خوانی“ کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان ”منسا“ بھی کہہ دیتے ہیں،

مسٹر ایف اسی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں اور زبور کے ہر فقرے کے ختم تمام پڑھنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے رقع پڑھنا ہوں کے اعتراف کے طور پر آلسو ہیانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے، اہتہائی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے۔

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ : *Baptism* ، عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسَم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کئی عیسائی عقیدہ کار فرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے اصل گناہ کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوتِ ارادہ حاصل ہوتی ہے۔

جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ عیسائی نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹچومینس (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انہیں عشاءِ ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پیش کو سٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یہ یروشلم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

”اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں“

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندر دنی کرے میں لیجا یا جاتا ہے، جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیے جاتے ہیں، اور سکر پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

۱ Augustine, *The Enchiridion* XIII P. 688 V. 1

۲ The Christian Religion PP. 150, 152 V. 2

جواب میں: "مہدوار کہتا ہے کہ "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں" اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کے ہوئے تیل سے دوہاڑ مالش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہلے بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے؛

عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیح کی میت پر عشاء ربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیح نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ،

جب وہ کھارے تھے تو یسوع نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور

شاگردوں کو دے کر کہا، "لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا

اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا دھند کا خون ہے جو

بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶: ۲۶، ۲۷)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا کہ:

"تمیری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم

جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک

اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے

کا بوسے کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر

باپ بچے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائزل لکھتا ہے:

تجس وقت صدر مجلس دعا سے قانع ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندہ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔

یہ بات عرصہ دراز تک بحث و تجسس کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے،

عشاء ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام

اور بھی ہیں:

مشکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)

اور مقدس اجتماع (Holy Communion)

Justin Martyr, Apol. 1, 65-67: quoted by F. C. Burkitt,

The Christian Religion P. 149 V. III

Cyril Cat. Myst. K. quoted by the Britannica P. 295 V. 8

"EUCCHARIST"

پتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں
 (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا، کابون لکھتا ہے:
 آن (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو بائبل نے معترف کی ہیں
 پتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں انہیں
 ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔^{۱۷}

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی
 نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ | اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے
 بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل
 کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا تھا، اور
 اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے
 اس خطے پر قابضانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو قراعتہ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ
 حاصل نہ کر سکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے
 بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں
 عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے
 بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل
 عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم

^{۱۷} Calvin, *Common confession* 76, trans by J. K. S. Reid

^{۱۸} یہ خاکہ بائبل کے عہد نامہ قدیم، اپوکریفا اور ہائیکاس سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بناء پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا، سب سے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب تضاہد (Judges) میں انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤد کے عہد تک قائم رہی، بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پنمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمائے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ معترف کر دیا گیا، جس کا نام شران کریم کے بیان کے مطابق طاوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔ سموئیل ۱۱:۱۳)، طاوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طاوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤد اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہردلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پنمبری عطا کی تھی، حضرت داؤد کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۴۰۰ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر بیوہ رکھا، لیکن جب ۹۲۰ ق م میں حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجعمام سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمان کے ایک سابقہ خادم پر تعجبام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامرہ (Samarra) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، بنو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے ستر باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے ان پر شاہ بائبل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیہ کو قید کر کے نیگیہ بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہو کر بائبل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارنا پانا، اور جب ۵۳۶ ق م قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بائبل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۱۵ ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی استوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ ان کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو گئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، سنہ ۳۳۲ ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگیں رہ کر زندگی گزارتے رہے، سنہ ۳۳۲ ق م میں ان پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادوی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے، سنہ ۱۶۵ ق م میں سوریہ کے بادشاہ انتیوکس اپنی فینس نے ان کا تری طرح قتل کر دیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابہوں کی پہلی کتاب باب اول) اس دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحبِ ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، ان

ان کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے استوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت مشرق تک قہم رہی،

حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری | مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر، اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی

تھی، بحیرہ روم کے آس پاس ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بائبل کی جلا وطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آ بسی تھی، لیکن ان کی اکثریت بائبل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر اردومیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روم کے تابع اور ماتحت تھی، یہ روم سلطنت رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا، جن کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، اسی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جو انہیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریاضیاتی ابہامات پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنہیں آپ کی حیات یلبتہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

عیسائیت کی تاریخ | عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریخی میں ہوا

تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

سے اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجی ا اینڈ ایٹھکس کے مقالہ "عیسائیت" سے اپنا اس سٹریک کی مختصر تاریخ کلیسا پادری خورشید عالم کی تاریخ کلیسے رومہ اکبری اور برٹانیکل کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمدن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پلے پلے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا منحنی بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساڈل جزیب بیک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا۔ اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک ٹور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہو؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میراڈل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساڈل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساڈل نے اپنا نام بدل کر پوٹس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیروؤں میں پوٹس کا اثر درسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلوان و تجسم کے عقائد کی کھلی تبلیغ شروع کر دی، تو ایچ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پوٹس کی کھلی مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوٹس ہی کا اثر دروخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دور ابتلاء

یہ ترقی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموشی ہو گئی، دوسرے باب میں پوٹس کی تحریف دین عیسوی کا مفصل بیان آ رہا ہے،

(Nicene Creed) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائوں

پر سیاسی طور سے رومی مسلمان تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھانے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (۱۵۰ء)، اگناسٹس (۱۶۰ء) تقریباً ۱۸۰ء، پے پیار (۱۹۰ء)، پولیکارپ (۲۰۰ء)، آتریانوس (۲۱۰ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین عظیم | ۳۲۵ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں شاہ قسطنطین اول روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا، اور

اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطین صور، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دیکر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے دفع کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا، اس سلسلے میں نیقادی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے، جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار ثلثیت کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا گیا، جو عقیدہ اہتانی شیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدون کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنگناک تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصہ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا،

لہٰذا یہاں یہ واضح ہے کہ جو نظم عقیدہ اہتانی شیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اہتانی شیس کی نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحثے اپنے شباب پر تھے، اس لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہد

مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب قسطنطنین سے گرگوری تک سلطنتِ روم پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنتِ روم کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بید متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریق (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ نگیں تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا پوپ یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہو گئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ پانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضا مندی صرف دنیا کے جھیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس جہان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں، لیکن پہلا مذہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چٹی صدی کا پاپم مصری ہے، پاپم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیسٹر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ | ۱۸۳۰ء تا ۱۸۴۰ء | ۱۸۳۰ء تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط جو جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پارہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی دبا میں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کارشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں آگئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

قرون وسطیٰ | ۱۸۳۰ء سے لے کر ۱۵۲۱ء تک کا زمانہ قرون وسطیٰ کا زمانہ
Mediaeval Era | کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی

خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو یورپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، اسی، ہارڈے نے اس زمانے کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گیوری ہفتم تک کا زمانہ (۱۸۳۰ء تا ۱۰۴۲ء) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی،

۲۔ گیوری ہفتم سے ہونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (۱۰۴۳ء تا ۱۲۹۴ء) جس میں یورپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ ہونیفیس ہشتم سے ہمد اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء تا ۱۵۱۶ء) جس میں پاپائیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں،

قرنِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔ **نفاقِ عظیم** | **نفاقِ عظیم** (Great schism) تاریخِ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں

کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا، ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ

سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر ڈی ہولی آرٹھوڈوکس چرچ (The Holy

Orthodox Church) رکھ لیا، نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں

سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علحدگی کی پہلی وجہ تو مشرق اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی

کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم

اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس

کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ

باپ کے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہل مغرب

پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انہوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نبی قیادی کو نسل کے

فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھادیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسل امتیاز کی جڑیں خلی

گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنتِ روم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے

قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

۱۵۔ یہ اور آگے تاریخِ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ ایٹھس ص ۱۹ ۱۵ ۱۵

جلد ۱۲، مقالہ عیسائیت سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریق کے حوالے کرنے یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بڑی طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران
پوپ تیوہنم (۱۰۵۴ء) نے مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر
تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریق میکاتیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا،
اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں ستر بان گاہ پر اناثیما (لعنت) کے کلمات
لکھ دیے، بس اس واقعے نے گرم لوبے پر آخری ضرب لگا دی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہو گیا،
۲۔ **صلیبی جنگیں** اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنہیں عیسائی
مورخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے

ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ
مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبرد
مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی
نہیں کر سکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور
مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے
پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین
کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب
میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان
کر دیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی پی، ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا
ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس جنگ
میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مرے گئے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے ۱۱

اس طرح سات کروسیڈ لڑے گئے جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بڑی طرح شکست ہوئی، ۱۲

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں | صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے

سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہد سے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع

کر دیا، اس کے زمانے میں مغرب ناموں کی تجارت عام ہو گئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک

پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء

تا ۱۳۰۶ء) پاپائیت بالکل خاتمہ ہو گیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیری بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے، پھر ۱۳۰۸ء سے ۱۳۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدار اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک

پوپ فرانس اسپین اور ناپلس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایون پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman

Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاق عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں | جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

۱۵ ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد ابرہان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں ویکلٹ (Wyckliff) (متوفی ۱۳۸۴ء) کا نام سرفہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اس کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی،

پاپاؤں کے افتراق اور نفاق عظیم کو ختم کرنے کے لئے ۱۲۰۹ء میں کونسل پیا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی بپشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے ایگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بھری ڈاکو جان بست دسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤں کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہو گئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۲۱۴ء میں کانستنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں نفاق عظیم کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اس کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو با اتفاق بدعتی تسلیم کر دیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلادیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہونا نظر آیا، تو اسے ۱۲۳۱ء میں بائبل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

آخر کار ۱۳۸۳ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

تابوت میں آخری بیخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور ہسپتسمہ اور عشار ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سینیٹر زولینڈ میں زڈنگلی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سوہویں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جینیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، آٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹنی شروع ہو گئی، اور بالآخر مملکتان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کی تھوٹک چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ

عقلیت کا زمانہ

کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوتی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعروں لگا کر اٹھے، انہوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ ہتھزار ہتھکڑیوں کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعروں یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعمے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دریا برد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگاتے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (Rationalist) کہتے تھے،

دیم شلنگ ورثہ (۱۶۰۲ء، ۱۶۲۲ء) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرو لگایا تھا، لارڈ ہربٹ (۱۵۸۳ء، ۱۶۳۳ء) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء، ۱۶۷۹ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ دو لٹائر (۱۶۹۴ء، ۱۷۸۸ء) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک وارتباب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کلمہ کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹریڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقید حیات ہے،

تجدد کی تحریک | مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِ عمل و طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب

ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے ائمہ شافعات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متوازی الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے،

ڈاکٹر پاپی لین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمانے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک : (Harnack) اور ہینان

Clarke Short History of the Church !. 394

۱۰

۱۱ سیاسیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مقالہ "میں عیسائی کیوں نہیں ہوں؟" (Why I am not a Christian?)

۱۲ ہارنیک کی حرکتِ آوار کتاب "سیاسیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

(Renan) اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک.....

(Catholic Revival movement) کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف جنگ شروع کی اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہائے اسلاف نے بھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب سے بڑا صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہئے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاؤ لیکر لوٹ رہے تھے، مادی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا گئے جنہوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر ناکس (۱۷۹۹ء-۱۷۵۷ء)، جان ہنری نیومین (۱۸۱۶ء-۱۸۹۰ء)، ہیوریل فراؤڈ (۱۸۱۸ء-۱۸۳۶ء)، اور رچرڈ ولیم ہرچ (۱۸۱۵ء-۱۸۹۰ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہائے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدید اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جن دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عورت کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے سھلکے ہوئے قافلہ نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سُلگے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیطہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلح" کے بننے والوں نے گیت گائے تمہارے اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی، جس کے قدموں پر پتھر کے بُت "اوندر سے گرے تھے، جس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، بلکہ "جو کچھ سنا وہی تم تک پہنچا دیا، جب تک تم اس کے بتاؤ ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس مشنزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔

پہ مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دین ہمہ ادست

اگر بہ ادنہ رسیدی، تمام بولہبی ست

—————

۱۵ استثناء ۲:۳۳ ۱۴ یوحنا ۱۳:۱۴ ۱۳ یسعیاہ ۴۲:۱۱

۱۴ یسعیاہ ۴۲:۱۴ ۱۳ یوحنا ۱۹:۱۳

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ عیسائی مذہب کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ ان کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب کے لیے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں اور یہی نیا مذہب ارتقا کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج عیسائیت کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کا تعارف

پوتس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپتیوں کے نام خط میں وہ اپنے بلے میں خود لکھتا ہے،

”آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بلیمین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، طریقت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔“ (فلپتیوں ۵:۱۳)

اور یہ روم کے شہر کورنٹھس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۵: ۳۶ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام ”ساؤل“ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان کے ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انہیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ :

”میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل تے جلتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انہیں سزا دلانا اور زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہر داروں میں بھی جا کر انہیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروا لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو لے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفرؤں کے گرد آگرا آچکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے! پہنچنے کی آہ پر

لات ارناتیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو سنا ہے، لیکن اٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیسروں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا ہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں سے کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں“ (اعمال ۲۶: ۱۹ تا ۲۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعے کے بعد سے میں ”خداوند یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے ”پولس“ رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کھل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برتباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

”اُس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برتباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس میں طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خدا کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسٹس کو روانہ کر دیا۔ (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پوٹس حواریوں کے ساتھ جبل جبل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا،

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بان یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ اور پوٹس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پوٹس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھلا تضاد ہے،

پہلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے ہر مو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور وہ حقیقت اپنی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہیں جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ | سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو سمجھئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معنی کو اگر درست اور مداریہ نجات

بھی تسلیم کر لیا جاتے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو گا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تا وقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر مارس ریلٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجحان پسند علماء میں سے ہیں) ”خدا“ کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

”اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے،

وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں! صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں

جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے

ذمے ضروری ہے ان کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر تثلیث کا نظریہ بھی اپنی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر

آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ ”خدا تین اقانیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں“ خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اے اسرائیل! میں خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ“ (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیح نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا سے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو چسے
تو نے بھیجا ہے جانیں“ (یوحنا، ۱: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمھارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ”ابن آدم“ کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساتھ جگہ اپنے آپ کو ”ابن آدم“ فرمایا ہے،

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں، مگر ہم یہاں

۱۔ عیسائی حضرات عقیدہ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو ”باپ“ اور اپنے آپ کو ”بیٹا“ کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیح کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰)

استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو مفت میں نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتدا میں برلن (جرمنی) کے مشہور معرکہ گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تجدید (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۶ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums)

کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں :

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا، دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مقرر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ :
"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" غالباً حضرت مسیح

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ: جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متضمنات سے الگ ہو کر (حضرت مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تہنیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ عقائد جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ بلا جلا رکھتا ہے،

۱۵ یہ متی ۷: ۲۱ کی عبارت ہے، تعنی

۱۶ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بائبل میں خود (حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بائبل میں انہوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا، اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت مسیح کی مراد کیا تھی؟ آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا سے ظاہر کرنا چاہے"

. اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

" This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men. " ("What is Christianity" PP. 129. 130)

خدا کو ”باپ“ اور ”اپنے باپ“ ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہذا اگر بیٹے“ کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت مسیحؑ) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا، اس معنی میں (حضرت مسیحؑ) اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔“

آگے چند صفحات کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

”جس انجیل کی تبلیغ (حضرت مسیحؑ) نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہے، بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی عقلیت پسندی“ (Rationalism) ہے، بلکہ یہ ان حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں۔“

پھر چار صفحات کے بعد وہ لکھتے ہیں:

”انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا اسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت مسیحؑ) کا مطلب اور مقصد تھی۔“

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیحؑ علیہ السلام نے اپنے باپ سے ایک خدا کا بندہ اور پیغمبر“

۱۲ Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Saunders, New York 1912

۱۳ Ibid P. 147

۱۴ Ibid P. 151

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس کے
اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو۔

حضرت مسیح خوار یوں کی نظر میں | حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا
ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے
کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "ثلیث" یا "جلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں
حضرت مسیح کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ آقا اور
استاد کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کسی عبارت میں بھی اس بات پر
دلالت کرتی ہیں کہ حواریوں میں حضرت مسیح کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "رتی" کہتے تھے
انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم رتی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو

اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے،

اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی: ۲۳: ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیح کو "رتی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ
"استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، موجود اور آتہ کے معنی میں نہیں، لہذا اس لفظ کے
تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ
کے سوا کوئی ایک شری بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدہ "ثلیث" یا عقیدہ خلوان کا کوئی اشارہ
ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ماقی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ
حواریوں کے نزدیک حضرت مسیح ایک پیغمبر تھے، اور بس، حضرت پطرس حواریوں میں
بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد
فرماتے ہیں:

۱۵ اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی

سے پوچھئے، "رموزِ ملکوتِ خویش خسرواں دانند"

”اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو“ (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت یسوع ناصری کو ”ایک شخص“ کہنے کے بجائے خدا کا ایک اقنوم کہتے، اور ”خدا کی طرف سے“ کہنے کی جگہ صرف ”خدا“ کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث وحلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا“ (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

”کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو مسیح کیا، میرا دلیس اور پنتیس پیلاتس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے“ (اعمال ۱۳: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباہس حواری فرماتے ہیں:

”دلی ازادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا“ (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے، یہ تمام عباراتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کو ”ایک شخص“ اور ”خدا کی طرف سے“ پیغمبر اور اللہ کا ”خادم“ (یعنی بندہ) اور مسیح سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ان کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی، اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا، . . . تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گنہگار . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے“ (فلپیوں ۲: ۱۱-۱۳)

اور کلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”وہ (مسیح) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا آن دیکھی تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں“ (کلتیوں ۱۶: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجتم ہو کر سکونت کرتی ہے“

(کلتیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے ”خداوند“ اور ”رہی“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ”استاد“ کے ہیں، لیکن کہیں ان کے لئے ”الوہیت“ یا ”مجتم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے،

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجتمہ کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا“ (یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر پہلے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (۱: ۱۴)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

تجتمہ کے عقیدے کا بانی پطرس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا دزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین

انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود

عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس

انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل

کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل درد سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق

کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں

ہم نے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم

نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آریئوس (م ۳۲۵ء) آریجن (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ

رومی (م ۲۵۲ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا

حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۳۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ

اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، الٹائیٹلو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال

ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

”جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیا نے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ۶۱۵ء کے لگ بھگ، چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے سرخمس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ اپتی فانیس نے ۳۴۰ء، ۳۴۵ء میں اسے ایک طویل تذکرہ لکھ سکتی سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسلی اور مونٹنیسٹ فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بننے اس کا نام "الوگی" رکھام والی انجیل کا مخالف، رکھ دیا، اگر انجیل یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟

یقیناً نہیں!

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے، لیکن یوحنا بن زبدي حواری ان پڑھ اور ناواقف تھے، (جیسا کہ اعمال ۳: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحب رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا، حالانکہ یوحنا بن زبدي حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۳، مقالہ: "جان"؛ "گاسپل آف:"

۲۔ دیکھئے: ۳: ۴، ۱۵، ۱۹، ۲۱، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، وغیرہ۔

۳۔ دیکھئے ۱۱: ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، وغیرہ۔

۴۔ برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۱۳، مقالہ: "جان"

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرنیوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ وقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بنا پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے اہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) ہے۔
جیس میک کنن لکھتا ہے:

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرنیوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر ناپاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے؛ اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آج ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدي کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی؛ اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدي رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں؛

انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا رسول نہیں تھا، یوحنا بزرگ تھا، انہیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اسی سوال کا جواب بھی ابھی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے:-

جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زہری رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی توارخنی اہمیت کے قائل نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چہارگانہ توارخنی واقعات سے معزتا ہے، اور اس کے کلمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے:-

مگر یا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زہری حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت نظرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ یوحنا بزرگ کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ نے بالکل آخر میں انہیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا، یوحنا بزرگ نوجوان پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشمہ د چراغ تھے، اور ابھی باتوں کا اظہار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبول عام حاصل ہے، اور جس کی بنا پر انہوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے، لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ لگم یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

تو ان کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے وہ شاگرد جس سے یسوع محبت کرتا تھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں،

اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل راجع کا مصنف ہے (۲۴: ۲۱)

حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

”اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جسے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے

سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا“ (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

”اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون

ہے؟“ (۲۵: ۱۳)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چپیتے اور محبوب تھے کہ انہیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح نے انہیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہود اہ اسکر لوتی جیسا شخص جو بقول اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر دیا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہوا، اور حضرت مسیح کا اتنا بے تکلف شاگرد جو ان کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عسروچ آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیح کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

لہٰذا یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے

اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھئے مٹی ۲۶: ۲۱ و مرقس ۱۳: ۱۸ اور لوقا ۲۲: ۲۱)

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی محل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے جن میں مریم، مرتھا، لعزرا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیح کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے۔

پھر اگر ”یوحنا بزرگ“ کے نام کا کوئی شاگرد ”یوحنا حواری“ کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین ”یوحنا بن زبیدی“ اور ”یوحنا بزرگ“ کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبیدی، اور یعقوب بن حلفی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکر یوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کرے، ردیکھے متی ۲۱:۱۰ و مرقس ۱۶:۱۳، ۱۶:۱۳، ۱۶:۱۳ و اعمال ۱: ۱۳، اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر ”یوحنا بزرگ“ نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی ”یوحنا بزرگ“ نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہو گئی تھی، کیونکہ انجیل یوحنا حضرت مسیح کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱:۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو ”یوحنا بزرگ“ کو یوحنا بن زبیدی سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ (اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،
رہا وہ جملہ جو انجیل یوحنا بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

”یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے

اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے“ (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطہ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

”ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۲۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے“

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی

تائید کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخہ سینائی ٹیکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں،

۱ Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430, MacMillan, New York 1901

۲ See *Belief in Christ* P. 106

۳ *The Four Gospels* P. 431

لہذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدي حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پوسٹل اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ویسٹ کاٹ" "افس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھادیے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسلی فرقوں (

کے خلاف حجت قائم کی جاسکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں منسل ہوتی رہی ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "انا جیل اربعہ" (The Four Gospel) میں کتنی وضاحت کے ساتھ

لکھتے ہیں کہ:

"لہذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

لہ بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پوسٹل کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمہ انجیل بڑا باہل اوسید رشید رضا مصری مجوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطہ نظر کو منوایا جاسے، جس سے اُس نے
کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا
ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ "یہی شاگرد ہے...."
جس نے ان کو لکھا ہے.... "اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ
مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت
ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک
اور اختلافات پائے جاتے تھے۔"

لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے
خطوط کسی پاپس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا
ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیح کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن
خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے
حسن ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے کہ چوتھی
انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد
ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا،

اور اگر بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار
کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر،

تپے پیپس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا
تھے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

۱ B. H. Streeter *The Four Gospels* P. 431

۲ Quoted by Streeter *Four Gospels* P. 413

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلیم میں شناسائی حاصل کی ہوگی،
 (۱۔ یوحنا: ۱۰) لیکن شاید وہ خداوند کو دیکھنے سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ
 کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین
 عید فصح کے موقع پر یروشلیم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم
 میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ ان زمانے
 کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے
 تھے، اس صورت میں مشن کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا
 کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف
 میں "بھائیو! کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو" کا لفظ استعمال کر سکتا ہو، یوحنا،
 (۱۸: ۱۳) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو، ستر سال سے کم عمر کا آدمی شکل ہی سے
 بلکہ سکتا ہے..... لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ
 یوحنا بزرگ نے یہ انجیل سن ۹۵ء اور سن ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی
 تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی!"

نتائج | یہ وہ خالص رجحان پسندانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے
 سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کھینچ تان
 کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے
 مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:-

- ۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زہدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،
- ۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،
- ۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا
 ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا

- ۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،
- ۵۔ وہ یرושلم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا۔
- ۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟
- ۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدہ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،
- ۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدي حواری، یا حضرت مسیح کا کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہماری اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہو، بلکہ خود عیسائی علماء انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابل انکار طریقے سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں،

۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے،

۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا، جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا ان سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؟ کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستر سال تھی، اور اس وقت پوئس کے انتقال کو اٹھائیس سال گزر چکے تھے،

۵۔ چونکہ پوئس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدہ حلول و تجسم اپنی خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پوئس ہے،

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ حلول و تجسم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے

ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پوئس نے پیش کیا ہے، آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی "عقیدہ کفارہ" کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈنیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدہ پر موقوف ہے، بہتہ اور حثارت بانی کی رہیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں دوسری طرف ان عقیدے کی پشت جو فلسفہ پر وہ بڑا پھیلاؤ اور دقتیں ہے، لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہو گا کہ انا جیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

۱۔ کیونکہ مورخین تخمیناً طور پر پوئس کا سن وفات ۹۵ء کو قرار دیتے ہیں،

اسلام کی بنیاد توحید رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتائیت کی بنیاد مارکس کے فلسفہ تاریخ، نظریہ قدر زائد اور نظریہ اشتراکیت (

پر ہے، لہذا کارل مارکس کی کتاب ”سرمایہ“ اور نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، میں اپنی

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدہ تثلیث اور حلول و تجتم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا، اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات، کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱- ”اس کے بیٹا ہوگا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان

کے گناہوں سے نجات دے گا“ (متی ۱: ۲۱)

۲- ”فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی

”مسیح خداوند“ (لوقا ۱۲: ۱۱)

۳- ”کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے“ (لوقا ۲: ۳۰)

۴- حضرت مسیح نے فرمایا:- ”ابن آدم کھوٹے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے اور نجات دینے

۵- ”ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی

جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے“ (متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

۶- ”یہ میرا وہ عبد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے

بہایا جاتا ہے“ (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے،

ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی، مشکل یہ ہو کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدہ کفارہ کی ان تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد عالی الذہن ہو کر ان جملوں کو نیک بار پھر پڑھتے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا؟ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لاتے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انہیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتا ہے، خواہ انہیں اپنی ان تسلیخی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں؟

”اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں لے لے“ اور ”یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“ — اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آادگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوت ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیرخوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا۔ پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنوم ابن نے پھانسی پر چڑھا کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

۱۔ یہی کتاب یسعیاء ۱۱۵۳ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سو وہ ای سب جملوں سے زیادہ محل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے؟

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی۔

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے چلے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکلنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ عجیبہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سا وہ دہری مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوآئیلیس شینس (Coelestius)

کا کہنا یہی تھا، پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پاتے

جانے کے قائل تھے (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ کفارہ)

۱۰ خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہو:

جو جان گناہ کرتی ہو، وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ داسٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ

صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے (حضرت ایل ۲۰۱۸)

ایب لارڈر Alward کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت بہرہ رومی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالہ مذکورہ)۔ یہ لوگ تو وہ ہیں جو برآزرم کے زمانے سے پہلے عقیدہ کفارہ کے منکر تھے، پھر برآزرم کے دور میں اور اس کے بعد ماڈرن آزم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہو گیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے، اب حواریوں کی طرف آئیے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدہ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدہ کفارہ کو اس کے پورے فلسفے کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پرتس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”پس جس طرح ایک آدمی کے سبب گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دینے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے لے کر موتی تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آیتوں کے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن تصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے تصور سے بہت آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یتوح مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضروری افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا دیا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہیرے تصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھیرے، کیونکہ جب ایک شخص کے تصور کے

سب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی توجو لوگ فضل اور راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں۔ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے... کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی! اسرائیلیوں سے بہت سے لوگ گنہگار تھے اسی طرح ایک کی اسرائیلیوں سے بہت سے لوگ راست باز تھے۔

(رومیوں ۵: ۱۲-۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا پتھر لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا پتھر لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے پتھر کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے چلا گیا، اسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں..... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ

ہم آگے گناہ کی غلامی میں نہ رہیں“ (رومیوں ۶: ۶-۷)

یہ کفارہ کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں، یہ عقیدہ پوٹس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے کا بائی بھی ٹھہرتا ہے،

عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہو گا کہ **تورات پر عمل کا حکم** | کہ اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی تحقیق کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پوٹس نے اس میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ انا جبل میں تو

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے،
 ”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ
 کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک
 آسمان اور زمین مل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ
 ٹلے گا“ (متی ۱۷: ۱۵)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

مجھ کو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو،
 کیونکہ تورات اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“ (متی ۱۲: ۷)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل
 اور قابل احترام مانتے تھے،

لیکن پوس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال
 سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مسح جو یہاں سے لئے لعنتی بنا اس نے ہیں مول نے کر شریعت کی لعنت کے
 چھڑایا“ (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھتا ہے:

ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور

اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس
 شریعت مسح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راست با
 ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے“ (۲۵: ۲۲، ۲۳)

اور افسینوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

آس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی نہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

پر تھے موقوف کر دی۔ (دانیوں ۱۲: ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

”اور جب اہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے۔“ (عبرانیوں ۷: ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے

موقع نہ بڑھتا تھا جاتا“ (۷: ۹)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

”جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پورا انا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت

کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے۔“

ان تمام اقوال کے ذریعہ پوٹس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور

اس کے برعکس کو منسوخ کر ڈالا،

عشار ربانی | عشار ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں

جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم

بنالینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پوٹس نے وضع کیا ہے۔ (کرتھیوں

۲۴: ۱۱) اور تو قاً چونکہ پوٹس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پوٹس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

”اگر آپ عشار ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو

آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں

یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس عمل

کا اضافہ کرتا ہے کہ تیری یادگاری میں یہی کیا کرنا۔“

ختنہ کا حکم | ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری

نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند

نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا،

اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے،

کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (پیدائش، ۱۷: ۱۰، ۱۲)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔ (احبار، ۳: ۱۰)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا، جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں

موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے

جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس بارے میں پوٹس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے،

گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”دیکھو میں پوٹس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ

فائدہ ہوگا۔“ (گلتیوں، ۵: ۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامعنی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔“ (۱: ۱۰)

۲۔ تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور پوٹس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد

واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انہیں پوٹس نے وضع کیا ہی، تثلیث

جلول و تجسم، کفار، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نوح ختنہ کے تمام نظریات کا بائی

ہی ہے،

گرم صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاتے کہ پوتس ہی موجودہ ہیئت کا بانی ہے، کوہاری نگاہ میں یہ بات عین خربنِ تصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد ہی پیش کر دیتے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پوتس کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پوتس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتابِ اعمال، خود پوتس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت ہتیا کرتی ہیں، جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پوتس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے

۱. عرب کا سفر

یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعاً حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گزارتا جنہوں نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دین عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے،

لیکن پوتس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یرושلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلیتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

تجس خنانے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلح لی، اور نہ یرشلیم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔ (گلیتیوں، ۱، ۵ تا ۷)

لہذا واضح رہے کہ یہاں عرب کے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں توسعاوت کہہ دیا جاتا تھا۔ انسا یگلو پٹریا، برٹانیکا، ص ۳۵۹، ج ۱، مقالہ: بال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسا پیکلر پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے،
 "جلد ہی اسے زمین پھٹس کو، اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموشی
 اور پرسکون فضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ
 سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا،.....
 اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں
 شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے"۔

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب "مسیح سے قسطنطین تک"
 میں لکھتے ہیں:-

"اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد
 بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضادات پر غور کرے،
 اس کے تین سال بعد وہ یرشلیم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت
 تھی اس کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی
 یعقوب ملاقات کرے"۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال
 کا طویل عرصہ الگ تنہا رہ کر کیوں گزارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل
 کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنہوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض
 اٹھایا تھا؟۔ کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل
 وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک
 حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین ہی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (یعنی برٹانیکا) نئی تعبیر کرنا چاہتا تھا۔

۱۔ برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱، مقالہ: پال،

Mackinnon, James, From Christ to Constantine, London, Longmans

green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی، لے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اہم دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پوس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف، جے فوکس جیکسن پوس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

پوس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل انداز نہ کرنی چاہئے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں ہے تو پوس کے اس طرز عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ امی نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا۔^{۱۵}

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی دلیل کیا ہو کہ پوس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ چھپے پڑے چھے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلا سے ہوتے عفت آؤد تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

۱۵

۱۶ یہاں مسٹر جیکسن پوس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کہہ رہے ہیں: "جو خوشخبری میں سنائی" انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ بچے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ بچے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح

کی طرف بچے اس کا مکاشفہ ہوا۔ (گلتیوں، ۱: ۱۲)

ہونی چاہئے کہ اسے براہ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دین عیسوی کی سابقہ تعبیر غسوخ ہو چکی ہے، — جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بنا پر دین عیسوی کی بالکل کاپیا پلٹ دی جائے !

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا انقلابی رسول آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی ؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عید سنٹی کوست کے موقع پر نزولِ روح القدس کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پوس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پوس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر پوس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دین عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تعریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا ؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پوس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دین عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصورات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

انہوں نے یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے لئے صرف

دو ذریعے ہیں، ایک خود پوتس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پوتس اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیق حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پوتس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید لوریوں میں اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پوتس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آسکے،

پوتس اور برنباؤس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحب پوتس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پوتس کے ساتھ رہے وہ برنباؤس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہو گا

”اور یوسف نامی ایک لادوی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برنباؤس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی“ (اعمال ۴: ۳۶)

اور یہ برنباؤس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پوتس کی تصدیق کی بدور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں،

”اور سب اس سے (پوتس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباؤس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اِس طرح رلہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے

نام سے منادی کی۔ (اعمال ۱۹، ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوتس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰، ۱۲، ۲۵، ابواب ۱۳، ۱۴، ۱۵)، یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنہوں نے کسی جانیں ہمانے خداوند یسوع مسیح

کے نام پر نثار کر رکھی ہیں۔ (اعمال ۱۵: ۲۹)

اعمال کے پندرہویں باب تک برناباس اور پوتس ہر معاملے میں شکر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا۔ یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طوے سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، تو قائلکتے ہیں:

مگر پوتس اور برناباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بیت سے دونوں کے

ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد

پوتس نے برناباس سے کہا کہ جن جن تہیروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا

آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ یہ ہیں! اور برناباس کی صلاح

تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں مگر پوتس نے یہ

مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفریہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے ان کے

ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی

کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برناباس مرقس کو لے کر جباز پر

گھڑس گوروانہ ہوا، مگر پوتس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی نظر

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا

ہو اسور یہ اور کلکیہ سے گزرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پطرس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور جدائی کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹراسی، ایم، بلیک ٹاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء پطرس اور برنباس کے

درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ

اس نے استعمال کیا ہے یعنی *Paroxysmus* وہ بڑا

سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم ڈکنگھمیں ورتن نے اس لفظ کے

ترجمے میں لفظ "رتیز سخت" کا اضافہ بالکل درست

کیا ہے، — پطرس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں"

— یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال

کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ

لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۳ میں ملتا ہے،

جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے۔"

کیا اتنا شدید اختلاف جن کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بناء پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟۔۔۔ اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی عجیبہ ازہ قیاس نہیں، لیکن اس کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیر باد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے نقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقع پر پوتس کے بعض معتقدین گناہ برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پوتس کی رفاقت کو تشریح کر دیا، لیکن وہ پوتس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پوتس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے مکلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹادی تھی، وہ اعمال ۱۲، ۲۶-۲۷ء کا بارہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو تشریح کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پوتس کا یہ اختلاف نظر پائی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پوتس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے، اور پوتس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی زد سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہوا، اور پوتس اس الزام سے بچ جاتے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پوتس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا اور چنانچہ تیمتیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے؛

Lucerich Paul, His Life And Work, trans. by G. E. Harris. لہ
Lina ۱۹۶۰ P. 74

ترقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے و
(۲۔- تمثیلیں ۱۱:۱۴)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے،
"ارترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ
کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے
تو اس سے اچھی طرح ملنا) (افستیوں ۱۰:۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں
تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورے عہد نامہ جدید
یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے
تعلقات درست ہو گئے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا، مرقس ہی تھا تو اس کے
ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟
(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش
کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف
ہیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر
روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام لپنے خط میں پولس لکھتا ہے،

"لیکن جب کیفاریمین پولس، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے زور دیا کہ اس
کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی
طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا
تھا، مگر جب وہ آئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی
یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس
بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ (گلتیوں ۲: ۱۳-۱۵)

۱۵ اس کے بعد صرف ایک جگہ (کرنٹیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے کرتا ہے، اور
مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پوتس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یرושلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یرושلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہو گئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں یہودی مسیحی (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انہیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لہذا وہ ان کے ساتھ کھانا اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پوتس اس معاملے میں سونی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

ادپرہم نے مصلحتوں کے نام خطا کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پوتس نے پطرس اور برنباہس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پوتس کے ان نئے مریدوں سے علحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرمن اسٹمہ لکھتے ہیں،

پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا جو یرושلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے طاقاتی تھے، لہذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباہس بھی غیر قوم مریدوں سے علحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہے پوتس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا ایسا کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے ۶

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباؤس اور پوٹس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس کو
کہ العاقبہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں
کے ہستماع اور برنباؤس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال
کے باب ۱۵ میں بیان کئے ہیں۔

ہذا یہ بات انتہائی طور پر سترین قیاس ہے، کہ پوٹس اور برنباؤس کی وہ جدائی جس کا ذکر
لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی
اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پوٹس اپنے مریدوں کے لئے قنہ اور میسوسی شریعت کے حکام
کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباؤس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو
بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا۔
چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتہ بھی محسوس کرتے ہیں، کہ پوٹس اور برنباؤس
کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کرتا
تھا، وہ لکھتے ہیں:

برنباؤس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا

اعتراں کر لیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس

کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہو،

جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ (حیات و خطوط پوٹس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا سٹر اسمتہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پوٹس اور برنباؤس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں

نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کتاب اعمال کے
پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یرشلیم
میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

پرایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انہیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے۔ اس فیصلے میں پوٹس کے علاوہ پطرس، برنباس اور یعقوب بھی شریک تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ پطرس اور برنباس اس بنا پر پوٹس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختمہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا منسلک پوٹس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلیم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر روزی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر نازک کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلیم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پوٹس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہو کہ یروشلیم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام ان پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے بعض جزوی اور فردعی احکام مثلاً ختمہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پرایمان لانے کے لئے مانع بن گئے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پرایمان نہیں لایے تھے کہ ہیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انہیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختمہ کرا تا اور تورات کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ لوقا لکھتے ہیں:

تپھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی

رسم کے موافق تھا تو ختمہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے (۱۱۵) (احمال ۱۱۵)

ظاہر ہو کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختمہ وغیرہ کے جسندوی احکام اگرچہ دین موسوی اور دین عیسوی

میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جاسکتا تھا۔ آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرائی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہو گا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرائے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کر لیں گے کہ وہ شخص دین اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری ہی، مگر مدارِ نجات نہیں ہے۔ اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کر لو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرائے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "اہون ائبلتین minor evil" کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچایا جائے۔

بس یہی طرز عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یہ وشلم کی مجلس شاورت منعقد ہوئی تو بافتان یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ ہدایت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت اسی جلتے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرز عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جناب پطرس کی اس تقریر پر بھی بخوبی واضح ہوتی ہے: ہما انھوں نے یہ وشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا:

پس اب تم شاہدوں کی گون پر ایسا جو ارکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دوا
اٹھا سکتے تھے نہ ہم اعدہ کو کیوں ہڑاتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہو کہ جس طرح
وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی

پائیں گے۔ (اعمال ۱۵: ۱۰-۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تو رات کے بعض شرعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خورد ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکتے، لہذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں تو خیر قومیں بعض شرعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار ہیں۔

کیوں دین سکیں گی؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یرشلیم کو نسل کا موضوع بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟" بلکہ موضوع بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟" ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکام تورات کے فی نفسہ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قوموں میں ان فروری احکام کے نام سے پڑکتی ہیں تو انہیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، ان کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

"مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے

آٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت

پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب ... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انہوں نے کہا کہ:

"پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوئے ہیں

ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لیکھ بھیجیں کہ بتوں کی کردہات اور حرامات

کو لگھوٹے ہوئے جانوروں اور لہوسے پرہیز کریں" (اعمال ۱۵: ۱۹، ۲۱)

اور اس کو نسل نے اجماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ:

۱۵۔ ورنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں،

تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جاتیں، کیونکہ پطرس نے

جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابل برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی

ناقابل برداشت کہا ہے، تقی

’ہم نے مناسب جاتا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں‘
 کہ تم بتوں کی دستر بانوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوتے
 جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو
 بچاتے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام“ (اعمال: ۱۵، ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے تورات کے احکام کو
 قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے
 بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی میتلی صراحت کے
 ساتھ لکھتے ہیں:

’والہی پرائیٹس (برتھاس اور پوتس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال
 پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسیا میں
 پذیرے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے، (۱:۱۵)

انٹا کہ یہ میں یہ رواج تھا، اور پوتس اور برتھاس نے اپنے بشارتی سفروں
 میں اس اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسیا
 کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا، اور ان کے لئے قندہ
 کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انہیں
 موسوی شریعت کی زدم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یہوشلیم کی کلیسیا کے
 زیادہ کٹر یہودی مسیحی اس بات پر مصر تھے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی
 جائیں، پس یہوشلیم کی کونسل میں انٹا کہیے سے مندوبین بھیجے گئے، پوتس اور
 برتھاس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط
 غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں
 میں راہ و ربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات
 ضروری ہستار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی دستر بانوں کے گوشت
 سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوتے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کریں

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں۔^۱

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دین عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط مائدہ نہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یروشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کا بعد جب برنباؤس اور پطرس انطاکیہ پہنچے، تو پطرس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں، اور سب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پطرس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دین عیسوی کو بالکل پیٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباؤس نے پطرس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پطرس نے اس طرح کیا ہے کہ:

لیکن جب کیفاریا (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد برد ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ طاقت کے لائق تھا، اس لئے کہ بعقوبت کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگے تو مختلفوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر رباکاری کی، یہاں تک کہ برنباؤس بھی ان کے ساتھ رباکاری میں بڑ گیا۔^۲ (گلیٹیوں ۱۱: ۲-۴)

۱۔ جی، ٹی میٹل، ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ سے، ایس، امام الدین دمسو کے، این، ناصری، ص ۲۰۰

مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، لاہور،

۲۔ گلیٹیوں ۲: ۱۳،

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برتھاس نے پوتس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۳۸)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برتھاس نے جو **گلتیوں کے نام خط** پوتس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا

ایک بڑا طبقہ پوتس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تا متر غیر قوموں کا مکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پوتس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب اہل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد درجہ سے پوتس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت متاثر درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پوتس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حواری کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پوتس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے،
ر لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،
اس خط کا پس منظر جی ٹی مینٹی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

آس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے
اس انجیل پر حملہ کیا تھا جو پوتس نے گلتیہ کی کلیسیاؤں کو پہنچائی تھی،

۱۴۲ و ۱۴۱

۱۴۲ و ۱۴۱

ان جوڑے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پوتس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نو مرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۲:۳)۔ وہ پوتس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تعالیٰ کا بیٹن ہو، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نو مریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پوتس کے اختیار کو یہ کہہ کر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اول الذکر ہر صورت میں پوتس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل مطلق نو مریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پایا۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے :
 یہ تو پوتس کو بعد میں معلوم ہوا کہ رگلتیہ کے لوگوں میں، انحراف کا خطرہ ہے۔ اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پوتس کی انجیل کو یہودی قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصل حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے عہدہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے ہننا جائز راستہ تو رات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نو مریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو ببت ہستی سے عیسائیت کی طرف آتے ہیں، یہ دخل اندازی کریں کہ قدیم کلیسیا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے

تھے، انہیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تواریت کو خاچ کیا گیا تو کلیسائے کے اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، ان لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۵ میں نظر آتا ہے۔

بظاہر ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے۔

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،

- ۱۔ گلتیہ میں پوتس کے مخالفین کلیسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،
- ۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسیٰ میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل عیسیٰ زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

- ۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسیٰ کی نشتر و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے پوتس کو نہیں،

- ۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق قدیم اور اصلی حواریوں کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل عیسیٰ زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پوتس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہذا اگر حواری اس معاملے میں پوتس کے ہمنوا ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے پوانے حواریوں سے لکھو لگا، جس میں وہ پوتس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھتا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہمنوا ہیں، اور وہ یرشلیم کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ مخلصیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہمنوا ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسیٰ کا

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، نہ لکھتا ہے؛

لئے بھائیوں، میں تمہیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔ (گلتیوں: ۱۱: ۱۲)

پھر آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو ملامت کے لائق اور برنباس کو ریاکار قرار دیتا ہے (۱۳: ۱۱، ۱۲) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پطرس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہتے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے نام پطرس کا خطیرہ و شلم کو قتل سے پہلے لکھا گیا ہے، اور چونکہ اس کو قتل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطہ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پطرس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہلکے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خطیرہ و شلم کو قتل سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پطرس لکھتا ہے:-

لیکن جب کیفار پطرس، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو بردہ ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا۔ (۱۱: ۲)

اس میں پطرس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم کو قتل کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا بلیکا میں ہے؛

گلیتیوں ۱۱:۲ میں پطرس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پطرس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لونی دینک اور جے پیٹرسن سمیت۔ واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں، اور اس جملے کے تیسرے بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پطرس پطرس کو قابل ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرز عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہو تا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے تو پطرس اسے آسانی سے قابل ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یروشلم کونسل میں پطرس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پطرس نے اسے قابل ملامت قرار دیا، لہذا لازماً یروشلم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلیتیوں کے نام خط میں پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلیتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماء متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی۔

ٹی مینٹی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

۱۵ برٹانیکا، ص ۶۲۲ ج ۱، مقالہ پطرس (Peter) واضح ہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلیتیوں کے نام خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالہ بالا)

۱۵ جیات و خطوط پطرس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور Paul, His Life and Work

by Walter Von Loewenich, trans by Gordon E. Harris London 1950

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پوتس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں شریبا اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب روما کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہو گا۔

نتیجہ

- مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:
- ۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پوتس کی تصدیق کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دین عیسوی پر ایمان لایا ہے،
 - ۲۔ اسی بنا پر عرصہ دراز تک برنباس پوتس کے ساتھ رہا،
 - ۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،
 - ۴۔ یروشلم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کو بھیجی دین عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہو گا۔
 - ۵۔ لیکن پوتس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ (گلتیوں ۵: ۱) تو پتس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گلتیوں ۲: ۱۱)
 - ۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پوتس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پوتس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،
 - ۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ اور ۱۲)

- ۸۔ یہ خطیر و شلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ و شلم کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواریوں کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پطرس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا۔
- ۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، کیونکہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق گلیتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے، اس لئے تثلیث و حلولِ تجسم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پطرس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

آئیے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس جدائی کے بعد سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتاب اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال ان کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسا ایکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ بھگا لکھتا ہے:

”برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام مکمل کر کے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُعا چھا جاتی ہے۔“

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟ اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا، اور اس کے بعد اس کی تامل کو شیشیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دین عیسوی میں جو تحریکات کی ہیں ان سے لوگوں کو باخبر کیا جسے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

انجیل برناباس

یہ عقلی نتیجہ تعسریہ واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی ایک کاپی برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں، میں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا، جو تعزیری کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں، جن کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نفس گوشت کو جائز کہتے ہیں، اپنی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے آئین میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی بے شک جس کی وجہ سے وہ حقائق لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، ... اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس ۱: ۱۷-۱۸)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی سلطان کی نکتہ پزیر

۱۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲، ج ۳ مقالہ برناباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۹، ج ۶

مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت صریحی،

۲۔ اٹھارہواں (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل

تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

یا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سر اسر پوٹس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فحاشی حدیث بعد یومنون؟

پوٹس اور پطرس

دنیاس کے ساتھ پوٹس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پوٹس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پوٹس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے، (۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پوٹس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے۔ اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیسے ایک کنن لکھتے ہیں

یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات کا غائب ہو جاتا ہے۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل متعلق ہے، جس میں اس نے غیر قوموں کے متعلق نہایت وسیع و وسیع المشرقی کی پالیسی اختیار کی تھی۔

تدریقی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تائید کرنے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟ اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پطرس کے نطق کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پطرس کہتا ہے،

”لیکن جب کیفا دیکھا کہ یہ پطرس کا دوسرا نام ہے، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو بردہ ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا“ (گلتیوں ۲: ۱۲)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متحمل بعد کا ہے، رو دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۶، لہذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالنا کہ یروشلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پطرس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پطرس کا شاگرد و توفیق اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پطرس کے خود ساختہ نظریات کے سبب ان کا پطرس سے اختلاف ہو گیا اور توفیق نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آ جانے کے بعد پطرس نے بھی برتھاس کی طرح پطرس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے بھی پطرس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پطرس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، گرتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مجھے غلے کے گندہ والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑنے ہو رہے ہیں میرا

یہ مطلب ہو کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پطرس کا کہتا ہے، کوئی اپطرس کا

کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا“ (۱۔ گرتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی جو پطرس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑتے ہو رہے تھے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”۱۔ کرتھیوں ۱: ۱۲ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرتھس میں کیفار پطرس کی ایک

جماعت بن گئی تھی“

یروشلیم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین عیسوی کو پطرس کی تحریکات سے بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہو وہ سارا پطرس کے معتدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بالبیون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آرتیزوس، کیلمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آرتجن، یوستی میں اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں ہے، — ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انہیں شاہ نیرو نے شہید کر دیا تھا، آرتجن کہتا ہے کہ انہیں اٹالیکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۳۲ و ۶۳۳ ج ۱، مقالہ پطرس)

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً اپنی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پطرس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

”ہمارے پیارے بھائی پطرس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت

ہوئی تھیں یہی لکھا ہے“ (۲۔ پطرس ۱: ۱۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جن کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہو، جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱۶، ۱۲، ۱۳، ۱۲ تا ۱۹ اور ۵: ۹ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گزر رہے تھے، انہیں ملامتیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُس زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے۔

آگے انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے۔

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ ناٹک ہے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کینتھوک خطوں میں سب سے پہلے بائبل کی فہرست میں جگہ دی گئی تھی، اس طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسب کذریہ میں اسے تیسری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،

دہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسلمہ میں شامل ہوا، لیکن روم میں اسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور سوریہ کے کلیسا نے تو اسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا - نعت پطرس پر ۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازعہ فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب زبان اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ ”بداخلاقی“ اور ”جھوٹی تعلیم“ کے جو حوالے اس میں دیئے گئے ہیں وہ کبھی ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنا دیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۱۶:۳ میں پطرس کے خطوط کو جو ابہامی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظر عام پر آیا، یا ڈیوسین کے خیال کے مطابق ہو سکتا ہے کہ ایشیا کے کوچک میں لکھا گیا ہو۔

”Anastasio Pizzia Britannica, ص ۶۲، ج ۱، مقالہ ”Peter, Second Epistle of.“

سیک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: *From Chria to Constantine* P.116

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود حق عیسیٰ علیہ السلام اس خط کو پطرس کی تصنیف ہونے سے انکار کرتے ہیں، لہذا ان خطوط کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پوتس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پوتس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا،

۱۔ یعقوب بن حلفی، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۴) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پوسے عہد نامہ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدي، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہذا اُن کو اپنی زندگی میں پوتس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے، (دیکھئے مرقس ۱۳: ۲۱ یوحنا، ۵: ۱) یا تو آخر وقت میں ایمان لاتے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پوتس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور

کتابِ اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے عتسہ وغیرہ کو دینِ عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہو

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ بائبلی کے قائل تھے، ہسٹر جیسے میک کنن یرشلیم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربہ کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی۔۔۔

”غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے باز رہے۔“

نیز ایک اور موقع پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں،

”پوسیتس کے مختصر نوٹ اور ہیج سیس کے نسبتاً طویل تذکرے سے یہ

بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی

پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے۔“

پھر لطف یہ ہے کہ یرشلیم کونسل کے بعد کتابِ اعمال میں یعقوب کا ذکر صرف ایک

جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پوس کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے

اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۲۱: ۲۶ تا ۲۷)۔

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوب ان نظریات

کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پوس نے بعد میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب

کی طرف منسوب ہے سو اس کے بارے میں جیسے میک کنن لکھتے ہیں،

”دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے۔“

۱۵ From Christ to Constantine P. 95

۱۶ Ibid P. 119

۱۷ Ibid P. 120

یوحنا اور پطرس

پطرس اور برنباؤس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا بن زبیدی کا ہے، اور بقول میک کٹن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباؤس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یکتا کیے غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیسے میک کٹن لکھتے ہیں: "پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعاً سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، یروشلم کو خیر باد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں!"

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباؤس پطرس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اس وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، لہذا ہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پطرس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد ان کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خلوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، سو ان کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء، متاخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔

دوسرے حواری

یہ تو وہ حواری ہیں تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ جو دوسرے حواری ہیں ان کے حالات ان سے زیادہ پردہ راز میں ہیں، ان کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پوئس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیسے میک کنن لکھتے ہیں:

بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابل اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی، روایات ان میں سے مختلف حضرات کی طرف مجال سے انڈیا تک مختلف طبقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں یونسی تیس (۳) کہتا ہے کہ تو ماہ پرشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمال تو ماہ کی روایت یہ ہے کہ وہ مقرر اور بحر ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف) ، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندرا آؤس اسکا نشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے ، تذا آؤس (یعنی یہوداہ تذا آؤس) اڈیسیہ میں مقیم ہو گئے تھے ، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انہوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دین عیسوی کا پیرو بنایا۔

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:

یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تو ماہ اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو، لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔

نتیجہ | اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یروشلم کونسل سے پہلے ہی استقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب بن زبیدی (اعمال ۱۲: ۲) اور یہودآہ اسکر یوتی (اعمال ۱۸: ۱)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب بن حلفی، توما، برتھمائی، یہودآہ تداؤس، اندراؤس، فلپس اور متی،

۳۔ باقی تین حواریں میں سے برنباؤس اور پطرس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کونسل کے بعد پوتس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبیدی رہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباؤس کی طرح یروشلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حواریوں نے پوتس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دین عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلیٹیوں کے نام خط میں (جو پوتس کا پہلا خط ہی) ان نظریات پر ججے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جدا ہو گئے،

اس لئے کتاب اعمال میں یروشلم کونسل کے حالات تک پوتس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شہر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے، کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پوتس کے نظریاتِ ثلیث، تجتم اور کفارہ وغیرہ میں اس کے ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پوتس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعہ پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کرے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر رہ گیا؟ جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کس طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزدل و کچل ڈالا، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱- پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یرشلیم کے نسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکل منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، اپنی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلیتیوں کے نام اپنا معرکہ اللہاء خط لکھا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے،

۲۔ یہ مخالفت پوتس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹرز جیسے میک کنن لکھتے ہیں۔^۱

یہ سمجھنا غلط ہے کہ پوتس یا انجیل یوحنا کے مصنف کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور بااثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پوتس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں ناکارہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے حسداتی مذہب نے بہت جلد پوتوسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ملتے دلتے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پوتس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے دلنے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا۔^۲

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرتینوس، ہیریسیس، ایپی فانیس اور آریجن ایکٹ فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarenc) اور ... ایونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹرز نے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،^۳

یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پوتس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے،

^۱ دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۳ اور ۱۵۴، جواک برٹانیکا، ص ۹۷، ج ۹،

^۲ پیجے گڈرچ کا ہرکے انجیل یوحنا کا مصنف پوتس کا بالکل ہم خیال تھا،

^۳ From Christ to Constantine ch. VII

^۴ J. M. Robertson, History of Christianity, London 1913 P. 5

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آرتھوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دینے
 جتنے تھے، یہ لوگ پوتس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی
 دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت
 کے احکام اور رسموں پہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کار بند تھے۔

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف ہوسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو سنہ ۲۶۱ء سے
 سنہ ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریق رہا ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تاثرات
 کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں لوسین اور آریوس مستقل کتاب
 فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے توثلیت کے عقیدے
 کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک ہتھکڑی مچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے
 زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم
 تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

”ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے، جو
 تمام تریذہبی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک بنیاد المناک مرحلہ تھا جس پر
 آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانہ ماضی کی طرح
 بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے
 باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک
 دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نیزوں کا نہیں بلکہ زبانوں سے“

۱۔ برٹانیکا، ص ۸۰۱ ج ۷، مقالہ: Ebionites

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ص ۶۲ اور اس کے حواشی،

۳۔ Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. 17

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب *On the Trinity* میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اڈل تو جیس میک کٹن لکھتے ہیں :-

”یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کل تین سو بوشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔“

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے :

”جوہنی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیا گیا۔“

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیس میک کٹن کے الفاظ میں سنئے :

”اہٹانی شپس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایڈارسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہارِ رائے پر مزا میں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی۔“

جیس میک کٹن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کس طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

بزرور انہیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پوسٹ کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں ملتی رہے جب تک کہ حکومت نے انہیں بزرور ختم نہیں کر دیا،

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال **آخری زمانے میں** پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پوسٹ کو عیسائیت کا بانی تسلیم کرنے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پوسٹ کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”مصنفین کا ایک بھتہ فکر جس میں سے ڈبلیو، ریڈ (W Wrede) کو بطل

مثال ذکر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پوسٹ کا منکر نہیں

ہو، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پوسٹ نے عیسائیت

کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ حقیقت اُس

”عیسائی عیسائیت“ کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے

بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ”یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پوسٹ

کی“ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پوسٹ مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ

کفارہ اور نجات کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو

شامل ہے، بلکہ..... یسوع مسیح سے متعلق پوسٹ کی تمام تر تصورات نہ

روشن جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ تسلیم دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی

ان تعلیمات کے متناقض ہے جو انہوں نے خدا اور انسان کے مبینہ شے سے متعلق

پیش کی ہیں۔“

۲۔ اور پوتس کا ایک مشہور سوانح نگار ڈاکٹر وینک (Walter Von

Loewenich) لکھتا ہے:

”پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پوتس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی ”فریسیوں کا فریسی“ تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابل اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انھیں پوتس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہئے،

آج بھی کلیسا اپنے ”پوتسی درختے“ کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پوتس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، یہ پوتس ہی تھا جس نے یہودی ستر بانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے میں درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے، مگر اول تو یہودی مانڈاز میں پوتس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل سترار نہ دیتے تھے“

۳۔ ڈاکٹر لاگارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینک لکھتے ہیں:

”حاضر میں پوتس کے بیشتر مخالفین اپنی خطوط پر سوچتے ہیں جو لگاتار لگاتار نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پوتس کے درمیان پایا جاتا ہے، اُس شخص کو اس بات کا ذرا قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصل تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا۔“

۴۔ اگرچہ خود لونی وینک پوٹس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

”اس نے (یعنی پوٹس نے) عیسائیت کو ٹکڑی کر کے سے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالو آبن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے۔“

نیز آگے چل کر ایک جگہ لونی وینک کہتے ہیں:

”اگر پوٹس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرد بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا۔“

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پوٹس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوتے دین کو بدل ڈالا، لونی وینک کے نزدیک یہ پوٹس کا قابل تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تعریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جس میک کٹن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انھیں کسی طرح بھی پوٹس کا مخالف نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

”پوٹس کا انداز فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ انداز فکر یسوع کے انداز فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو، یسوع کا تورات کے بلے میں جو تصور تھا وہ پوٹس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے پوٹس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے۔“

۶۔ پوتس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پوتس کے حامی ہیں، پوتس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

”اگر پوتس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی۔“

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Re-Viewed)

کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوٹس (Robert Graves)

اور جوشوا پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر

ایک مشہور عیسائی بشپ کارٹر کا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پوتس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی

ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پوتس نے بڑی طرح

بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے،

ہم نے ادھر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت ”مثبت نمونہ از

خردوارے“ کی ہے، ورنہ اگر پوتس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع

کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد

صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے

پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوتس ہی،

امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے

لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی

مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پوتس کی ایجاد ہے، اس بنا پر اس مذہب کا صحیح نام ”پوتسیت“

کے بجائے ”پولسیت“ ہے، ————— وَالْآخِرَةُ نِعْمَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ —————

۱۔ Foakes Jackson, The Life of St. Paul, London 1933 P. 18

۲۔ The Nazarene Gospel Re-Viewed, Cassell 1953 P. 19-21



تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

مصنف "اظہار الحق"

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اُن خدمات مجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انہوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آواز بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخِ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنہوں نے علمی طور پر حق کو پھیلائے اور پہنچانے کی موثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنہوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی انہی معتمد سہیتوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گہنی چینی ہوا کرتی ہیں، انہوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں، تو دوسری طرف ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ دلولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبال انہی جیسے سرفروشنوں کے لئے کہا تھا کہ

فلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند

ز شاہ باج سستانند و خرقہ می پوشند

بہ جلوت اندوگندے بہ ہر دمہ چپند
 بہ خلوت اندو زمان مکان در آغوشند
 بروز بزم سرا پا چو پر نیان و حسریہ
 بروز رزم خود آگاہ و تن منرا موشند

مولانا کے آباء و اجداد | حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے جد امجد شیخ عبدالرحمن گاذرونی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضی عسکر" کے نام سے سلطنت ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاص مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء معتز رکھے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبدالرحمن گاذرونی سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضی عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطان نے سوہنات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ چاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے، شیخ عبدالرحمن گاذرونی کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبدالکریم کے نام سے گذر رہے ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے آٹھویں جد امجد ہیں، یہ دربار اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور حکیم بنیا کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینگ مار کر اسے زخمی کر دیا، علاج کیا گیا، مگرفاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بنیا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ ساٹ روز کے بعد صحت ہو گئی، اس پر شاہ اکبر نے حکیم بنیا صاحب کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم بنیا

۱۔ مفصل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب روضہ مظاہر
 مدرسہ مولتیہ مکہ معظمہ،

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۱۱۵۰ھ میں قصبہ کیرآہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔ شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کا لقب دیا، بعد میں جہانگیری نے انھیں صوبہ دکن اور گجرات کا اور شاہجہاں نے صوبہ بہار کا گورنر معین کیا تھا،

حکیم محمد حسن کے دوستوں میں بھائی حکیم عبدالرحیم صاحب رجن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی آتے ہیں، یہی اپنے بھائی کی طرح صاحب منصب جاہلوں اور جہانگیری کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحب کو کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانچ پست سے منتقل ہو کر کیرانہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد حسن اور حکیم عبدالرحیم دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچھریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرانہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزک جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نو لکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اس خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے اپنی مکانات میں جمادی الاول ۱۲۲۳ھ کو پیدا ہوئے، مولانا نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

۱۵ شہنشاہ جہانگیر لکھنؤ آیا، جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خان کی جاگیر پر پختہ کیرانہ میں نندول اجلاں کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہل محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محفوظ ہوا، اور بہت تعریف کی، "تزک جہانگیری مترجم مولوی احمد علی رامپوری ص ۲۹

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے وہی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، سن ۱۲۵۷ء میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب وہی میں ہمارا راجہ ہند و راجہ بھادور کے میرمنشی مقرر ہوئے، اور وہ عیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولانا مدرسے اپنے والد کے پاس آ گئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میرمنشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولانا نے علیحدگی اختیار کر لی، اور کھنؤ کی علی شہرت سکروہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے شریف تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلم الثبوت اور میرزا ہدکا درس لیا، اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیات صاحب اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحب تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شریف تلمذ حاصل ہے:

- (۱) مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع مظفرنگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہو گئے تھے
- (۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب چشتی، یہ استاد شاہِ دقت تھے، تمام علوم و فنون میں بہارت تانہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاء میں ان کا مزار ہے،
- (۳) مولانا امام بخش صاحب صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،
- (۴) حکیم فیض محمد صاحب، ان سے علم طب کی تکمیل کی،
- (۵) مصنف لوکار غم سے ریاضی پڑھی،

ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانوی کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولانا کو اتنی ہمت زدوی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علی

۱۵ سرسید احمد خاں نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائقِ رشک تھا۔ (آثار الصنادید ص ۲۱ تا ۲۲ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور سن ۱۲۶۰ھ سے قبل مولانا نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم بہتم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب راپوری، (مصنف حمد باری)

۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری

۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب

۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی مشہور متاخر بیسائیت و مصنف رافع البیت

یا سیصال دین سیوی)

۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب رجانوی

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی

۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی، بہتم حمید ری کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولانا ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقہ مدرسہ سینکڑوں

طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ

ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ،

۲۔ شیخ احمد انجاء سابق قاضی طائف

۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی

۴۔ شیخ محمد حسین الخياط بانی مدرسہ خیرہ مکہ مکرمہ

- ۵۔ شیخ احمد ابوالخیر مفتی الاحناف مکہ مکرمہ
- ۶۔ شیخ محمد الدبان، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
- ۷۔ شیخ عبدالرحمن سراج شیخ الائتہ مفتی الاحناف بمکہ المکرّمہ
- ۸۔ شیخ محمد حامد الجزادی، قاضی جدہ
- ۹۔ شیخ محمد عابد المالکی، مفتی المالکیہ بمکہ المکرّمہ و المدرس بالمحرم الشریف
- ۱۰۔ شیخ عبداللہ و ملان، من شاہیر علماء المحرم

گھریلو حالات | ۱۳۵۶ء میں مولانا کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اسی سال پھر جہاز بہ ہند درآؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بازہ ہند درآؤ میں بلایا، اور حضرت مولانا کو اپنا میرمنشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جانداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۳۵۷ء میں مولانا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہو گیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ نے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجسہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کہ آئے پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ ترویج عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے،

رد عیسائیت کی خدمات | شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولانا نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف "ازالۃ الادہام" فارسی زبان میں لکھنی شروع کی حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم بہتم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ازالۃ الادہام زیر ترتیب تھی، مگر حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوئی تھی"

استرہارہ و اعزاز تلامذہ اور تیار و وار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدتِ مرض سے پریشان تھے، ایک روز نمازِ فجر کے بعد آپ رونے لگے، بیمار وار مجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزاز نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا: ”بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی“ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں ”اے جو ان تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیفِ از آلۃ الا وہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعثِ شفا ہوگی“ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی بچ و مظل نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور سربطِ سرت سے یہ آنسو نکل آتے“

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فائڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگروہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے ”میزان الحق“ نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے نا جائز فائدہ اٹھایے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلابِ کامو فر مقابلہ اُس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فائڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

فائزر سے مناظرہ

چنانچہ مولانا اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فائزر سے ملنے تشریف لے گئے۔ تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۲ء سے حضرت مولانا نے پادری فائزر سے خط و کتابت شروع کی، فائزر شروع میں پہلو تہی کرتا رہا، بالآخر، اپریل ۱۸۵۲ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا، طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پیر کے دن ۱۱ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۲ء کو علی الصباح کٹرہ عبد المسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولانا کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب مرحوم معاون تھے، اور فائزر کے ساتھ پادری فریچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ صدر صوبہ بورڈ مسٹر کریم سیکنڈ، بحسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمان حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادیم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تھریبیا چھ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سیکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریف بائبل، وقوع نسخ، تثلیث، رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی غالب آئے تو فائزر مسلمان ہو جائے گا، اور اگر فائزر غالب آئے تو مولانا عیسائی ہو جائیں گے،

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولانا اعتراضات کریں گے

مناظرے کا پہلا دن

اور فائزر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہوگی، سب سے پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولانا نے پہلے نسخ کی حقیقت واضح

۱۵ یہ پوری خط و کتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الشرعی" کے نام سے شیخ رفاعی خولی نے کیا ہے، جو اخبار المصنف مطبوعہ طیبہ بتبولی ۱۳۱۵ھ کے حاشیہ پر چھاپا ہے،

۱۶ البحث الشرعی فی مسئلۃ نسخ والتحریف علی بائبل الخ ۱۸۶۱ ج ۱،

مندرجہ ذیل، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہو؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فائدہ رنے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فائدہ رنے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل نو قبا باب آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ:-

”زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

مولانا نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص ان باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں، فائدہ رنے کہا: ”لیکن الفاظ تو عام ہیں۔“

اس پر مولانا نے ڈی آئی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسیٰ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں ”میری باتیں“ سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فائدہ ر مولانا کے اس اعتراض کا جواب دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

”کیونکہ تم فانی تم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے۔“

فائدہ ر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ بعینہ اس قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

”گھاس مرجھاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام اب تک قائم ہے۔“

ہذا اگر کلام کے زندہ اور قائم ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو قورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فائدہ نے لاجواب ہو کر کہا کہ، میں اس وقت صرف انجیل کے نسخے سے بحث کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی شربانی، خون، گلا گھونٹے ہوتے جانور اور حرماکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرماکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فائدہ نے کہا کہ اصل میں ان اشیا کی حرمت میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے اور ہم بتوں کی شربانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں، اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پوٹس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۳ آیت ۱۳ میں لکھا ہے کہ،

”مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“

اور پوٹس کے نام خط کے باب اول آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انہیں حرام کیوں کہتے ہیں! فائدہ نے زچ ہو کر کہا کہ اپنی آیات کی بنا پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فائدہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

کامنسون ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولانا نے فرمایا کہ فی الحان ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کر لیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فانڈرنے کہا: ٹھیک ہے! اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے، تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولانا نے فانڈر سے پوچھا کہ: آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کر سکیں؟ فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولانا نے پوچھا: یہ بتائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے؟ فانڈر نے کہا: نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراض ہے۔

مولانا نے فرمایا: میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟

فانڈر نے کہا: میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس پر مولانا نے کہا کہ: مواخِ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹس شہید نے طریقوں یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کر دی تھیں۔

یہ کہہ کر مولانا نے والٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۴ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آئرینوس، کریسٹ، سلپریچین، والی ٹیکر اور کلا رگ نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے، اس کے بعد مولانا نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلام آہی ہونے کا دعویٰ کرنے کے یہودیوں پر انہیں مثالے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انہیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا؟

اس پر فائڈ نے کہا کہ: ”جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہو گئی؟“
 مولانا نے فرمایا: ”ہنرمی واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اول میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انہوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف مسلمانوں میں واقع ہوئی تھی؟“

فائڈ نے جواب دیا: ”ہنرمی اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفتر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں؟“

مولانا نے فرمایا: ”مگر یہ دونوں اپنی راستے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں؟“

فائڈ نے کہا: ”یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵، ۴۶، ۲۳، ۲۴، ۱۶، ۳۱ میں عہد نامہ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی؟“
 ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: ”عجب ہے کہ آپ اسی کتاب کے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصابت ثابت نہ ہو جائے آپ اس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کر لیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں ان کے بارے میں محقق پٹی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں، لہذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بچرٹ اصلیت ثابت نہیں ہوتی؟“

فانڈرنے کہا: "اس معاملے میں ہم پہلی کی بات نہیں مانتے"۔
 مولانا نے فرمایا: "اگر آپ پہلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے،
 ہمارے نزدیک پہلی کا کہنا درست ہے"۔
 تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فانڈرنے کہا:
 "میں نے تو رآت کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو
 درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے،"
 ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

"اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم
 اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سنا چاہتے ہیں تو سنئے"
 یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱: ۱، ۱۷، ۱۸ پر ہنی شروع کی، جس
 میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی غلطیاں ہیں،
 فانڈرنے یہ سن کر کہا: "غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز"۔
 ڈاکٹر صاحب نے کہا: "اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش
 نہ ہونی چاہئے، لہذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی،"
 فانڈرنے کہا: "تحریف صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت
 دکھلائیں کہ جو پڑانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو۔"
 اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب آیت ۷ کا حوالہ دیا،

لہ ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۱ء و کیتھولک بائبل ناکس ورژن انگریزی،
 مطبوعہ میکٹن لندن ۱۹۶۲ء و کنگس جیمز ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۵ء میں اس طرح ہے:

"آسمان میں گواہین ہیں، آپ، مکمل اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور وہ جن کے
 گواہ تین ہیں، روح، باقی اور خون، اور تینوں متفق ہیں"۔

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام ظما پر وٹسٹمنٹ کے نزدیک لگاتی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے طبعاً ہی ہے،
 کر تیسباخ اور شوٹز اس کے محرف ہونے پر متفق ہیں اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ
 اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ ہائیل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۱ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس
 ۱۹۵۷ء میں یہ جملہ سا قلم کر دیا گیا ہے، تقی

فائدہ سے کہا: ہاں! اس جگہ تحریف ہوتی ہے، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی۔

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فریچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو ان نے پادری فریچ سے انگریزی میں پوچھا:

”یہ کیا بات ہے؟“

فریچ نے جواب دیا:

”ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں

تحریف کا اقرار موجود ہے۔“

اس کے بعد فریچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب کے کہا:

”پادری فائڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف

ہوتی ہے۔“

اس پر بعض مسلمانوں نے ”مطلع الاخبار“ کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں

پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فائڈر بولا:

”ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں

پہنچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں۔“

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”اگر کسی دہشتے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابل اعتماد نہیں رہتا، اور

آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح

بھیں گے۔“

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب

نے فرمایا:

”دیکھئے: مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا

جاسکتا، اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔“

اس پر فائدہ کرنے کہا: اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث مکمل ہوگی،
مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا:

”آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ سچا س ساٹھ مقامات
پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے
بعض صحیفوں کی سنبذ متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن
سچا س ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا ان کی تحریف
کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی
بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے۔“
فائدہ کرنے کہا: ”ہیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے
نئے کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟“

مولانا نے فرمایا: ”یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے۔“

ڈاکٹر وزیر خان بوسے: ”اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتادیں؟“

فائدہ کرنے کہا: ”نہیں، اب دیر ہو گئی ہے، نکل ہی نہیں گے۔“

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہو گئی،

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دور دور تک پھیل چکی
تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار

مناظرے کا دوسرا دن

سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے

اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فائدہ کرنے نے ایک ایسی تہذیبی قرآن کریم کی بعض آیات

سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی

اصل شکل میں محفوظ تھی، اور مسلمانوں نے، اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا

رحمت اللہ صاحب کیرالومی اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم نے نہایت محقول اور

مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح

بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فائدہ ر اور فریچ نے کہا کہ یہ تمام

ظلمات کا تب کا ہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے ”متن“ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حاضرین نے پوچھا: ”متن“ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

فانڈر نے کہا: ”وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ، اور شفاعت

کا بیان ہے۔“

مولانا نے فرمایا، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تعریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ بقول آپ کے ”متن“ ان تحریفیات سے محفوظ رہا ہے؟

فانڈر نے کہا، اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محرت ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں، جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔

مولانا نے فرمایا: ”آپ نے جن تحریفیات کا اعتراف کیا ہے ان سے یہ پوری کتنا مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے،

فریخ نے کہا، آپ نے بائبل کے جن مفسرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولانا نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ نے ابھی تفسیر کثافات اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟“

فانڈر نے کہا: ”جی ہاں!“

مولانا نے فرمایا، ”ابھی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا ان کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟“

فانڈر نے کہا: ”نہیں!“

مولانا نے فرمایا: ”اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفیات کے باوجود عقیدہ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہو کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔“

فائدہ نے کہا: ”بہر حال، عقیدہ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔“

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا، ”یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے لئے بڑے جتن میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اُسے بے نقص مانا جائے۔“

اس پر بحث ختم ہو گئی، اور فائدہ تمبیرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولانا سے اپریل ۱۹۵۶ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانِ مناظرے کی طرح قلبی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جارا رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو ”مباحث“ اور مراسلات مذہبی کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبوعہ ”منعمیہ اکبر آباد“ ۱۹۵۶ء میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تعسیری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

پادری فائزر کا تقریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے ہیئت سے نسخوں میں
حاشیے پر چھاپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگاتے کہ مکر مکرمہ کے شیخ رفائی
خولی رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرماتے ہیں،

”میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں آن بے شمار لوگوں سے سنا،

جو اس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تو اتر

معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فائزر اس میں مغلوب ہوا تھا۔“

مناظرے کے بعد تین سال تک مولانا تصنیف و تالیف میں مشغول
ہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹٹٹا ہوا چراغ گل ہو گیا اور

جہاد ۱۸۵۷ء

ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جلائے، اس زمانے کے علماء کی

ایک خدامت جماعت اپنے فرائض سے فاضل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد

کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط و ہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی درحقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش

نہیں آیا تھا، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے

ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کر لیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی

باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان

چڑھتے رہے، اور انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیش نظر انھیں اپنی

فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہا ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

۱۵ ایسٹ انڈین کمپنی علی امامی اظہار الحق، ص ۵۵ ج اول، مطبوعہ ہستبول،

۱۶ ۱۸۵۰ء کے جہاد آزادی کے اس سید پر حضرت مولانا مناظرا حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلہ

تصنیف ”سوانح قاسمی“ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کامیو، ج ۱، ص ۷۰۔ اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس

کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”سوانح قاسمی“ ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۲، ت

فوج باغی ہو گئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آ کر ہوتے تھے، ان کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف جتوں میں مختلف جتے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تو ایچ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان امراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مرافعت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بہا صاحب مہتمم امیر، حضرت حافظ ضامن شہید امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحب مولانا نانوتویؒ کے پادرجہ رہی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وزیر المہندہ قرار پائے، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ امیر اور چودھری عظیم الدین صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

”ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا“

اس دور کی تواریخ و سیرت سے ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مجبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

۱۔ سوانح قاسمی، ص ۱۲۰ ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۳ھ

۲۔ چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کے پاس مکہ معظمہ آ گئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد معارفہ ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مجھ نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کر لیا، اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی یعنی شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولانا بذاتِ خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے دپوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجٹیہ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولانا کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجٹیہ تشریف لے چلیں،

چنانچہ ان لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اُس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی "باغی" کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولانا پنجٹیہ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلی دینے کے لئے چر داہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا پنجٹیہ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پنجٹیہ روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا سے گزارش کی کہ کھر پالے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اس کھیت کی پگڈنڈی سے گزری، مولانا خود فرماتے تھے،

تین گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں

میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں ان کو اپنے پاس سے گذرانا بولو کیوہ ہاتا

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولانا کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو لیا تھا، مولانا پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو مغزور یا غنی "سترا روئے کرگر قاری کے لئے لاکھ ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا، ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولانا نے یہ حالات دیکھ کر ہجرت حجاز کا عزم فرمایا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کیل نہ تھا، لیکن مولانا کی اولوالعزمی جرات و حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کر دیئے، مولانا نے اپنا نام بدل کر مصلح الدین رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے ٹکے ہوتے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولانا نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمت اللہ جو ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و آرام میں پلے تھے، بے پورا درد و دھپور کے وحشتناک ریگستانوں اور ہیبت اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم و ہمتاقت اور صبر و استقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہنچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے حجاز کا سفر آسان نہ تھا، اس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، فرض چند در چند آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا" کا شرف عطا ہوا ہے،

اور مولانا حجاز روانہ ہوئے، اور ادھر آپ پر فغانیانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کر دیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے:

”انڈیکس بشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ

حال پانچ پت مولوی رحمت اللہ باغی“

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں:

(۱) سرائے کچور، جن کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑھے، ” ” ” ” ” ”

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الہی،

(۴) سرائے قصاباں،

(۵) سرائے لوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطععات زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام

ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزروعہ علاقے جو بھی سرکار ضبط ہوئے

اس کے علاوہ ہیں،

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ماجری رحمۃ اللہ علیہ مولانا
بیت اللہ میں سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور بابِ ہجرہ

سے متصل رباطِ داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحبؒ

سے ملاقات ہوئی، طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ رہے، اس کے

بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ

کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ

مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریف مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

رحمت اللہ صاحب نے اکثر شیخ العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماء شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی تزییح کے ساتھ حنفیہ کے دلائل کو کم زور و مسترار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا نے شیخ سید احمد دحلان سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علی گفتگو سے شیخ العلماء کو انداز ہو گیا کہ یہ شخص طائب علم نہیں، اس پر انہوں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی، مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخ نے مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب کے ساتھ شیخ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب شہ ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تسلیبی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آ گیا، شیخ نے اس پر بجد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولانا سے دیر تک گفتگو ہوئی، اسی مجلس میں انہوں نے آپ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا، مولانا شیخ دحلان سے بہت متاثر تھے، اظہار حق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

۱۸۵۷ء کے بعد پادری فائزر جرمنی، سوئیٹزر لینڈ اور
قسطنطنیہ کا پہلا سفر | اٹھلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری
 سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز
 خاں مرحوم سے بیان کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا
 تھا، جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم
 کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انہوں نے تحقیق حال کے لئے شریف مسکہ
 عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر
 حضرات آئیں ان سے پادری فائزر کے مناظرے اور انقلاب شہ ۱۸۵۷ء کے خاص حالات
 معلوم کر کے باپ خلافت کو مطلع کیا جائے۔

شریف منگہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلان سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا منگہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فائڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوسی قسطنطنیہ آ رہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطان نے مولانا کی تشریف آوری پر ایک مجلس علماء منعقد کی، جس میں ذرائع سلطنت کے علاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولانا نے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب شدہ کے حالات سنے، دولت عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطان پوری توجہ اور شتیاق کے ساتھ حضرت مولانا کو بلا تے خیر الدین پاشا تونس صدر عظیم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطان نے حضرت مولانا کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعت فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا، اور مولانا کے لئے گران قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

سلطان عبدالعزیز خان اور صدر عظیم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولانا عربی زبان میں ایک کتاب

انہار الحق کی تصنیف

تصنیف فرمائیں، جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو ابراہاد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہ رجب سنہ ۱۲۸۸ھ میں حضرت مولانا نے "انہار الحق" لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۸ھ میں چھ ماہ کے اندازے مکمل کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولانا نے انہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلان کے حکم کو سراہ دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولانا سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنین کی خواہش پر لکھی ہی، اس لئے اس میں امیر المؤمنین کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر نہ کیا ہے! حضرت مولانا نے جواب میں فرمایا:

اس ذابص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد فی ترتیبہ کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا۔

مولانا کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظر استحسان دیکھا گیا:

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولانا کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جا رہے تھے، اس لئے مولانا نے یہیں رہتے ہوئے ”تنبیہات“ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتیہ کا قیام | قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولانا نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اس زمانے میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن ازل تو درس کے یہ حلقے کسی بچے کی سطح پر اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصاب تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسری تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوت مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرح

تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلباء نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولانا نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل حیرا صاحب کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان ۱۲۹۰ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم زمیں خلیج علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتداء کی، پھر ۱۲۹۰ھ کے موسم حج میں سلکتہ کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تاحضرت مولانا کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، ابھی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام مدرسہ صولتیہ رکھا گیا،

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولانا نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکے، یہ مدرسہ آج تک بھدا شہ مکہ مکرمہ کے "عارة الباب" میں قائم ہے، اور تحصیل خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ اس کے ہتمم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

لے مولانا محمد سعید صاحب کے والد محمد صدیق صاحب انبالہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحب کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد بخیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گزری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ ان سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی صفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابلِ فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بھگت اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اطال اللہ تعالیٰ بقاؤہ

۱۹۹۹ء میں دولت عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو **قسطنطنیہ کا دوسرا سفر** حجاز کا گورنر نامزد کیا، انہوں نے نہ جانے کس غلط فہمی کی بنا پر مدرسہ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہو گئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انہوں نے مولانا کو طلب فرمایا، چنانچہ مولانا دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا ہدرا اسلام صاحب بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالوی اپنے اس سفر کی زور داد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

دبئیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشین یا سکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحب کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انہوں نے اپنے نختِ جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولانا نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امد اللہ صاحب ہاجر ملک رحمت اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپنے اُن سے فرمایا: میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سستار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے یہ حضرت مولانا سعید صاحب نے ۱۳۵۴ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ صولتیہ کے ناظم رہے، دہا ہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری،

۱۹ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۳۴ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۴ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالوی کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معارف سے استفادہ کیا ہے، تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ ہفتے کے دن مغرب کے وقت تکہ معظمہ سے جد
 کوروانہ ہوئے، آٹھویں کے آگوسٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر
 باہور جہاد، مصری میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ روز بدھ کو سوار ہوئے،
 اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لشکر اٹھایا، پھر کی رات کو پانچ
 بجے سوز پھینچے، اور صبح کو ۷ بجے کادون اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی باہور سے
 سے اترے، ... وہاں سے مکل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر نوا
 یمن بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے ... پھر
 آٹھس دن ... باہور مصری پر سوار ہو کے ... جادی الاولیٰ کی
 پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، اور جہاز نے لشکر ڈالا، اسی وقت
 فی الفور مصطفیٰ وہی بے یاد (لے ڈی سی) اور بن باشی حضرت سلطان
 کے، جہاز پر چڑھے، اور محل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت
 سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلے : وہاں سے چل کر
 سرائے (محل) تشر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان محمد عبدالعزیز
 فازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگلی میں سوار ہو کر
 محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اترے
 اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب
 علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرناء (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں،
 اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو
 اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن مکل کو جناب عثمان پاشا فازی
 اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد مدنی
 اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے و سترنا درجہ دوم
 نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف
 شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حنی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لئے آیا،

۷ تاریخ ہفتہ کے دن وہی ہے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ ”مرضی سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل و عیال کو بلوالو، موسمِ ریحِ قریب آ پہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، منگل کے دن کیسہٴ مفتح کعبہ اور ایک تسبیحِ حقیق البحر کی اور ایک تسبیحِ شگب مقصود کی بھجوائی گئی، اور فرمایا کہ: اُس کے شکر یہ میں نے تم کو رقبہ ”پایہ حریم شریفین“ کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا اور چھٹی تاریخِ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرتے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اُٹھ کے ایک دو قدم بڑھا کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ ”کثرتِ شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں“ میں نے بھی دعا مانگا

کلماتِ شکر یہ مناسبہ کہے ۔

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا، جس کے جواب میں شکر یہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ،

”حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیرین اور بہت سے نیک کام قشدہ تکمیل، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے،
 ان کو اس کا رنج میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو
 یقیناً امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں و

اسی دوران سلطان نے حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو
 اپنے شہرہ آفاق شاہی کتب خانے "حمیدیہ" کا ناظم بنا دیا، یہ آخر وقت تک سلطان
 سے معتمد علیہ رہے، سلطان عبدالحمید کی معزولی کے پُرخطر وقت میں صرف تین اشخاص
 سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، ان میں مولانا بدرالاسلام صاحب بھی تھے،
 ایک عرصہ نقل بند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے،
 بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصلحتاً وہی بے یاور
 اور غیر آدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک صبح تلوار
 حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

”بھیانہ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے“

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان لوری
 پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولانا سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی
 معافی چاہی،

دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء کے
 مولانا کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبرسنی اور کثرتِ مشاغل
 سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہو گئی تھی، اور ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا موتیابند
 کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

تیسرا سفر

۱۵ ایک مجاہد معمار، ص ۳۴۸ ص ۵۲

۱۹۱۳ء کی جنگِ عظیم میں انگریزوں پرست شہرہ کرتے تھے، اس لئے پھرتو چلے گئے تھے، چنانچہ
 نہیں ندوۃ العلماء میں وہ عربی کا استاذ مقرر کیا گیا۔ مولانا خلی مراد علی کے بڑے اچھے تعلقات تھے،
 نوی زمان نمبر ۱۹۱۳ء ص ۵۸

حضرت مولانا کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲۲ رمضان ۱۳۰۲ھ کو مولانا پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراویح بھی دیں پڑھی، اس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولانا کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک ہنایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا آپ کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرعی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں ان کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انہوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولانا نے فرمایا:

اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر رزک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروائے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیر المؤمنین کے دروائے پر مردوں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا؟

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولانا واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب سماجی خدمات

کیرانوی نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہر زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقہ جاریہ ہے، لیکن مرورد ایام کی کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہو گئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنان حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واحد یا بیٹھ کر آئے، اور اس سلسلے میں مدرسہ مولتیہ کے اندر ایک مشائخانی
 ایٹمان منعقد ہوا، حضرت مولانا نے ہنرز بیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، سکول
 کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں بہا بزرگ کے پیشوا
 سے ممتاز ائیر اڈار کا ان منتخب ہوئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے مولانا کو منتخب
 کیا گیا، پھر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمن صاحب مرحوم
 مفتی الامانات و شیخ العلاء مکرہ مظہر کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب
 صدر کی حیثیت اختیار کی، یہاں تک کہ مولانا صاحب ہنرز بیدہ کے خازن اور تحویل
 مقرر ہوئے، اور اس طرح ہنرز بیدہ کا عقدہ جاریہ ان حضرات کی ہمت سے دوبارہ
 زندہ ہوا۔

(۳) جس وقت حضرت مولانا رشتہ صاحب مکرہ مکرہ پہنچے، تو وہاں ڈاک آفیس
 کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک
 آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سلسلے رکھی جاتی تھی، جس کا خطہ ہوا وہ
 تلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولانا نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی
 زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحب نے
 اس جہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلا کر باب الوداع پر ڈاک
 تعمیر کرایا۔

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص مہیاچ اور انتظام قائم کیا، اور مکرہ میں باضابطہ دینی
 تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکرہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں بہا بزرگ اور مقامی باشندوں
 کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنر مند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،
 (۵) سب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے حرم میں بچے
 ہوئے شاہی کتب خانے کو حاج کی سہولت کے لئے مہدم کرایا، تو مولانا نے اس
 کے پھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ مولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کے

تینوں گنبد پانی پت شمع کرتال کے معماروں نے تعمیر کئے، اس مسجد کا تاریخی نام
 "شاہ رحمہ" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ مولانا یہ ازراہ اس کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افتاد
 کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہماجر مکیؒ
 اپنے خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک بھوتب
 میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکی ہما مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ
 صاحب کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی جنت اور توجہ سے یہ مدرسہ
 قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے
 ذمہ کیا گیا، ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوئے ہیں۔"

وفات اسلام اور مسلمانوں کی گونا گوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس محباہد
 و سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ
 کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی،
 جنت البقیع میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں مدینین و شہداء کے قریب
 آپ کا مزار ہی، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ
 صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہماجر مکیؒ اور مولانا عبدالحق
 صاحب شیخ الدلائل، مصنف "اکلیل شرح مدارک التنزیل" بطور خاص قابل ذکر ہیں
 حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء
 اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے
 کیجئے کہ جس زمانے میں مولانا استنبول گئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ
 صاحب ہماجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوٹومی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوٹومی وغیرم
کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں،

”مولوی رحمت اللہ بنور شریف باسٹنبول میدارند، خدائے تعالیٰ
مولوی صاحب راجلہ آرد“

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی بیشتر تصانیف رتہ عیسائیت کے
موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :-

۱۔ ازالۃ الاوهام | یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۳ صفحات پر ۱۲۶۹ء میں سید المطالع
شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ

کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فائڈر نے ”میزان الحق“ میں جو اعتراضات کئے تھے
ان کے دندان شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلہ تثلیث اور بشارات کی بحث
اس کتاب کی خصوصیت ہے، ازالۃ الاوهام کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آل حسن صاحب
کی استفسار بھی چھپی ہوئی ہے، اسحق نے اپنے کام میں اس کتاب کا کافی مدد لی ہے،

۲۔ ازالۃ الشکوک | یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹
سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات

۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تخریفات اس
کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ الباقیات الصالحات مدراس
کے بانی اور حضرت مولانا کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب دیوردی نے مدینہ
میں چھپائی تھی، پھر دوسری جلد مولانا کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی
میں طبع کرائی ہے،

۳۔ اعجاز عیسوی

یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریرین بائبل" ہے، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، متوسط تقطیع کے چھ تو صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۷۱ھ ہے، ذلک ہدی اللہ یحییٰ بہ من یشاء۔ اس کی تاریخ ہے،

۴۔ اوضح الاحادیث

اس کا پورا نام "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہے، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں عقیدہ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا، یہ رسالہ راقم الحدوت کی نظر سے نہیں گذرا،

۵۔ بروق لامعہ

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدہ ختم نبوت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاج المیزان

یہ کتاب فائزر کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲، شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۲ جولائی ۱۸۸۶ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ تقلیب المطاعن

یہ کتاب پادری لاسمند کی تحقیق دین حق کا جواب ہے، جو افسوس ہے کہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

۸۔ معیار التحقیق

یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے،

۱۵ تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امداد مبارکی ص ۲۳۷ و ۲۳۸، اور "ایک مجاہد معمار" ص ۲۸ و ۲۹ سے ماخوذ ہے، ت

”اظہار الحق“

روعیسائیت پر مولانا کی آخری اور سب سے زیادہ معرکہ آرا کتاب اظہار الحق ہے، چچ ابراہیم پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور قاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی زبان میں روعیسائیت پر اتنا قیمتی مواد ایک جا نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولانا نے قسطنطنیہ میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۸ء میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے ”ابراہیم الحق“ کے نام سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں فرانسیسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید کر بلایا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا ندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہوگا، ”THE TRUTH REVEALED“ کے نام سے چھپا، یہ انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور احقر نے اس سے اپنے کام میں کافی استفادہ کیا ہے،

مقر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارت مذہبی امور نے ۱۹۵۳ء میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اول ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گزری ہے، جلد ثانی کا انتظار ہے، مصر کے ایک عالم استاذ عمالد سوئی نے اس کی تصحیح و ترتیب کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول،

بنائے، آمین،

تبصرے کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپیں، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے کسے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۸۱ھ کے بعد جو کتاب بھی رد عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماخذ بنی، علماء و محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراج تحسین پیش کیا، ہمارے لئے ممکن نہیں ہو، کہ اس سب کو یک جا کر کے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

لندن ٹائمز الفضل ما شهدت به الاعداء کے پیش نظر ہم سب کے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو لندن ٹائمز نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

”وگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی“

قواب حاجی اسماعیل خان صاحب مرحوم رحیم داتا ولی ضلع ملتان نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو ”ٹائمز“ کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا:

شیخ باچہ جی زاوہ مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمن بک باچہ جی زاوہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۲ھ میں ”الفارق بین المخلوق والمخلوق“ کے نام سے رد عیسائیت پر ایک معرکہ الآراء کتاب لکھی جو بلاد عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

”ان الامتاز الفاضل رحمت اللہ الہندی قدس اللہ روحہ فی کتابہ اظہار الحق فضو کتبہم وبتین ما فیہا من التحریف والمناقضات والکذب وتجاوزہم علی اللہ تعالیٰ وانہما کما الطاہرین فان اخرجت الوقوف علی مناوہیم فراجعہ فهو یغنیک ویشفیک“

۱۔ ایک مجاہد شمارہ ص ۲۶

۲۔ الفارق بین المخلوق والمخلوق، ص ۳۱۶، مطبوعہ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ

بلاشبہ استاذ فاضل رحمت اللہ ہندی قدس اللہ روحہ نے اپنی کتاب
انہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رسوا کر کے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں
میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں
اور اللہ تعالیٰ اور انبیاءِ طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں
اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف
ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کر دے گی
اور تشفی بخشنے لگی۔“

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں،

ومن اراد زيادة التبيان والاطمئنان فليراجع ما كتبه العلامة
والحبر الفخامة الشيخ رحمت الله الهندي رحمه الله تعالى
في الجزء الثاني من كتابه المشي المهار الحق ففيه غنية العتمة
اذ قد اشيع القول في ذكر الدلائل العقلية والبراهين العقلية
من كتب علماءهم ورؤساء دينهم۔“

جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم
مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب انہار الحق جلد ثانی کی
طرف رجوع فرمائیں، اس میں حاجت مند کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے،
اس لئے کہ انہوں نے عقلی دلائل اور خورد عیسائیوں کے علماء اور مذہب سے
پیٹواؤں کی کتابوں کے نقلی دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

مصر میں سابق ہیئۃ کبار العلماء کی لجنہ علیہ کے ایک رکن
شیخ جزیریؒ رکن اور مساجد الاوقاف کے مفتش اول شیخ عبدالرحمن
جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فائزر کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

۱۰ ادلة الیقین کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں،
 اں بلاشبہ استاذ مبیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے
 اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت سخت
 اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات و انجیل کی تحریف
 پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں۔

رشید رضا مصری | مقرر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلہ المنار کے ایڈیٹر
 شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

”شیخ ہندی نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی بشارات کو کافی دانی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطع دلائل
 قائم کئے ہیں۔“

عمر الدسوقی | قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی
 اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے
 اور مدح و ستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

”اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے
 دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح
 باخبر ہے، اپنے موضوع پر اسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل
 قائم کرنے اور فی مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے،
 اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے جہد نامہ
 قدیم و جدید کا ایک ایک نقطہ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا
 مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

۱۰ ادلة الیقین، ص ۹ مطبعة الارشاد ۱۳۵۲ھ

۱۱ مقدمہ انجیل برناباس، ترجمہ الدكتور خلیل سعادت مسیحی،

کبھی ہیں اور اس کی ولیوں میں سبک زیادہ زور دار حصہ وہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استہزاء
پیش کر کے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا
اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفیظ الرحمن
سید ہارمیؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرمایا کہ اس کی تعریف و توصیف
کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعجاب کا اظہار فرماتے رہے ہیں
ذَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَدَّ لَہٗ وَاٰخِرَہٗ

محمد تقی عثمانی
بمبئی شعبان ۱۳۸۴ھ

دائرۃ العلوم
کراچی نمبر ۳۲



خطبہ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھا دی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے مجنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے سینہ مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری تو ریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے ان کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، ان پر اور ان کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بنا پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے ان صحابہ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولت اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں :

ہرگز نہ ہو کہ

پیش لفظ مصنف

اما بعد، اپنے محسن، خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللعین خلیل الرحمن عفریہ
 عرض پر دان ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہو گیا،
 اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو ان کے آغاز حکومت سے ۴۳
 برس تک ان کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس
 کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف
 رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں
 اور نام جنسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ بکنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ
 سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف
 کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گزرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا
 ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماء اسلام کو ان کی تردید
 کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گناہی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اوصرفیہ اشار بھی کوئی بڑے علماء کی حجت

میں نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی قمیٹہ، ریروں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہنچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی و عیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "نیزان الحق" کے مصنف، میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علماء اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، جیسا کہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے ان پانچ مسائل میں مناظرہ ہونے لگا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیادیں، یعنی تحریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۵۰ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے)، اس جلسہ میں میرے معین و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے۔

۱۸۵۶ء میں ڈاکٹر وزیر خان صاحب مہرم، ۱۸۳۶ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائی کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پرنٹروں نے مولانا رحمت اللہ صاحب کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خان کپ کو اودھ کا گورنر مقرر کر دیا تھا، آپ

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادریوں کے خیال میں سب سے مقدم تھے چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلالت کرتا ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے، ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی محاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی دستری و مولائی سید احمد بن زینی دحلان اور ام الشرفیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوفی نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میرے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کروں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانان ہند کی زبان (اردو) میں، اور دوزبانوں میں نیری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور دعوے کرتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے بالخصوص وہ پادری جنھوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں یہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

اور اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثال حکم کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو لپ لپوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے، پھر ہجرت کر کے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محدثی

سے اجراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری
ثوابیہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس بخدا سے جو ہر شکل کو آسان کر دینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ
بصیرت و صلاحیت عطا کرے جو حق و صواب کی جانب رہنمائی فرماتا ہے، اور اس کتاب
کو مخلوق میں شریف قبول بخشنے، خاص و عام سب اس سے مستفید ہوں، اہل باطل کے
بشہات اور منکرین کے ادا ہونے سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشنے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر
ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام الہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

—————

مُقَدِّمَہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

1

2

3

4

5

6

7

8

9

10

11

12

13

14

15

مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

۱

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، الا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

۲

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقہ پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

۱۔ فرقہ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولہویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپوں نے عیسائیت کی شکل صورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور بجد تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سر نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک کی کتابوں سے لی گئی ہیں، تئیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پرڈٹسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی نے آپ دیکھیں گے کہ جب کہیں ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تئیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو ان کو یہی غلط فہمی ہوگی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ اور ہینار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چونکہ کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادر علمی میں پہنچانے کی تحریک چلائی اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انہیں منسوخ کر کے صرف بتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کاپون وغیرہ اس کے مشہور لٹریں، تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۳۳، ج ۱۹، مقالہ ریٹارمیشن)۔

لہ رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ

ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیح کے حواری جناب پطرس کو نائب مسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب ہو جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انہیں یہی امور میں مکمل اختیار حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے

کتاب ہذا، ص ۱۰۴، ج ۲، ۱۲ اخذ تھی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دو بار ان کی اس عادت کے جاننے سے قبل اس قسم کے مخالفہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم ماخذ | اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نعتل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم واٹسن نے لندن میں طبع کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ طبعیہ روم ۱۲۶۲ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،
- ۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم واٹسن نے ۱۸۴۳ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں ڈبوریہ و غنہ کو یک جا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۳۴ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ اور ۱۳۴ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بعد ایک کے کم ہو گئی،
- ۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۱ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمہ سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طبع رکھ کر نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہورن کی تفسیر جو ۱۸۲۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری واسکاٹ کی تفسیر مطبوعہ لندن،

نہ اصل میں ہنری کی تفسیر انگلہ تھی، اور اسکاٹ کی انگلہ، بعد میں بعض حیسانی طما۔ (باقی صفحہ ۲۳۰)

۷ - لارڈز کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۳۵ء ،

۸ - ہارٹے کی تفسیر ،

۹ - وائسن کی کتاب ،

۱۰ - فرقہ پرورشنت کا ترجمہ انگریزی ہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۰ء و ۱۸۳۱ء
و ۱۸۳۶ء ،

۱۱ - عہد عتیق و جدید کا ... انگریزی ترجمہ جو رد من کیتھولک کا کیا ہوا ہے ، مطبوعہ
ڈبلن ۱۹۲۰ء ،

اس کے علاوہ دوسری کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا ، یہ کتابیں ان
مالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہو بڑی کثرت سے ملتی ہیں ، جس کسی کو شک ہو نقل
کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے ،

(۲)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسئلہ کتاب
کی نسبت یا ان کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین
اس کو اس کتاب کی یا نبی کی نسبت میری بد اعتقادی پر مہمول نہ فرمائیں ، کیونکہ میرے نزدیک
خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرنا بدترین عیب ہے ، اللہ تعالیٰ
مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے ، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک
مسلم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں ، ان کا اہامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا بلکہ

دعوتِ مسیحیہ سنو گزشتہ نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا ، اسی لئے آپ کہیں گے
کہ مصنف اس کا تو الہیتے ہوتے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا ۱۲۰ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاط اور تناقض و تحریف یعنی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہو سکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں، مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو گل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اور یاک کی بیوی سے زنا کیا، اور ان سے حاملہ ہو گئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اور یا مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا دیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناچائز تصرف کیا، اسکا طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچہ ایتا یا، اور اس کے لئے شرابان گاہ تعمیر کی، اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، ان کی مقدس کتابوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ ان کی وفات مرتد و مشرک ہونے کی حالت میں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات کا انکار کرنا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

۱۰ نقلی کفر کرنا شدت سے انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں سے) اس بات اپنے باپ کو سے چلائی؟
 (سیدائش ۱۹-۳۳) اور لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں، (سیدائش ۱۹-۳۶) ۱۲
 ۱۳ (سوتیل دوم ۱۱-۵۲۲) ۱۴ (سوتیل دوم ۱۱-۱۵) ۱۵ (خروج ۳۲-۶۵۲)
 ۱۶ (سلاطین اول ۱۱-۱۳۴۲) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات، یعنی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں مسزور ہیں، اس لئے علماء پر ڈسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبوی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلنے لگتے ہیں! مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے! اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے نیک کمال دوں؟ ایسے ریاکار پہلے اپنی آنکھیں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا۔ (متی ۷ - ۱۲، ۱۳، ۱۴ اور روم ۱۶ - ۱۷، ۱۸)

⑤

جیسا کہ پیر میں مخالفین | کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، اپنے کے لئے نازیبا الفاظ | دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ اور فریسیوں کے

لہ اخبار الحق کے دونوں نمونوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے جو غالباً کاتب کی بھج ہے، مگر اجمیل متی میں فریسیوں کے ساتھ فقہوں کا لفظ ہے (متی ۲۳ - ۲۹ تا ۲۹) اور یوحنا میں شروع کے مالوں کا لفظ ہے (۱۱ - ۳۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے منہ پر یہ الفاظ استعمال کئے۔

تے ریاکار کتبہ اور فریسیوں: تم پر افسوس، اور آگندے راہ بتانے والو! اور اے احمق!

اور اندھو: تم پر افسوس! اے ندے فریسی! اے نہ پو! اے افسی کے بچو! تم جہنم کی

سزا سے کیونکر بچو گے؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے

شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲ اور انجیل لوقا باب

میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کثوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح

انجیل متی باب ۲۱ میں موجود ہے، نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ

کس طرح خطاب کیا کہ۔

اے اژدہ جوں کی اولاد! کس نہ تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۱ میں موجود ہے،

بالخصوص علماء ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تعلق کے ماتحت

نیکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدی اور رئیس المصلحین یعنی جناب

ڈاکٹر کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدی اور اس کا معاصر یعنی

آیت ۲۶ و ۲۷،

اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتاویا کہ آنے والے غضب سے بھاگے، (متی ۳-۷)

ڈاکٹر مارٹن لوتھر Martin Luther، جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب

پہلا لیڈر ہے، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام و خاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ

کا حق حاصل ہے، ماس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے ربانی برکت

پاپائے روم تھا، کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملک معظم ہنزی ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال جناب رئیس اعلیٰین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۱۷ سے نقل کیا ہے، فرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے صفحہ ۲۷۳ میں پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

تین سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرنا ہی میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ بھل گیا، اے حقیر لوسی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھو، ممکن ہے تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جاتے، کیونکہ اس سال بڑا ہی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴) فرقہ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی نیشنل

ایک شاہکار مترادف دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۵۲۳ء، وفات ۱۵۶۴ء

مذہب پاپا یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے اُسے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ سمجھتے ہیں

پہلے اسی کو پاپا کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہو گیا اور معتد

ابن خلدون، ص ۴۱۸، نوٹھرنے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی

۱۷ ہنزی ہشتم شاہ انگلستان (۱۵۵۸ء - ۱۵۵۹ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں نوٹھرنے کی

تحریک بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے پاپائے نے "محافظ ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے

اُڑ گیا، اور ایک اور مذہب کو بنایا، اور لوگوں کا مذاق اڑایا، اور شاہی کلبہ پر کامل اقتدار ہونے چاہئیں ۱۲ تھی

دور ہو جاؤ، اے شریرو! ناقابلِ التفات احمقو! ذلیل گدھو! تم اپنے گدھوں سے
بہتر سمجھتے ہو! اے پوپ ابے شک تو گدھا ہے، بلکہ پوقون گدھا ہے، اور
ہمیشہ گدھا ہی رہے گا ۵

پھر صفحہ ۳۷، ۳۸ جلد مذکور میں یوں ہے:-

اگر میں ملک ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شہر پوپ اور اس کے متعلقین کو
باندھ کر دریا سے استیاء میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہے
ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور
کمزوری سے شفا اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور
میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیح کو بھی اس امر کا ضمان بنانا ہوں کہ
اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب
ہو جائیں گے ۵

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۱۰۳ پر کہتا ہے کہ:-

پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مکار و فریب کار گروہ ہے،
اور بد قماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنی شیاطین سے بھری
ہوتی ہے، کہ اس کے ٹھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد
ہوتے ہیں ۵

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:-

میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہس کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید مجال اور اس کے حواریوں نے کونشنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے وہ اب تسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطان اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام زد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور ان کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں۔“

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ پادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا۔“

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیس المصلحین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسلمہ ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ہو، اس بنا پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو پادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

دبقیہ عاشیہ زونڈ (کلیسا روم کے نمٹات آواز بند کی، اور اس کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فریوخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کی خلاف احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور تیسریں کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھنے کی آرزو شامل ہو، مسئلہ میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہو رہا تھا اس کی مؤثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پاپا نے اسے کلیسا سے خارج کر دیا، اور ستایا، مسئلہ میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر جیل میں رکھنے کے بعد، جولائی ۱۵۲۰ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلادیا گیا (تواریخ کلیسا سے، روم، ۱۲)

دماشیہ سرینڈا ۱۵۰۰ Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور پادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۵۰۰ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلا یا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں بھی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں راقی برص ۱۵۰۰

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک و امنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات معصوم نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم مہزنی ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۷۷ پر کتاب ہے کہ :-

(۱) بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا ٹھوک کذب و لغویں خرچ کیا ہے :

(۲) میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصب سلطان کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ ٹوٹاؤں ؟

(۳) آئے لکڑی کے بڑے ہوتے جو صن جاہل : تو جھوٹا ہے، اور الحق پادشاہ ہوا جو کفن چور بھی ہے :

(۴) اسی طرح یہ الحق پادشاہ جو اس کیا کرتا ہے :

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پرہیزگاروں کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضاتے بشریت کی بنا پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان جس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انہیں باقاعدہ رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے زندہ نذر آتش کیا گیا، دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلرک، ص ۲۳۹ و ۲۴۰ ۱۲ محدث

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظوں کے مقدار نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو اُن کے خیال میں اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،
 مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :-

تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں
 سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکاریں تم اُن سے
 صلہ رھی کرو۔“

جس کی تصریح انجیل متی باب میں موجود ہے

(۶)

عیسائی ملحدین کے اقوال | یورپی ممالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو عسکار
 نقل کرنے کی وجہ | پروٹسٹنٹ لٹراچر اور بد دین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب
 کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح
 علیہ السلام کی، ان ممالک میں اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اُن کی کتابیں دنیا کے اطراف
 میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں اُن کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جاتے ہیں،
 اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم اُن کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا
 وکلاً، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اُن کا منکر بالخصوص حضرت
 مسیح کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشاء
 محض علماء پروٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ
 ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود اُن کے اہل ملک و جنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

۷

علمائے پروٹسٹنٹ کی اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ
 مسلمانوں پر بیتان طرازیاً رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی جگہ سے جستجو
 کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ ان کو غنیمت
 سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ان کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب
 اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد محدودے چند اقوال کمزور پائے
 ہیں، پھر مخالفت کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تاویل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب دیکھتے
 ہیں، اور قوی و مضبوط اقوال کو قلعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے
 اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریفتن کے
 کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کبھی کبھی تو ان کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا
 ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں
 تحریف اور تغیر و تبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے
 کہ واقعی مخالفت کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہو گا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات ان کی اس عادت سے واقف ہیں ان کو
 یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالفت کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں طلب ہے، پھر یہ
 بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کا
 کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کسی کتاب الہامی نہیں ہے تو عادتاً اس میں بعض باتوں کا ذکر ہونا بھی
 لازمی ہے، اس کو کسی انسانی کلام اس سبب پاک ہونا بہت ہی بڑا شکر ہے کہ ہر کتاب اور الہامی کلام کو گنہگار ہرگز نہ سمجھا جائے اور نہ کوئی

گر نالازم ہے، اور سب پہلا انسان سب پہلا بھولنے والا ہے !

ہمارے نزدیک غلطی اور بھولنے کا ہر صورت کلامِ الہی اور کتابِ الہی کیلئے مخصوص ہر نشان کسی اور کتاب، ایضاً سچی، ذرا غور کیجئے کہ امامِ حجت و تہم کے وقت سے اس موجد زمانہ تک ان محققین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری یا کئی قصصہ میں کسی موقع پر نہ ہوتی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی، کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امامِ مدوح یا دوسرے امامِ کالون یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکو اس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں تھی، عاशा کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے نزدیک اتنی بات کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کسی امام یا محقق کے بعض وہ اقوال جن کے بارے میں خود ان کے مقتداؤں اور اہل مذاہب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کمزور یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی نمونہ کا ہے، اور وہ ایسے تجھے اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب لکھیں تو تردید کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرستی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء ج ۲، فصل ۲، ۳

۱۰ کالون Calvin فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں مسیحیت کی تھو لک عقائد کا تھا، بعد میں دو تھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں دیں، فرانس میں پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جنیوا میں مقیم ہو گیا، جنیوا اور گرد و نواح میں پروٹسٹنٹ نظریات کو پھیلانے میں اس کا بڑا اہم کردار رہا، یہاں سے اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسسوی زبان میں بائبل کا پہلا ترجمہ اسی نے کیا ہے، اگرچہ موجودہ کلیسا اس کے تمام نظریات کو تمام کمال قبول نہیں کرتی، مگر اس کا پناہ مقدمہ تعلیم کو تازہ اور ازبک بنانا، ج ۲، ۱۲

میں تصریح کی ہے کہ:-

تقریباً ایک ہزار گھنٹی علماء پرولٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی امانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سو داہن اور مین

ہر وقت مستعد ہوتے ہیں»

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوتے عدیم الغرضی کاغذ کیسے مانا جاسکتا ہے! اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق دحل الاشکال و مفتاح الاسرار و مصنف پادری فنڈر صاحب کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

دارڈ کیتولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمہ مذکورہ کے حال میں جو طرح زبان

میں ہے کہتا ہے:-

ڈونکلیس جو علماء پرولٹنٹ بس بڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ، اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بجاتا ہے، تو بڑا مخرب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے چید شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیسری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہی، اور لوتھر نے ڈونکلیس کے ترجمہ کا رو کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال و مکرر بے العقاب سے یاد کیا، پادری گلرمن ترجمہ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ "عبدعزیز کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیبوں سے لبریز ہے اور بھید جبید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،"

اور بسرواؤسیانڈرا، نو تھر سے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلِس اور

امیسرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں جڑ سے غلطیاں پائی ہیں جو بدلتا ہیں"

پھر جو اغلاط صرف عہد جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو

غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں ہزارہا اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط

پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے عظیم کیرٹ جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو

ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف

کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے عظیم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں

کے بھی سنتے جاتے۔

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصہ دراز تک داعظ پادریوں کے یہاں

استفسار کی تالیف سے قبل مروج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آل حسن نے استفسار

تصنیف فرمائی اور نسخہ مذکورہ کے باب نمبر ۱۰۳ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے

بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو

کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک

بدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کر کے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع

کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گو یا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں

قانون منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم

نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی

گنجائش ہے،

بہر کیفیت! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۹۰۴ء سے ۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم و جدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

”میزان الحق“ کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۱۱۰، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

اس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہو گئی، اسی طرح قرآن کے نزول سے انجیل منسوخ ہو گئی۔

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہو جانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سرسمر بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کئی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں کچھ کچھ زبور توریت کی ناسخ ہونے پر انجیل منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر غرہ حیت موسوی کے منجیح تھے اور زبور تو عربوں چند وعاقوں کا مجموعہ ہے، جس کے ناسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے سکر قیاس کیا ہو گا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی۔ اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کر دیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو مسیاتیوں کا اولین اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-

مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور
انجیل دونوں کی یہ

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی ناسخ ہے
نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان
جمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے
کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح
ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع
ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،
تیسرا قول | فصل مذکورہ صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

قانون نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جان بوجھ کر بعض اپنی
مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک
پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے
ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اللہ
کامل الصفات ہر کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا :-

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا،
چنانچہ باب میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس پر یہ اعتراض

پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۱۴ خطوط بائبل
کے موجودہ مجموعہ (جدید نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے،
شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے بردھلم میں عیسائیوں
پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برصغیر)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ بزدگ اسی ناقص باطل تصدیق میں مستلماً نظر آتے ہیں، جو پادری فنڈ کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۰ء سے نقل کرتے ہیں، جو انہوں کے نام خط کے باب آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ:-

غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہو گیا کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کمال نہیں کیا،

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا“

اور تمہریں آیت میں ہے:-

جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز نپاتی اور مدت کی

ہو جاتی ہے وہ بیٹنے کے قریب ہوتی ہے

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے“

دیکھئے! عیسائیوں کے مقدس نے تورات پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہو گئی

اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کر سکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو معقول اور

باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی ہے

رہیقہ حاشیہ صفحہ ۲۶، اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، یہ واقعات کتاب اعمال پب و ڈ میں دیکھے جاسکتے

ہیں، شمالی جزیرہ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی

تبلیغ کا اہم مرکز ہے، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روم میں لیا کر شہر میں قتل کر دیا گیا۔ تفصیل

کے دیکھئے مقدس ۱۲ مرقومہ احقر ۱۲ تقی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا، کیونکہ اس نے حزقیلؑ کی زبانی یہ فرمایا کہ :-

”سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیتے جن سے وہ زندہ نہ رہیں“ (حزقیل ۴۵)

بہم کو اس صحت کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہے کہ

جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”ان آیات کا مقتضایہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا

تک قائم اور باقی رہیں :-

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقصود یہ ہوتا... کہ دونوں کے احکام

باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے

دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور نوریت کے حکم کے مطابق اس کی تعظیم کو توڑنے والا واجب القتل

ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں صراحتاً کیا ہے کہ :-

”نوریت کے ظاہری احکام مسیح کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار

سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی“

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے

نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نرج میں اور ہمارے

لوحہ قیالی بن بوزی آپ کہا را نبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام ایسے کی عام کتابوں میں ”حزقیل“

عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لادمی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام

کی اولاد میں سے ہیں، جب ششم شرق م میں بنو کہ نصر (Nabuchodonosor) نے یروشلم

پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بعد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتاب

”کتاب حزقی ایل“ کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۱۔
غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل
کے گھرانے کی کھوٹی ہوتی بھیڑوں کے پاس جانا ۹

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے
منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے
وقت فرمایا کہ ۱۰۔

تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو ۱۱۔

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد
فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد
توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا،
بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گلا گھونٹے ہوتے جانور کی حرمت، زنا کی
حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب اللعمال
باب میں موجود ہے،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عا

۱۔ (متی ۱۰-۷۶)

۲۔ (مرقس ۷-۱۵)

۳۔ روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں
کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوتے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو
ان چیزوں سے بچاتے رکھو گے تو سلامت رہو گے، (العمال ۱۵-۲۸ و ۲۹) ۱۲

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روم کے باب ۱۴ آیت ۱۳ میں اور بطس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے) منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو لہذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہو سکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب ۳ میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷

میں نقل کیا ہے۔

۱۔ انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ،

”آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

۲۔ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

”ہاں بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں

ایک نقطہ یا ایک ٹوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جاوے۔“

۱۵۔ ”بے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے“ (رد میوں کے نام ۱۳۴-۱۳۵) اور ”پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آور لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں“ (بطس کے نام، ۱-۱۵) ان فتووں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے۔ نئی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اس لئے مصنف نے فرمایا کہ ”چار استثنائی احکام ہیں“ پہلے تین احکام کو الخ ۱۴

۳۔ پطرس کے پہلے خط باب آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ،

”کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں، بلکہ غیر فانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور

قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو۔“

۴۔ کتاب اشعیاہ کے باب ۴۰ آیت ۵ میں ہے کہ،

”گھاس ٹر جھاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر پہلے خدا کا کلام اب تک قائم ہے“

یسا یوں کہ دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ علی احکام شریعت عیسوی میں

منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے،

ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ باب ۳ میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو ”میری باتیں“ کہا گیا ہے اس میں اصناف

عہد کی ہے، جس سے مراد وہ پیشینگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انہوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آئی اور چرچ ڈیمنٹ نے پادری پیرس اور ڈین لٹان

۱۔ پطرس رجا اور مار معنوم ہیں (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ان کا اصلی نام سمعان تھا، مچھلیوں کے شکار پر گزارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے تو آپ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا، جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ انطاکیہ میں رہے پھر انھیں روم لایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں ان کے دو خط شامل ہیں

۲۔ رپیدائش تقریباً ۱۰۰ ق، م، وفات ۶۴ء، ۱۲

۳۔ یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیا ہے، چند نچر اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے، کہ یہ مراد لیا جاسکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی ہے گی خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخہ کی نسبت اُن کی انجیل کا بھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ مٹنا کمال کی قید کے ساتھ مفید ہے، اور پادری مذکورہ کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں اَلِیَّ الْاَبَدِ، ابد تک کا لفظ محرف اور الھاتی ہے، جس کا پتہ کسی مستقیم از صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اس طرح لکھے ہوئے ہیں ' (الی اللہ) نسخہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۶۷ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنے والوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں کہ جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے،

پطرس جواری کے الفاظ خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے، اشعیاء کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ "پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے، لہذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیاء کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جاسکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت بہکی بہکی باتیں کی ہیں جن کا علم ان لوگوں کو خوب ہو جنہوں نے اس مناظرہ کی ملبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہوگی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری جی موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ: "ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمان نے قرآن کو جلا دیا تھا، مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا ہے کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ تمی بڑھایا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعوں کی طرف ہو جائے۔

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:

شرقی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے

حالانکہ استفسار کی عبارت میں لفظ "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق تورات و انجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفردات لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کی متعلقہ دالے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پرستانت

۱۷ فارسی زبان کا لفظ "م" مراد ہے جو ہندی مادہ پر دلالت کرتا ہے، ۱۶ تہذیب و تمدن

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیٹو لک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

”فسرۃ پرڈٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ پادشاہ جمیں اول کے حضور میں پیش ہوئی

کہ جو زبور میں ہماری کتاب ”صلوٰۃ“ میں داخل ہیں وہ اندازاً دو سو مقامات میں

کئی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں“

تھامس اگلس کیٹو لک اپنی کتاب مرآة الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۹۱۵ء میں

طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷ پر یوں کہتا ہے کہ:-

”اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور میں پچ

علماء پرڈٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس

زبور کا مطالعہ کر دو جو علماء پرڈٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا

کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر

کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب؛ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو

کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف ہی بات تو یہ ہو کہ

پرڈٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات

کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی“

ظاہر ہے کہ فآنی کی عبارت میں سے صرف لفظ ”ان میں سے کچھ لوگ“ اڑا دینا بہت

خفیف اور معمولی بات ہو، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے آٹھ چار آیات کا صفایا کر دیا جائے

اسی طرح لفظ مفردات لغت کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دو سو مقامات میں تحریف کر دینے

کے مقابلہ میں نہایت آسان اور محضیت ہے،

چھٹا قول | میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۵۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول
چکے اور یہود نے بیان واقع ہو سکتا ہے، مگر تبلیغ و تخریر کے دائرے میں معصوم ہیں

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب اول کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب

سلاطین اول باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہود اسے پوربعا
کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ پوربعا کی دستریاں گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں
سے سلطان یوسیاہ گرا دیگا، تو یہود اواپس پہنچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ۔

اور بیت ایل میں ایک بڑھائی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر

وہ سب کام جو اس مرد خدا نے اس روز بیت ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو

ہائیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے پاس

نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مرد خدا

جو یہود راہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے

لئے گدے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدے پر زین کس دیا

اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مرد خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک تخت

۱۱۔ یہود راہ یا یہودیر (Judah) بحریت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رحبت
بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً ۱۱۰۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم تھا ۱۲

۱۲۔ یربعام بن نباط (Jeroboa) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن کی بغاوت
کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رجعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر
انگ سلطنت قائم کر لی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رجعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے
بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱، باب ۱۳ اور کتاب

تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے
آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور
روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جا سکتا
ہوں اور میں
تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم
ہوا ہے کہ تو وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے جو کر تو مٹنا،
جس سے توجاے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور
خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں
ٹوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا
سو وہ اس کے ساتھ ٹوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا،
اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے ٹوٹا لایا تھا
نازل ہوا، اور اس نے اس مرد خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند یوں
فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں
مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو لوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی
بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی
اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہنچے گی، اور جب
وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے
جسے وہ ٹوٹا لایا تھا گھرے پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے
ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ اوس سے گزرے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انہوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڑھا سبی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے ٹوٹا لایا تھا، یہ سنا تو کہا، یہ وہی مرد خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی ناسرمانی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدے پر زین کس دو، سو انہوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مرد خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڑھا سبی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں... آیا؟ (سلاطینِ اول - ۱۳ - ۲۹۷)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۱۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہے، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

مکن ہو کہ کوئی صاحب پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بیانی

قصدا ہوتی ہے نہ کہ یہودنسیان کے طور پر اور پادری صاحب کا کہنا یہودنسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جو اب اغذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہو، مگر اس میں یہودنسیان سے زیادہ ایک شدت خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر

آئے تو یہ اس کی عقل بوجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء ہیڈ کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پر وٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب ادل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میسر ہی عبارت اور تقریر کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تاویل ممکن ہو توجیہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر ان کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا۔

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں ص ۶ پر یوں ہے کہ :-

خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گزرنے پر

رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچا دیا۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ ان کے قیام کی مدت بابل میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال،

چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ :-

اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہو گئے

جس طرح دانیال پنچہر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی

آمد کے درمیان مذکورہ مدت ہوگی۔

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی بحیثیت

اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں

ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۶۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ

۱۱۱۱ بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے

بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومالیوم اتوری نے ۶۰۵ ق م میں ایک نسل آباد کی تھی،

جس کا ہٹا بادشاہ مشہور تاز یعنی انسان عمورابی (انسانوں میں سب سے پہلا انسان واضح قانون دانیسوس ۶۰۵

قبل مسیح میں گندا ہے، سلطنت بینوا کے خاتمے کے بعد ۶۰۵ ق م میں بنو کد نصر Nabuchodonosor

نے اُسے پایہ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے

اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی جمذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر

سلوقیوں کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۱۰۰ سال پیشتر ہوا ہے =

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے
تنبور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،

نواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ :-

خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیرسی نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی

سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی =

چنانچہ اس کی تصریح سفر صومئیل ثانی فصل ۷ آیت ۱۳ میں موجود ہے، اور ان دونوں

آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،

دسواں قول | باب فصل ۳، صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب مہلبہ پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے

کہ اے میت لحم! افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے

پھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا،

اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الايام سے ہے (دیکھا، ۵۰-۲) =

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ چسائیتوں کے مشہور محقق ہودن کی تحقیق ہے

۱۰ اور جب تیرے دن پوسے ہو جائیں گے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو

جو تیری مصلحت سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور

میں اس کی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا (صومئیل ثانی، ۷-۱۲ و ۱۳)

۱۱ بیت اللحم Bethlehem فلطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلومیٹر جنوب میں واقع ہے،

کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی

کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم =

چنانچہ باب مقصد (۱) شاہد ۲۳ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل مشی باب ۲ آیت ۶۷ کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو

باتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا؛

یا تو میخا کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے

اعتراف کر لیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے

استرار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ

انہوں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی؟ اور

ہر دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتلائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے

مقت یہ تحریف کی؟ کہ اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے؛ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا؛ ہیں

طرح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہو،

اور ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی ۱۔ رازانہ الشکوہ

اور معدل العوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا

کیا گیا ہے،

گیارہواں قول | مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیانے فصل ۷ آیت ۱۴

میں کہا ہے :-

لے آئے بیت لحم یہوداہ کے علاقے؛ تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار

کلے گا جو میری امت اسرائیل کی مملکت بنی کرے گا۔ رقی ۱۹، کتب مکیہ میں یہوداہ کو چھوٹا کیا اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے

کی نفی کی گئی ہے ۱۲ تقی

۱۲۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی (یسعیاہ ۷)

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۳ فصل ۳ غلطی ۵۰ کے بیان میں آپ کو معلوم ہو گا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”لفظ علماء کے معنی صرف کنواری کے ہیں“ یہ بھی غلط ہے،

بارہواں قول | پادری صاحب نے زبور ۲۲ کی ایک عبارت باب ۳ فصل ۳ ص ۱۳۰ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

”وہ (کتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چمیدتے ہیں“

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے ”میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرت ہیں“ البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے، اب پادری صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق بیع پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہے، پھر ان سے سوال کیا جاتے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں چودھواں | باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ ان اور پندرھواں قول | پشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

لمہ انبار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہی مگر باب ۳ فصل ۳ غلطی ۵۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ یہ لفظ ”علمتہ“ ہے جو عبرانی لفظ ہے اور اس کا ترجمہ کنواری سے کیا گیا ہے، اور مصنف کو اس پر اعتراض ہو، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی جوان عورت کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ باہر موقع پر واضح ہوگی۔

کیا جاسکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب و انبیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایت ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب ۳ فصل ۳ میں غلطی ۳ و ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے،

سولہواں قول | باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۲۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ ۱۔

ان میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد و مسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لاتے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول بنیاد ناقص اور عیب والا ہے ۵

جو اب اعراض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عیب کی ہے تو توریت و انجیل بدرجہ اولیٰ ناقص اور عیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی مسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۳ میں معلوم ہی ہو چکا ہے، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت و انجیل پر عائد ہوتا ہے،

سترہواں قول | پادری صاحب نے باب ۳ فصل ۳، صفحہ ۲۲۲ میں اس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلام الہی کی آیت وَمَا ذَمَّيْتُمْ اِذْ ذَمَّيْتُمْ وَلٰكِنْ اللّٰهُ رَسُوْلُهُ مَعَكُمْ اور اپنے زعم میں اس پر عیب لگانے کے بعد یوں کہتا ہے کہ ۱۔

۱۔ ان کی اصل جارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا ص ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸ (جلد اول) لے کر کتاب ۲۲ ص ۳۶ اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں " (انفال، ۲۶) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوہ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آ رہا ہے، ۱۲ نقلی

اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کریں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

گزارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :-

”منقول ہے کہ تشریح جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تشریح ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کو لے کر آتے ہیں، میرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ میں آپ کے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹی مٹی کی لے کر ان پر پھینک دیجئے، پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنگریوں کی ایک مٹی بھر کر ان کے اوپر دے ماری، اور فرمایا چہرے بدنام ہو جائیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا، پھر انھوں نے شکست کھائی پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا“

بیضاوی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ آپ کے پاس جبرئیل آئے

اور آپ سے کہا کہ ایک مٹی مٹی کی لے لیجئے، واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ ”کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی فکری نہ لگ رہا ہو“ یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت ہوتی۔۔۔۔۔ پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبیعت عادی

ہی بن گئی ہو،

اسٹھارہواں قول | تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کُل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرہویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو کہہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہل مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے۔

یہ بھی غلط ہے، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء سے نقل کرتے ہیں۔

ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلتے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول ہرگز بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا۔

نیز ابو ذرؓ اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابو ذرؓ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز شہد نبویؐ میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳۰ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز بخران کے عیسائیوں میں سے

۱۰ بخران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، مشروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔

ہیں افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضنا و اردیٰ سلسلہ نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسیؓ بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر ان کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے وعظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابتؓ ایسے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوہٴ اُحہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعبؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متحد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرما کر پینے کے راستے ہی میں بریدہ سلمیٰؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص بنی سادہ غنیمت مسلمان ہو گئے۔ نیز حبشہ کے بادشاہ نہاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابو ہندہ، تمیم، نعیم اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی۔

انیسواں قول | باب ۳. فصل ۵. صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ :-

ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے لشکر پر ۱۲۲ میرے شکر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک

ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے ۰

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ :-

امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلاد یا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے۔

یہ بھی غلط ہے، کتب روضۃ الصفا میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ،

”شکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں

بوزھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل داؤد رختوں کو نہ کاٹنا، اور ان راہوں سے

جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا۔

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے

ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں

بیسواں قول | باب ۳، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ :-

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی

طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کر لیں تو بہتر ہے

ورنہ پھر ان کو جبراً بزور و قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے۔

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا

حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوة بیت المقدس کے موقع

پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذات خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے

پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت

باعزت شرطیں پیش کیں، ان کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ ان کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا

ہو جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفتر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمر کو

خراج تحین پیش کیا ہے، چنانچہ باب ۳، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آئے ہیں

اکیسواں قول | باب ۳، فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں :-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا
اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے ۹

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ ۱۲ سال
کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ
کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان دونوں کے علاوہ اور کوئی
شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد
سفروں سے تبدیل کر دیا،

پائیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۲۳ میں ہے کہ ۱۰۔

”اور یہ آیت یعنی یونسؑ پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیح نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور
جو انجیل متی باب ۱۲ میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اُٹھنے کے وقت پایا“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ
اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب دروز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ
معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب فصل ۳ میں غلطی نمبر ۶
کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

تیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ ۱۱۔

۱۱ مشہور ہے، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یونانہ
اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲
۱۲ جیسے یونانہ تین رات دن پھل کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر ہیگا (متی ۱۲-۲۰)
۱۳ دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلاول

یہ بات معنی نہیں ہے کہ مسیح کے معجزات کو ان حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت

مسیح کے ساتھ رہتے تھے اور جنہوں نے ان معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا :

یہ بھی غلط اور خود اپنی ضد اس بیان کے خلاف ہے جو محل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو محل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا۔

چوبیسواں قول | باب ۳ فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

جو شخص مذہب اسلام سے پھر جانا تھا مسلمان اس کو تر آنی حکم کی تعمیل میں

قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت تو تلوار کے زور سے

ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ

کو پہنچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنی

ہاتھوں کو بڑے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان

لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں :

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر تورات پر واقع ہوتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:-

”جو بتوں کے لئے قربانی کرے وہ واجب القتل ہے“

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:-

”موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لاوی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل

کریں، چنانچہ انہوں نے تیس ہزار آدمی قتل کئے“

۱۷ اور جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے خروج ۲۲-۲۰۔

۱۸ کہ انبار الحق کے تینوں نسخوں میں ۱۸۰ (۲۳۱ ہزار) کا لفظ ہے، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے، اور بنی لاوی

نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اس دن دو گوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے (خروج ۲۲-۲۰)۔

نیز کتاب الخروج باب ۲۵ آیت ۲ میں سبت کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:
 جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سینچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو
 موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ
 بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب
 میں موجود ہے۔

نیز کتاب ہستنا، باب میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نبی غیر اللہ کی دعوت
 اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کہتے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو، اسی طرح اگر کوئی اتنی
 غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے، خواہ یہ دعوت دینے
 والا رشتہ دار ہو یا دوست، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی
 بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، ان کے
 ساتھ ان کے جانور بھی قتل کر دیئے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ
 لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک
 آباد نہ ہو سکے۔

about three thousand men

(بقیہ صفحہ ۲۹) انگریزی ترجمہ میں بھی

کے الفاظ میں، یعنی تین ہزار،

نہ سبت سینچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ روز میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا اور
 انسانوں کے لئے یہی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰-۸) ت

۱۵ ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے اہر لہا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا (گنتی ۱۵-۳۶)

۱۵ مفہوم آیت ۱۹ و ۸

۱۵ مفہوم آیت ۱۵

۱۵ مفہوم آیات ۱۴ تا ۱۶

۱۵ مفہوم آیت ۶

اس کے علاوہ سفر استثناء ہی کے باب ۱ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود تورات میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب وارد کھاتی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اول باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیاء نے وادی قیشون میں ایسے چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنہوں نے بحسل کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے،

لہذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نحوذہا اللہ یہ سب

نہ ملاحظہ ہو استثناء باب ۱ کی آیات ۶۵۲،

بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب بخوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انہوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی بعل رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ایسا علیہ السلام کے زور میں یہوداہ کے بادشاہ اٹلی اب نے بعل پرستی کو فرسخ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اس کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس پر حضرت ایسا علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ نہیں بھٹایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ انصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب میں دیکھا جاسکتا ہے،

۱۰ ایلیاء علیہ السلام، آپ کا قرآنی نام ایسا علیہ السلام ہے، تورات میں ایلیاء کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یہ تیسرا تقریباً ۱۰۰۰ ق م، وفات ۱۰۰۰ ق م۔

اسحق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھل ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اس قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پوس قورنیتھوس والوں کے نام پہلے خط میں باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

”خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے۔“

یعنی مقدس پوس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ مکمل ہے اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں۔ یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۲۵۲ پر (جو اب نسخہ ہو چکا) کہا ہے کہ:-

”بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت شریفہ اِفْزَيْتِ السَّاعَةَ

وَالسُّنَّ الْقَمْرِيْنَ لفظ انشق، سینشق کے معنی میں ہے۔“

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے بعض

۱۔ قورنیتھوس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں ر Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا دولت مند شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار باقی رہے ہیں۔

۲۔ عدنا۔ جدید کے موجودہ بحرہ میں پوس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

۳۔ یعنی یہ کہ قتل مرتد ناجائز ہونا چاہئے ۱۳

۴۔ آیت شریفہ کے معنی ہیں ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔“ اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے۔“ ۱۴

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آل حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہلے ہے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جدید نسخہ میں بدل ڈالا۔

حل الاشکال کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمائیے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں اور گیارہویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے، اب سات اقوال جن کو ہم بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول | چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے :-

ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم^۱ وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان ۱۱

یہ خالص مغالطہ ہے، کیوں کہ وجود بغیر شخص کے نہیں پایا جاسکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود نہیں اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا

۱۱ ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا ص ۲۵۱ و ۲۶۰۔

۱۱ اقنوم "عبرانی زبان کا لفظ ہے جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی "اصل" اور "عنصر" کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی صحت "اقانیم" ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوٹ کر گرجا کے طریقہ پر عرصہ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۱۵ء میں طبع ہوئی ہے، اس کے صفحہ ۲۹

وضاحت پر ہے کہ ۔

آیے مقدس اور مبارک : اور عالی شان : تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک

خدا ہم پر نشان گہنکاروں پر رحم کرے

اس تین اشخاص کی تصریح موجود ہے ۔

جو تھا قول | صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے :

”ہے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی یا

عوامانی زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی

جواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے“

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۲، مقدمہ ۳ کے شاہد ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اس کی عبارت

اب اصل میں عبرانی یہودیوں کو کہتے ہیں اور یہ عبارت کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲
متی، عوامانی یا آرامی، زبان کا ذکر کتاب دانی این (۲-۱۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں Oxford
Bible Concordance میں لکھا ہے کہ یہ سوریہ کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے۔
متی، الف مقصورہ کے ساتھ : Mathew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عوامانیوں میں سے
ایک ہے، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر و صول کرنے پر آمین
نئے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اور بعد میں سے ایک انجیل آپ ہی کی
طرف منسوب ہے، اور اسے جیساقی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ یہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲
۱۲ ملاحظہ ہو کتاب ہرا۔ ص ۱۳ (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابل غور ہیں، اول لفظ "بعض علماء کا خیال ہے" دوسرے "شاید" کا لفظ، تیسرے "غالب" کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول | صفحہ ۱۳۵ پر کہا گیا ہے :-

یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل یعنی مرقس اور لوقا حواریوں کی نہیں ہیں۔

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں :-

تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعے کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اول میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی۔

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعے کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز

کتب اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انہوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انہوں نے گذشتہ قول میں یہ استرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متی کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبراتی یا عوامانی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعینہ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب ۲ فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہود اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور ۳۶۳ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹۷ء تک مشکوک النسبتہ تھے، یہاں تک کہ نانس کے چلے اور بوڈیشیا کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

۱۵ یوحنا (چارہ مفتوح ہی) (John) جیب بن زبدي، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اناجیل اربعہ میں سچو تھی انجیل آپ ہی سے منسوب، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں یمن خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، آپ نے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ المتمد کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

۱۵ نانس، روما کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۸۷ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم ارشاد اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

۱۵ بوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۹۷ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب التسلیم قرار دی گئی تھیں ۱۲

۱۵ سریانی دراصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں الطائیفہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ منسو مباحث میں، اختلاف کر کے الگ ہو گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسٹ (Mono physites)

۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں

۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں ۱۲۱۱ء طبری نے انگریزی میں

رسالہ اور یہودا کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گروہوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثہ محرفہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ افسر کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہودا کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت، موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف ہتفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ۔

”ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے“

چھٹا قول | صفحہ ۱۳۶ میں کہا گیا ہے کہ۔

”سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اول تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب قریب یقین، بزرگہ:

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

لہ پادری فنڈیک کے ساتھ مصنف کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈر نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بت کہہ کرین کر دی تھی، مصنف اسے اپنی کتاب ”مباحثہ محرفہ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عقرب باب ۱ ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر ان کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۹۲۸ء مصنفہ ولیم میوز کے باب ۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تخریفات کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفل مناظرہ میں شریک تھے، اور انہوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبر آباد میں طبع بھی کرایا تھا، انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مختصر لکھا کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً قاضی القضاة محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربراہ اور وہ اور حکومت انگریزی کے ارکان تھے،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے،

کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بیانگ وصل یوں کہہ رہا ہے:-

۱ "Origen" متقدمین علماء عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے (پیدائش ۱۸۵ء و وفات ۲۵۴ء) عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیسار تصانیف ہیں جن میں سے اکثر مذہب سے متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

یسیاتوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی
کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے۔“

اس طرح مشرقِ مانی کینز کان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں باؤاز بلند
اعلان کرتا ہے :-

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک
ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی
جانب اس اندیشہ سے غصوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے
کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہِ راست نہیں رکھتا، اور اس نے محققین عیسائی کو
بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے
جاتے ہیں۔“

جیسا کہ آپ کو باب کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا،
ساتواں قول | صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے :-

”کسی پیغمبر پھرے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ
یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ کے
سنستادہ تھے۔“

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اول تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے
کیونکہ استفار کے مصنف نے گو سالہ پرستی اور بت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض
کیا تھا، مگر ہادری صاحب نے بت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ
میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سلیمان علیہ السلام کے متعلق تو ریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر ریت پرستی اختیار کر لی تھی، اور ریت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاول کے باب ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارون بنی نہ تھے قطعاً باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجاتے گی،

آٹھواں قول | پادری صاحب موصوف صفحہ ۵۲ پہ انگلستان کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اس وقت اس کا پتہ چل جاتا :-

اس پر بھی دو اشکال ہیں۔ اول تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد ۱، میں انگلستان کا قول یوں بیان کیا گیا ہے:-

واقعی یہودیوں نے قریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گزر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک جوتے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور یہی

۱۵ آیت ۲ تا آیت ۱۳،

۱۵ آیت ۲ تا آیت ۱۳، (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور ہشپ اور فلاسوف افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۴۰۹ء میں ہتھوکا ہشپ مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیو یارک سے بیسک رائٹنگس ٹون سینٹ آگسٹین کے نام سے

تایع ہو گیا ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے :-

مذہب کے عناد و دشمنی نے ان سے یہ حرکت کرائی۔ قدما مسیحین کا نظریہ جس سے تم کا منہ، وہ

کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں ۳۱۷ء میں تحریف کی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدما مسیحین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے

تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف ۳۱۷ء میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب

کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر

ہی، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت

ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر

ہو، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے، اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا

کہ انہوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بیابانگ دہل کیہتو

آتے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے۔ محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا جدید

وجدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب میں آپ کو

معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، استنباط کے مصنف نے تعجب

اور تعریض کرتے ہوئے کہا ہے۔

معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مندرجہ کیا ہے،

شاید ان کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف

کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جعل سازی کے جرم میں دواکی

جیل کی سزا پاتے۔

ضروری نوٹ :- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے وہ احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حدود سے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں:-
 ”کس نے تخریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تخریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟“
 الحمد للہ: اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ شکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا
 کہ یہودیوں نے تواریت میں تخریف کی، اور تخریف کا زمانہ سنہ ۱۳۷۰ء ہے، اور تخریف کا سبب
 دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تخریف کردہ الفاظ
 میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا
 دعویٰ کرنا کہ مسیح نے تواریت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر
 نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج مسیح کے عرصہ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں
 بلکہ جمہور قدما مسیحین ہیں،

نواں قول | صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں:-

”انجیل پراسطہ حواریین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور

قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے“

پھر کہتا ہے:-

حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں“

یہ بھی اُن وجوہ کی بنا پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۳ و ۵ کے بیان میں ذکر کی

ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہو گا اس کو

اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات

ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہے،

بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کتابوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت ہو نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھتے ہیں،

اسی طرح لفظ قضاة، راعوت و استیر اور ایوب بھی کتاب القضاة، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں اپنی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجب تعجب ہی، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے متگدل ہو جانے کی بنا پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیسا کہ استبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ۔

”ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیسا کہ

پادری مندر ہے“

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفا کریں۔

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کر چکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین کے لئے موجب بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضے اُن کے حق میں یا اُن کے اہل مذہب کے حق میں مغل گوتیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصبِ شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور بر محل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے سہی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں۔

پادری صاحب کشف الاستار جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے، کے مصنف

فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ۱ پر کہتے ہیں۔

”اس مصنف کے حق میں پوس کا قول صادق آتا ہے۔“

پھر پوس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے۔

”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے،“

اس عبارت میں انہوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں۔

”مصنف نے تعصب کی بنا پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی۔“

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں۔

”اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے۔“

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں۔

”پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل و عوول اور نامناسب مطابعت سے لبرینہ ہے۔“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں:-

”کتاب مذکور خلافت اور باطل سے بھری ہوئی ہے“

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ:-

مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا“

پھر صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گراہی کے جال

سے نکالے :-

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ:-

یہ فقط اس کی جہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کافری اور تعصب کی بھی دلیل ہے:-

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ،

”ظاہر ایہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے،

اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے“

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ:-

”دوسری باطل باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے:-

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ:-

یہ قول باطل اور بیکار ہے :-

صفحہ ۵۰ پر:-

”یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے :-

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ:-

مصنف کا دل بگیرا اور عجب سے اسی طرح بگرا ہوا ہے ۔

پھر اس صفحہ پر ہے کہ ۔

”یہ لعینہ جہالت اور انتہائی تکبر ہے ۔“

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ ۔

”یہ اس کی قطنی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے ۔“

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ ۔

”اس کا بیان اعتبار کے درجے سے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے ۔“

پھر اس صفحہ پر ہے کہ ۔

”یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے۔“

صفحہ ۶۰ پر ہے کہ ۔

”وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن و سترار و محض نامعقول اور جملہ حوالہ ہے ۔“

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم

کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں ان کا نمونہ بھی

ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱۰ پر فرماتے ہیں کہ ۔

”یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے ۔“

صفحہ ۱۱۸ پر ہے کہ ۔

”پہراب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں ۔“

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :

”انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں ۔“

اپنے آخری خط میں فاضل ممدوح کے حق میں انھوں نے ”قرارہ“ کا لفظ بھی استعمال

کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ ان کے نزدیک بہت بیخ ہے کہ اگر کسی دوسرے سے ان کے حق

میں نکل جاتے، تو شکریہ ادا فرماتے ہیں، اور اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ میں نے یہ الفاظ فاضل مدوح کے حق میں اس لئے کہے ہیں کہ ان کے قلم سے امرائیل پیغیروں کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تو یہ محض فریب دہی اور مغالطہ ہے، کیونکہ فاضل مدوح نے اپنی کتاب کے بہت سے مقالات پر تصریح کی ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ الزامی دلائل میں پادریوں کی تقریروں اور ان کے الزامی اعتراضات کے مقابلہ میں استعمال کئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ محتاجی اور پر یہ بات لازم آئے گی، حالانکہ میں انبیاء علیہم السلام کے حق میں بدگمانی سے پاک ہوں، جو صاحب چاہیں وہ کتاب کے صفحہ ۸، صفحہ ۷، اور صفحہ ۵۰۸ و ۵۱۳ و ۶۰۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء ملاحظہ فرمائیں، انہیں ہمارے بیان کی تائید ملے گی،

کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۸۹ پر تمام مسلمانوں کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ:-

”مسلمان بڑے دوسوسوں اور بیشمار باطل باتوں کے معتقد ہیں“

میرے دہلی واپس ہونے کے بعد پادری صاحب اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب کے درمیان ایک تحریری مناظرہ ہوا، جو ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع ہو چکا ہے، اس میں پادری صاحب نے دوسرے خط مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۵۳ء میں یوں لکھا ہے کہ:-

”شاید جناب بھی ان کے ہی زمرہ میں داخل ہیں، (یعنی دہریوں اور لاد مذہبوں کے، جس طرح مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں لاد مذہب ہیں“

ڈاکٹر وزیر خان نے اس کے جواب میں چند باتیں لکھی ہیں جن میں یہ دو باتیں بھی ذکر کی ہیں کہ ”عمم نے عام مجمع میں استرار کیا ہے کہ توریت کے احکام مٹوٹ ہو چکے ہیں، اور تم نے اس مجمع میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ سات یا آٹھ جگہ پر تحریت ہوئی ہے، اور مسترد“

نہوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کا تب کی وجہ سے حاشیہ کے فقروں اور جملوں کا متن میں داخل ہو جانا، اور بہت سے جملوں کا نکل جانا، اور بدایہ جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہب عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محرف ہیں، اور ان کا تھامے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر پتلا ہر میں اس مذہب کو تھامے ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لو تہرین کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سرخم کر دیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ مجھ کو تھامے ایک قلبی دجگری دوست (یعنی پادری سنرچ) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے ان کی خوشنودی مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر مدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)۔“

اب ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دوس باتیں تبدیلی مذہب کی جو دو وجوہات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلی مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

جاری کرتے ہیں۔

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اور وہ ناپاک الفاظ جو اس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انہیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقل کفر کفر بنا کر ہے۔

جب ۱۸۴۲ء میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیم الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں کے پیغمبر کا نقل استعمال کر سکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیریں جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجح ہوں وہ صحیح کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہو ورنہ ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی“

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۴۲ء میں یہ لکھا ہے:-
 خوب سمجھ لو، ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو صحیح کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضی ہوگا یہ بھی کہوں گا کہ ”محمد رسول نہیں ہیں“ یا بھوٹے ہیں۔ لیکن

ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ

چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے۔

پھر اس خط میں جو ۳ جولائی ۱۸۵۲ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے:-

”یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں

کے ساتھ لائیں۔“

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۲ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے

اس کے جواب مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۵۲ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا،

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی

اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ ان کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء

کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ ان کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے

حق میں پوس کا قول صادق آتا ہے، کہ ”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا

ہے۔ اور اس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے، اور اس کی

غرض دماغی عجز، جگر اور بھٹ و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور

ظاہری ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند

کر دیا ہے، اور قطع نظر کرنے ہوئے وہ سہری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس

کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بہت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں

سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لازمہ ہوں گے گروہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے۔“

اسی طرح اگر اس کا کتاب میزان الحج کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مغالطوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور مرکز و دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ:-
وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل دعویوں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے۔“

اسی طرح اس کی اس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوتی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلت علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بد فہمی اور تعصب کی دلیل ہے اور یہ سب باطل و ہیکار ہے، اور یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی نادانیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے۔“

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ ان کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور ہیں، اور مسلمان عالم لائق ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

لہ یہ سب پادری صاحب کے الفاظ ہیں جو انہوں نے مسلمان علماء کی شان میں استعمال کئے ہیں، مصنف انہیں افواہ نقل کر رہے ہیں۔“

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضات کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہل مذہب کو ایذا دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعویٰ

تیسری عادت

کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرین قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہار کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء بزبان فارسی باب فصل اول صفحہ ۲۳ و ۲۳۸،

اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴ صفحہ ۵۱ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

تفسیر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے تل پوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرات کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گذشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے ❁

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان ہی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط ان میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرمادیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم ان کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انہوں نے فاضل ہادی علی کے حق میں کہی ہے کہ "تکبر اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل و انصاف کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں" یا یہ کہہ دیں کہ یہ عین جہالت اور تکبر ہے، تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اہل حق ہو گا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں ان کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ وہ اپنے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماء اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ۔

جو شخص کبڑی کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر

کے مطابق اور قوانین تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔

تاثرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سن لیا ہے، اب ہم ان کے علم و فضل کے عین نمونے (مثلیٹ کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟

پہلا شاہد | پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

ان کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوتے ان آیات قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اول کی فصل اول میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی قوبات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاة محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا قصور ہے، یہ نقش تو ان کی زبان والی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے انظہار کے لئے

دوسرا شاہد اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے۔

تمت هذه الرسالة في سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث

بعد الالف مسيحي بالمطابق ما عشان واربعين ثمانية بعد الالف هجري

اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ :-

تمت هذه الاوراق في سنة ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف

مسيحي وفي سنة ما عشان اثنان وخمسين بعد الالف من هجرة المجدية

لہ افسوس، چونکہ ان عبارتوں سے ظلع اندوز ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذور ہیں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

یہ اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف استعارہ، کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں بح الف ولام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، ادھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا پتہ پڑا ہے کہ موصوف و صفت دونوں کو معرف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف الف لام کو ساقط کر دیا، یہ ان کی تحریر ہی فضیلت و کمال کا عکس ہے۔

تیسرا شاہد | قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۲۷ء صفحہ ۴ پر انہوں نے پہلے سورہ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ :-

وَمَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ اللَّيْقَ احْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَاهُ مِنْ رَوْحًا
پھر سورہ نسا کی آیت :-

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَكَلَّمْنَاهُ الْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ
درود منہ :-

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی روح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی روح خالص کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض جہاں کہتے ہیں کہ اس روح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہو، حالانکہ اس قول کا نشاء محض بغض و عداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دوہری آیت میں ہے اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرفی قاعدہ کے بموجب

یہ تیسرا شاہد من بہار ما ۱۲ تقی

فرشتہ کی طرف راجح نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجح ہیں ؟

لب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اول تو ہم یہ معلوم کر کے ان کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجح نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم از کم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہو؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے؟ محض اس کا نام سن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلا۔ یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ بالا میں "روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے، تیسرے سورہ نسا کی آیت یوں ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ الْإِلَاقَةَ
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْتَهُ آفَاقًا إِلَى مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِنْهُ، فَأَمْسُوا بِدِينِهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنَّمَا أَخْبَرَا
لَكُمْ، إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

ترجمہ۔ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

لہ کلمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے، ان کی پیدائش میں کوئی فرق نہ تھا۔

اتقا کیا ہے، اور اس کی روح میں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور
 مت کہو کہ اللہ تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ
 تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان زمین
 میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کا رساڑ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اس آیت میں درود ۳ منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اهل الكتاب لا
 تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں
 غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو، یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ
 میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں:

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ”اور مت کہو کہ اللہ تین ہیں، باز آجاؤ اور اس
 بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے“ یہ الفاظ ان کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا
 کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت
 کی ہے، مثلاً:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
 ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ (مائدہ، رکوع ۱۳)

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے
 کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے“

اور

مَا الْمَسِيحُ بَنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
 مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (مائدہ، رکوع ۱۷)

”مسیح بن مریم نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول“

بقیہ صفحہ ۲۹۴، ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ
 اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو، عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیے
 کرتے ہیں، مگر مصنف انہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب ازالتہ الشکوک، صفحہ ۳۳ تا ۳۴
 جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل کی ہے، فرمائی ہے جس میں کلمہ اللہ نے معنی قرآن لغت عربیہ کتب مقدسہ کی زور سے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، آگدشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عدیم النظیر ادیکتائے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق و جدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر مبنی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے غور و تامل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوت فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے استاحسن ظن ہے کہ ان کے خیال میں ان کا ردی ترجمہ اور روکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور ان کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رانی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورہ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِ رَبِّهِ

یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور

اپنی روح اس میں پھونک دی

رُوحِ رَبِّهِ

اور سورۃ حجر اور سورۃ ص میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

اور جب میں نے دست کر لوں اور اس

میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس

کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا۔

قَادًا اسْوَيْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ

مِنْ رُّوْحِيْ فَفَعُوْا لِهٖ سَاجِدِيْنَ

اس میں حق تعالیٰ شانہ نے آدم کے نفس ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۃ

مریم میں جبرئیل کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :-

پس ہم نے اس ربیعہ مریم کی طرف بھیجا

اپنی رُوح کو سو وہ اس کے سچے اور آدمی کے ظاہر ہوا۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ

لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبرئیل میں، کتاب حزقیال کے باب ۳، آیت

۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیال کے معجزہ سے

زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :- اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا

اس میں بھی خدا نے انسان کے نفس ناطقہ پر لفظ "اپنی رُوح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے

پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیال کے فیصلہ کے مطابق

ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنا پر جبرئیل و آدم بھی معبود ہوں،

لہذا سچی بات یہ ہے کہ درروح منہ میں "روح" سے مراد نفس ناطقہ ہی ہے، اور

مضاف محذوف ہے، یعنی ذوروح منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

۱۲ "نفس ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۳

۱۴ یعنی اللہ کی جانب سے رُوح والا ۱۵

اشا تشریفی ہے، اور بیضاد کی میں کہا گیا ہے کہ (روح) اسی ذرروح (منہ) (صدر منہ) لا
بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادۃ یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی مادہ
اور اصل کے صادر ہوئی۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی ہنایت بچکانہ عبارت تھی، اور بعض فضلاء کے
اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جدید
نسخہ مطبوعہ ۱۹۵۵ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال
کی، جس کو نقل کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب
چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو دفعے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب
ہیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرمادیتا
ہے، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر مقرر دیا، اور فرمایا "طہر بیتی" (یعنی میرے گھر کو پاک کرو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ بعض
گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، اور نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہو، اس اضافت
کو اضافت تشریفی کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو روح اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے،
وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ کعبہ کو بیت اللہ کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کی
پیدائش خلاف عادت عیب طریقہ سے ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرمادیتا ہے، جیسے حضرت
صالح علیہ السلام کی ادنیٰ کو سورہ شمس میں ناقہ اللہ (اللہ کی ادنیٰ) فرمایا، یعنی وہ ادنیٰ جو اللہ نے خلاف
عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح روح اللہ کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عیب طریقہ سے بغیر مادہ
اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنف نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۳۱ تا ۳۲ میں بڑی
مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہے، جس میں روح کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ ثابت کئے ہیں ۱۲ نقل
۲۔ اس عبارت کا حائل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ
ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہذا قرآن
نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سائے پنیروں پر فوقیت دی ہے، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار
کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہے، چنانچہ مصنف نے اس کے ایک ایک جزو کی دھجیاں
(باقی صفحہ آئندہ)

ایک واقعہ | طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، **وَجَبَّتْهَا لِقَاہَا**

لِی مَرْیَمَ وَرُوحِ مِثْنُہٗ،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراض پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو و اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقعہ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً **وَسَخَّرْنَا لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِثْنُہٗ**، اب اگر **رُوحِ مِثْنُہٗ** کے معنی اس کے جزو کے لئے جائیں تو **جَمِیْعًا مِثْنُہٗ** کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لاء آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور امان لے آیا۔

دوسرا واقعہ | عیسائی سرقت کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنا دیا کہ قرآن سے سات خداؤں کے وجود پر

دہلی سفر تھا، بکیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی الٰہیت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالہ الشکوک کے صفحہ ۴۲ تا ۵۰ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطح میں قیمتی مواد ہے ۱۲
۱۳ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ میں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں ۱۴
۱۵ یعنی آدرا اللہ نے تمہارے لئے وہ سب سخر کر دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ سب اس کی طرف سے ہوتے

استدلال کرو، ان سات خداؤں کا وجود سورۃ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے۔
 حَمْدًا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ
 التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمھارے لئے ضروری
 ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۃ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء
 ذاتی وصفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگئی،
 ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے،
 اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے
 ہیں کیا ان کے پیش نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مواد جس کو
 کوئی بنسیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلب علم اور باریک بینی نہ ہونے پر
 دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شدت بد ہوتی تو وہ ایسی
 بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے، یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بتا جائے کہ اگر انہیں اپنے مخالف کلام میں اپنے چھ اقوال
 ایسے مل جائیں انکے خیال میں بھروسہ اور کمزوری مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی دلیل اقوال
 اس قدر چھوڑنا بھی زیادہ پائیں تو اس پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں
 پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور
 مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا
 بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے
 کہ وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

جس کے واپس لوٹانے سے توقع عاجز ہو۔

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت کو نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا احاطہ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفاء کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پر دسترسٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہیے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جو اب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کریں گے، اور کمزور اور بڑے پہلے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہو گا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رد کا کل جہم اس حد تک نہیں پہنچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہہ دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں | میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہنچ سکتی ہیں، یا پھر فرقہ پر دستانت کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ دوسری حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں ۛ



پہلا باب

بائبل کیسے؟

- — بائبل کی کتابیں اور ان کا درجہ استناد
- — ان کے باہمی ختلافات
- — ان کی فحش غلطیاں

ک
سب کو نبھیں

مگر خدایاں ہیں جو تم نے اوتھیا کے باپے داروں نے
رکھ لیے ہیں۔

ا
اللہ نے

ان میں کوئی دلیل
نازل نہیں کی ہے

(النجم)

باب اول

عہدِ قدیم و جدید کی کتابیں

پہلی فصل

کتابوں کے نام اور ان کی تعداد

عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ان پیغمبروں کے واسطے سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزر چکے ہیں،

دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں، پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہدِ عتیق اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہدِ جدید کہتے ہیں، اور دونوں عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبل رکھتے ہیں، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں،

اور عہدِ جدید کو "نیا عہد نامہ"

Old Testament

لے، آج کل اسے پُرانا عہد نامہ

کہتے ہیں، اتنی لے Bible

New Testament

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدامت مسیحین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

اس مجموعہ میں ۸ کتابیں ہیں (۱) سفر تکوین، اس کا دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج، (۳) سفر احبار، (۴) سفر عدد، (۵) سفر استثنا،

عہد قدیم کی پہلی قسم

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی ہزارا یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

۱۔ یہ لفظ سین کے کسرہ اور قاف کے سکون کے ساتھ پڑتا ہے جس کے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں، ۲۔ اور ترجمہ میں اس کا نام پیدائش ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اکلح، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ کی تاریخ ہے، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲

۳۔ اور دو میں اس کا نام خروج ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ان کی دعوت اسلام، فرعون کے فرق اور کو سینا پر اللہ سے حکامی کے واقعات اور تورات کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں غمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے خروج اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے سفر کھلنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲

۴۔ اور دو میں بھی اس کا نام احبار ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں وہ احکام مذکور ہیں جو بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں غمہ زن ہونے کے دوران انہیں دیئے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں ۱۲

۵۔ اور دو میں گنتی کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری سے لیکر ان کے کنعان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے اردن کے کنارے دیئے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۱۲

۶۔ اور دو میں بھی استثنا اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے اور اس میں وہ احکام اور واقعات مذکور ہیں جو گنتی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک پیش آئے، اس کے کل ۳۴ باب ہیں ۱۲

(۶) کتاب یوشع بن نون (۷) کتاب القضاة (۸) کتاب راعوت (۹) سفر
سموئیل اول (۱۰) سفر سموئیل ثانی (۱۱) سفر ملوک الاول

۱۱۔ اس کا نام اردو ترجمہ میں یوشع اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر عاتقہ سے چھا دیا، جس میں شتیب ہوئے، اس کتاب میں ان کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۱۲۔ اسے اردو میں بھی قضاة اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالت زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، ان کی بت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ ان پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کر دیتا جو ان کو ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو ان کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ ان پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ قاضی کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام قضاة ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۳

۱۳۔ اس کا نام اردو میں روت اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی عاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بو عوز سے شادی کی، جن سے عوبید ان کی بیٹی اور ان سے حضرت داؤد پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۴
۱۴۔ اس کا نام اردو میں سموئیل Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، اپنی کے عہد میں طاوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اول میں آپ کی نبوت، طاوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤد کا جاہلوت کو قتل کرنا اور طاوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں کل ۳۱ باب ہیں ۱۵

۱۵۔ اس کتاب میں طاوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طاوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۶

۱۶۔ اسے اردو میں سلاطین اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، ان کے دور حکومت، ان کی وفات اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کل ۲۲ باب ہیں ۱۷

(۱۲) سفر الملوك الثاني (۱۳) السفر الاوّل من اخبار الایام (۱۴) السفر الثاني من اخبار الایام،
(۱۵) السفر الاوّل لعزرا، (۱۶) السفر الثاني لعزرا، اس کا دوسرا نام سفر تخمیا ہے،

۱۵ اس میں انجی اب کی وفات سے صد قیامہ کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت
ایکس علیہ السلام اور حضرت ایسح علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے نکل ۲۵ باب ہیں ۱۲ ات
۱۵ اس کو اردو میں تواریخ اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، اس میں
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرہ نسب، حضرت داؤد
تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات مذکور ہیں، اور
اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ نعی

۱۶ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے
احوال صد قیامہ تک مرقوم ہیں، اور بنوکد نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے
اس کے نکل ۳۶ باب ہیں ۱۲ نعی

۱۷ اس کا نام اردو میں عزرا اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد
حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فاس رجبے تورات میں خورش
کہا گیا ہے، کانوکد نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن
یہودیوں کو اپنے وطن اپنا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت ذکر یا اور حضرت
حجی علیہا السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں نکل ۱۰ باب ہیں ۱۳ ات

۱۸ نحمیا Nehemiah شروع میں یہ آرتخشستا Artaxerxes

شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنوکد نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُچڑنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ
سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر
کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر
میں حصہ لیا ان کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے نکل
۱۳ باب ہیں، محمد نعی

(۱۷) کتاب ایوب (۱۸) زبور (۱۹) امثال سلیمان (۲۰) کتاب الجامعہ (۲۱) کتاب
نشید الانشاد،

۱۷ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط
کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحریت سے مشرق میں ایک شہر عوص کے نام سے تھا، آپ وہاں
پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی،
توراة میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے،
اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوب کے تین دوستوں تیمانی، ایفزا، سوخی بلود اور تعالیٰ صوفی کے ساتھ
مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوب پر یہ بلا تین ان کی کسی
خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں
۲۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند بھی جاتی ہے ۱۲ نئی

۱۸ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms
ہے، یہ اسی کتاب کی محرف شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی"
یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نعمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

۱۹ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Proverbs کہتے ہیں، یہ امثال
اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب
فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اول (۳-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں"
۲۰ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے،
کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا داعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی
نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۲

۲۱ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon
ہے، اور یہ بقول نصرانی ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب
سلاطین اول میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۳-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲

(۲۳) کتاب اشعیاہ (۲۳) کتاب ارمیاہ (۲۴) مراشی ارمیاہ.....

۱۱ اس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاہ بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سیرب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاہ علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے، کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت اشعیاہ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، یہ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عنیاہ، ہونام، آخزا اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے نکل ۶۶ باب میں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

۱۲ اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jermiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت اشعیاہ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کو روکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہو گیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپ نے اس بات کو ظاہر فرما دیا، اور توراہ کے مطابق انہیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپکو اذیتیں دیں تو بالآخر بنو کد نصر (جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے) نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست نابود ہو گیا، تو آپ معرتشریعت لیگئے، قرآن کریم نے آذکالذی مر علی قریۃ الخ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بد اعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے نکل ۵۶ باب میں ۱۲

Lamentations

۱۳ اسے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں

کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہو گیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا، تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحہ کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں نکل ۵ باب میں ۱۲ نقلی

(۲۵) کتاب حزقیال (۲۶) کتاب دانیال (۲۷) کتاب ہوشع (۲۸) کتاب یوایل (۲۹) کتاب اموس

۱۵ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel ہے۔ یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پہچے گذر چکا ہے) اور اس میں ان کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۳

۱۶ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے۔ یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں قرابت کی یہ روایت ہے کہ بنو کدر نصر جن حکماء کو یہوداہ سے جلا وطن کر کے بابل لے گیا تھا ان میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتلنے پر انھیں صوبہ بابل کا حاکم بنا دیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو ان کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیال کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۳

۱۷ اس کا نام اردو میں "ہوسح" اور انگریزی میں Hosca ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ ہوسح بن بری نبی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخزہ، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اس زمانہ میں یہ کلام ان پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں پر تنبیہ و توبیح، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۳

۱۸ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات نبی ہیں، اور اس میں بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بد اعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۳

۱۹ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات نبی تھے، شروع میں تقوٰع شہر Teko'a میں چر رہے تھے، پھر تقریباً ۷۸۰ ق م میں نبی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب ان پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بد کاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزائیں ان پر شام اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵، ۲۹) میں ہے ۱۳

(۳۰) کتاب عبدیہ (۳۱) کتاب یونان (۳۲) کتاب میجا (۳۳) کتاب ناحوم (۳۴) کتاب
حقوق (۳۵) صفونیا

۱۱۔ عبدیہ Obadiah یہ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول
نصاری حضرت عبدیہ علیہ السلام کا ایک خواب ہے، اس خواب میں شہر ادم Adom کے متعلق
کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲۔

۱۲۔ اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام
کی جانب منسوب ہے، جو مشہور سفیر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے نینوا کی جانب مبعوث ہونے کا
واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصہ قدسے مختلف ہے ۱۳۔

۱۳۔ اسے اردو میں میکاہ اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخاؤشتی
علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے،
اور بنی اسرائیل کو ان کی بد اعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کر کے
نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین ۳۲ میں اور یرمیاہ ۲۶ میں مذکور ہے، اس کتاب میں
۱۴۔ باب میں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۳۔

۱۴۔ ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سواخ کا ہیں
سواخ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں
نینوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۴۔

۱۵۔ حقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانہ بعثت مشکوک
ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو کد نصر کے حملہ پر دہشلم سے قبل تھے، کتاب حقوق میں ان کا ایک
خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیگیوں پر توبیح اور حملہ بنو کد نصر کی پیشگوئی ہے
اس کے ۳ باب ہیں ۱۴۔

۱۶۔ اردو میں صفیناہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور
یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ
جو بنی ہابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنو کد نصر سے ڈرایا ۱۴۔

(۳۶) کتاب حجی (۳۷) کتاب زکریا (۳۸) کتاب ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گزرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدامت مسیحین کے نزدیک محتمل اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۷ حجی، الف مقصورہ کے ساتھ Haagai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو نخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ و تخت میں ۵۲۲ ق م، میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزرا (۴) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں نکاوٹ ڈالنے والوں کو توبیخ ہے ۱۲ ات

۱۸ زکریا Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی رت و بٹ، پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح رہے کہ یہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے) ۱۹ اس کا نام اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی (ہاٹ) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ات

۲۰ سامری یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامره Samarai کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں کی بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلمہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے، دوسرے عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریریم پر عبادت کرتے ہیں جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منشی نے جس کا ذکر عزرا (۱۲) میں ہے، ایک بیل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاة، ان کی تورات کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل ۹ کتابیں ہیں۔

عہد عتیق کی دوسری قسم

(۱) کتاب آستر (۲) کتاب باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب طوبیا (۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب دانش

۱۵ اسے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر

کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخویرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہو کر اس سے شادی کر لی، اس کے ذریعہ انہوں نے آستر کے باپ مرو کے سے ناراض ہو کر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو روکا یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ اس کا نام اردو میں "باروک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف

منسوب ہے، جو حضرت ارمیا علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے کاتب وحی تھے، ہرگز کہ در میں ان کے حق ہے، جیسا کہ کتاب (رمیہ ۳۲، ۱۶ تا ۳۶ اور ۴، ۳۲ تا ۳۳ اور ۱۶ تا ۱۹ اور ۴۵، ۳۱) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقہ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں کیونکہ بائبل میں "باروک"

۱۷ طوبیا Tobit نعتانی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں آشور چلا گیا تھا،

اس کا لقب "ابار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور مزین سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

۱۸ "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی

بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے

بھی کہتے ہیں

Wisdom of Solomon

۱۹ اسے دانش سلیمان

یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تھی

(۷) کلیسائی پند و نصائح (۸) کتاب المقابین الاول و (۹) کتاب المقابین الثانی

عہد جدید کی کتابیں یہ کل پیش ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہو | یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی (۲) انجیل
مرقس (۳) انجیل لوقا

۱۔ کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یاد اعطا، یہ مستند قوم کے
ایک شخص مسیح ابن سرودش کے پوتے کی طرف منسوب ہے، اور اس میں ابن سرودش کی کچھ حکمتیں درج ہیں،
اور ادنیٰ اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

۲۔ مکابہوں کی پہلی کتاب ہے، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگذشت ہے ۱۲
۳۔ مکابہوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان
کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایڈیشن تین بچوں کا گیت، بعل اور اژدہا اور منسی کی دعا پانچ کتابیں بھی
فصلت میں ہیں اور اپنی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو اپاکرنا Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ
پروٹسٹنٹ انھیں اہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲

۴۔ یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۰۲ کا حاشیہ ۲) اور اس میں حضرت
عیسیٰ کے نسب نامہ سے لیکر حواریوں کے واقعات درج ہیں، منشا بہت سے احکام بھی آئے ہیں اس کے کل
باب ۲۸ ہیں ۱۲

۵۔ یہ مرقس ریم اور وقت پر پیش ہوئی یہ حضرت عیسیٰ کے حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۰۲)
کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرت کہتے ہیں کہ اسکندر یہ کلیسا انہوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں مشہور میں
قتل کیا گیا مان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی تشریح آوری پر ہوگی
اور حضرت عیسیٰ کے حواری آسانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ باب ہیں ۲۰ گریزی میں سے Mark کہا جاتا ہے
۱۵ لوقا Luke اپنے زمانہ میں طیبے کے پاپس کے سفروں میں اس کے ساتھ ہے جیسا کہ رکتیوں

کے نام ۱۳: ۱۱ اور راعل ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً مشہور میں استعمال ہوا، ان کی انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں حواری آسان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲

(۳) انجیل یوحنا، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انگیلون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب اعمال حواریین (۶) پولس کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس کا خط

لے یوحنا دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو بائبل میں یوحنا (John) کہا ہے) کی تشریح آدرسی کے بعد حالت سے حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲۔

۵۔ اردو میں اس کا نام رسولوں کے اعمال Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیوفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰ کے بعد حواریین کی کارگزاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روم پہنچنے تک (تقریباً ۲۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲۔

۶۔ The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶) گذر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخزج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۲) اس خط میں اولاً تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۲۔

۷۔ Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اول تو انہیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے، پھر باب میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، باب سے بت پرستی کی برائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب سے انہیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے ۱۱ قی

کورنیتھس کی جانب (۸) دوسرا خط انہی کی طرف (۹) پولس کا خط اگلاطیہ والوں کی طرف
(۱۰) پولس کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلیپس والوں کی طرف (۱۲)
پولس کا خط قولاسانس والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی والوں کی جانب،

۱۷ شروع کے ۶ باب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں،
پھر باب سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ آیتیں

۱۷ Galatians گالتیوں کے نام یہ علقیہ (Galatia)
کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام
انقرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً شیعہ میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں
کے لوگ کسی اور مذہب متاثر ہوئے ہیں، اس خط میں اس نے انہیں ارتداد سے روکنے اور اپنے
مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ آیت

۱۷ Ephesus - ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا
Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے مین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے
اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا، دیکھے اعمال ۱۹، ۱۰ ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر
مشتمل ہے، انہیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۳

۱۷ Philippi گلیہ فلیپی کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا
ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے۔ جہاں پولس نے اجمیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸
اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۳

۱۷ Colosac گلیہ اس کا نام اردو میں "گلٹے" ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر
تھا، اس خط میں مسیحیت پر ان کی ہمت افزائی اور برائیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۳
۱۷ Thessalonica گلیہ "تھسالونیکے" مقدونیہ کا ایک شہر جو آج کل ترکی میں ہے

اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو
کی ہے جو ۵ باب پر مشتمل ہے ۱۲ آیت

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ تیموثاؤس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ اُمی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ فیلیپون کی جانب (۱۹) پولس کا پہلا رسالہ (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ، سوائے بعض جملوں کے،
یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ نکل شات کتابیں
عہدِ جدید کی دوسری قسم ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اول کے۔

(۱) پولس کا رسالہ جو عبرانیوں کی جانب ہے۔

۱۱۔ اس خط میں غلبین کی لیکچوں پر انکی بہت افزائی اور انکے طرزِ عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کل ۳ باب ہیں، ۱۲ تقی
۱۲۔ تیمتیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا
(اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱: ۱) کرنتھیوں ۱: ۱۱
(فلیپیون ۳: ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲
۱۳۔ اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر
زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۲ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۱۴۔ تیطوس Titu. یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلتیون ۱: ۲)
پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیوں ۳: ۱۳) پولس نے اسے کہتے شہر Crete میں پھوڑا تھا،
تاکہ وہ تبلیغ کرے (تیطوس ۱: ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بپتیسوں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲
۱۵۔ فیلون Philemon پولس کا ہمسفر اور ساتھی تھا، انیسس کو پولس نے اس کے
پاس بھیجے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲

۱۶۔ پطرس Peter تعارف کر لیا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ ان کا عام خط ہے، اور
اس کے مخالف پطرس، گلتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور جینیہ کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی
ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲

۱۷۔ اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی
ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گذر چکا دیکھئے صفحہ ۲۰۱ کا حاشیہ، ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ (۵) یعقوب کا رسالہ (۶) یہودا کا رسالہ (۷) مشاہدات یوحنا،

کتابوں کی تحقیق کے لئے اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جانتا ضروری ہے کہ ۳۲۵ء میں پادشاہ قسطنطین کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائس میں ہوا، تاکہ مشکوک

۱۵ اس میں چھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت ۱۶ یہ خط ایک خاتون کے نام پر لکھا گیا ہے، اور اس میں ۱۲ آیتیں ہیں ۱۲ تقی ۱۷ یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور بہت انشزائی ہے ۱۲ تقی

۱۸ یہ یعقوب James بن یوسف نجاریں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں ... اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حواریوں میں سے ایک یعقوب بن زبدي یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انہیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں)، اس عام خط میں انہوں نے مختلف اختلافی ہدایات دی ہیں ۱۳

۱۹ یہودا اور تداوس Jude Thaddeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۱۴، ۲۲) میں ہے، اس خط میں چھوٹے دعوی داروں سے اجتناب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو مگر قاتل لیا تھا یہ نہیں وہ یہودا اسکر بونی ہے، ۱۴)

۲۰ یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ت

۲۱ قسطنطین اول Constantine I ہے، جس کے نام پر بیزلیطیہ کو قسطنطین کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پاپہ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۲ ت ۲۲ شہزادہ نیکا، اس شہر کا مشہور نام نیکیا Nicaea ہے، اور وہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیکادی

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیروم نے اس کتاب پر لکھا ہے،

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۳۶۲ منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پر تادیکہ کتابوں کا اضافہ کر کے ان کو واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کار سالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴) پطرس کا دوسرا رسالہ (۵) پطرس کا دوسرا رسالہ اور تیسرا رسالہ (۶) یہود آہ کار سالہ (۷) پطرس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب، اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ متوکد کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسلمہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی، اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارٹیج کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکاء میں عیسائیوں کا مشہور فاضل اگسٹائن اور ایک صوبے کے دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر ۳۲۲ء میں پیدا ہوا، St. Jerome لے

اس نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اسی سلسلہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں، ۳۲۲ء میں انتقال ہوا، لیکن بیابانہ مراد نہیں ہو سکتا، اس بظاہر جائزہ کا اثر جیروم متوفی ۳۹۷ء مراد ہوا،

Cortage لے

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا۔

۱) کتب دانش (۲) کتاب طوبیاء (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسانی پند و

نصائح (۵) مقابین کی دونوں کتابیں (۶) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکاء نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاء کا تقریباً جزو و استمرار

دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاء علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے

ان لوگوں نے اسما کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجالس منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ،

ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارپٹیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا،

صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام

مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۲۰۷ء تک بدستور

قائم رہی، یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار

ہوا، جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف

ان اسلاف کے فیصلوں سے

فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

کتاب باروخ، کتاب طوبیاء، کتاب یہودیت، کتاب دانش کلیسا اور مقابین کی دونوں

کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الزم اور غیر مسلم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے

فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب

سورہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۶ ابواب اور باب کی تین آیتوں کے معلق

انہوں نے کہا کہ یہ واجب تسلیم ہیں اور باقی چھ ابواب واجب الرد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انہوں نے چھ دلائل پیش کئے۔

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جلدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ جیروم کہتا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں۔

۵۔ گلوکس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے ان کو تسلیم نہیں کیا۔ یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مال ایک ہی ہوا،

۶۔ یوسی ہیں نے کتاب البچ کے باب میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرف ہو چکی ہیں خصوصاً

مقائین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ۱ و ۲ و ۶ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور

بزرگوں کی س بددیانتی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب تسلیم

ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور ماخذ ناپید ہو چکے ہوں، ان کے صرف تراجم

باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہو چکی ہیں، بالخصوص مقائین کی دوسری

کتاب، اب بتائیے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں ان کے اجماع یا اتفاقاً

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیسے تک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے

اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں۔

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے سے لکھی گئی، اس کے بعد ہائے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہنچی ہے، اور کسی صاحب البام کی جانب محض گمان و وہم کی بنیاد پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تلکویں کی سفر صغیر، کتاب المعراج، کتاب الامم، کتاب تلمیذ اور کتاب الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سفر راجع عزرد کا عزرائی کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج اشعیاء اور کتاب مشاہدات اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام کی مشہور کتاب کے علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو ان کی جانب منسوب ہے، اور متعدد ملفوظات ہیں جو حقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبوریں ہیں جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب مذکورہ کے کچھ کتابیں ہیں جو شر سے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریم اور حواریوں کی اور ان کے تابعین کی جانب منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت اور جھوٹ ہیں، آج اس دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک دپرٹمنٹ کے تمام کلیسا متفق ہیں، اسی طرح

عزراء کی تیسری کتاب جو ان کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک جہدِ عتیق کا جزو اور مقدس و واجب التسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تبہ باب میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دانش و کتاب پندرہ کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب التسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،

پھر جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی جواری یا نبی کی جانب کہنے سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب التسلیم ہو گئی؟ اسی طرح ہم محض ان کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے بارہا ان کے بڑے بڑے علماء سے سند متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے اور ایک پادری نے تو اس مناظرہ میں جو میری اور ان کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس سند موجود نہ ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ سال تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے ان کی اسناد کی کتابوں میں بہت کچھ کھود کر دیکھی، مگر سوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی بسنیاد محض ظن اور بعض قرآن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں محض گمان کی کوئی بھی قیمت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہذا جب تک وہ لوگ کوئی شافی دلیل اور سند متصل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہو گا، دلیل پیش کرنا اصولاً ان کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی سند پر گفتگو کرنا چونکہ موجب تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:-

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ ان کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں اس کے دلائل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلہ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے پہلی دلیل ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیا بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تحت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً

یوشیا Josiah
یوشیا کا پادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ قری
۲۵۰-۲۵۱ سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے، جس کے معلوم ہوتا ہے کہ یوشیاہ سے بہت پہلے سے تورات کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل منان کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اسے اپنا دستور العمل بنا لیا، ۲۳ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے ٹھیکے دیکھے حاشیہ ص ۴۸ اس کتاب کے مطابق نہیں منائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا ماننے والا ساہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ قری

بخت نصر کے حادثے سے پہلے صنائع ہو چکا، اس حادثے میں نہ صرف تورات محدود ہو گئی، بلکہ ہمدانی کی تمام کتابیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزرائیل نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول ایتھوکس کے حادثے میں صنائع ہو گئیں،

دوسری دلیل تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب عزرا علیہ السلام نے لکھی اور زکریا پنخبروں کی اعانت لکھی ہے،

۱۔ بخت نصر جسے نبوکہ نصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (تورات میں یہی نام مذکور ہے) بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے تڑی طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشینگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھی ۱۲

۲۔ ایسڈریس ۱۹-۱۱:۱۰ میں ان کتابوں کے مفرد آتش ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے (بھاری کتب مقدسہ، ص ۴۵) لیکن خیمیاہ کے باب میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسڈریس کی تائید کرتا ہے، اس سے یوحنا نے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب تورات صنائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزرائیل نے لکھ کر پھر سب لوگوں کے سامنے اسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۳ء میں بھی ایسڈریس سے وہ بات ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسڈریس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہائے پاس اگرچہ ایسڈریس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جاتے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسڈریس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسڈریس ۱۲: ۲۰ تا ۲۱ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ تورتہ چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزرائیل نے اسے دوبارہ لکھا" (ص ۵۰۱، ج ۳، مقالہ بائبل بحث جدید قدیم فہرست مسئلہ، پادری جی ٹی میٹلی نے بھی بائبل ہیڈنگ میں ایسڈریس کے حوالہ یہ روایت نقل کی ہے (ص ۱۲۸)

۳۔ ایتھوکس چارم ایپو فیس Antiochus ایٹائے قریک شہر بادشاہ جس نے ۱۶۸ ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسکے حملے کی داستان اور تورات کے جل جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۱: ۱۶، تق

مگر تینوں پنخیروں کا کلام سفر اول کے باب ، و ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے ، نیز انہوں نے اس بیان میں اس مشہور توریث کی بھی دواعتبار سے مخالفت کی ہے ، اول تو ناموں کے سلسلہ میں ، دوسرے شمار اور گنتی میں ، کیونکہ باب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے ، اور باب سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں ، اور تورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین ہیں ، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اول کا بیان غلط ہے ، اور غلطی میں پڑنے کا منشا یہ بیان کیا ہو کہ عزرائل نے ... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا ، اور نسب کے وہ اوراق جن کے انہوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے ،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پنخیر توریث کے منتج تھے ، اب اگر موسیٰ والی تورات یہی مشہور توریث مانی جائے تو یہ تینوں پنخیر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے ، اور نہ عزرائل کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریث کو ترک کر کے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے ،

اسی طرح اگر وہ توریث جس کو عزرائل نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریث ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے ، معلوم ہوا کہ مشہور

۱۷ بنیامین یہ ہیں : بالع اور بکر اور یسبیل ، یہ تینوں (۱۰ تو بیچ ۶: ۷)

۱۸ اور بنیامین سے اس کا پہلو ٹھاٹھا بالع پیدا ہوا ، دوسرا شبلیل ، تیسرا انرخ ، چوتھا توتہ اور پانچواں

تفاریح (۱: ۸)

۱۹ بنیامین یہ ہیں : بالع اور بکر اور شبلیل اور حیر اور نعمان ، انخی ، اور روس ، میقم اور حقیق ،

اور اردو رپیدائش ۲۱: ۳۶ تھی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہے جس کو عوراء نے لکھا تھا، بلکہ یہی بات یہ ہے کہ وہ ان قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کے بغیر جمع کر دیا تھا، ان عینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک پیغمبر جس طرح کہا تر کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تخریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اول کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

جو شخص بھی کتاب حزقیال کے باب ۲۵ و ۲۶ کا مقابلہ کتاب گنتی تیسری دلیل کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک

دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیال تورات کے تابع تھے۔ اب اگر حزقیال کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں عین پشتوں تک مانوڑ ہوں گے، اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸، آیت ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی، اور شریک شراکت شریک کے لئے ہوگی۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں مانوڑ نہ ہوگا، اور

۱۵ ان دونوں مقامات پر قرآنی کے احکام کا تذکرہ ہو، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تفسیر

یہی حقیقت ہے چنانچہ قرآن نے کہا ہے :-

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری	وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۔	(نجم)

چوتھی دلیل

جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیاہ اور کتاب ارمیاہ اور کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنی حالات یاد کیے ہوتے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات تو ریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰ کو تمام مقامات پر غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر تو ریت موسیٰ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے مشکل کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ مشکل کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایہ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو شخص ظاہر کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی،

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہو سکتی کہ یہ موسیٰ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مولف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہو سکتا، بلکہ یا ان کا محصر ہو سکتا ہے، یا ان کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باپ کے مقصد ۲ میں انشاء اللہ تفصیل آئی والے ہیں۔

مسی علیہ السلام محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھائے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ ان کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاق ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰ کی تصنیف نہیں ہے،

خلاصہ سیف المسالین کے مصنف نے انسائیکلو پیڈیا بینی حنبلہ سے نقل کیا ہے:-

چھٹی دلیل

”ڈاکٹر سکندر کیدس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ:-“

تھکو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوتی ہیں: (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کنعان یا اورشلیم میں لکھی گئی ہو، یعنی عہد موسیٰ میں، جب کہ بنی اسرائیل صحرائی زندگی گزار رہے تھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف واقعہ علیہ السلام سے پہلے اور جز تیسرا کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور ہے، یعنی ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور میں یہ ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

افاضل ٹورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ:-

ساتویں دلیل

توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتدبہ اور کافی منسوق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۹۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتدبہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل یوسٹن نے جن کو عبرانی زبان میں جہارت نامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور

ظاہر ہے کہ ٹورٹن اور یوسٹن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

کتاب استنار، باب ۲، آیت ۵ میں ہے کہ:-

آٹھویں دلیل

”اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوہے کا کوئی اوزار ان پر نہ لگانا۔

پھر آیت ۸ میں ہے:-

اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا۔

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں ہے کہ:-

وہر آن سنگہا تمامی کلمات این توراہ

بحسن وضاحت تحریرینا۔

کو حسن وضاحت سے لکھ۔

اور ۱۸۳۵ء کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:-

وہراں سنگہا تمامی کلمات این توراہ

را بخط روشن بنویس،

اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام

کلمات کو روشن خط میں لکھ۔

اور کتابدہ شرح کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ:-

”اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراہ لکھی“

چنانچہ اسی باب کی تیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۲ء میں اس طرح ہے:-

وہر آنجا تورات را ہراں سنگہا نقل

نمود کہ آن را پیش روی بنی اسرائیل

پہ تحریر آورد۔

”اس جگہ موسیٰ کی تورات کو ان پتھروں پر

نقل کیا، تاکہ اس کو بنی اسرائیل کے سامنے

تحریر میں لاتے۔“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

وہر آنجا ہراں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ

را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود

نوشت،

آس جگہ ان پتھروں پر موسیٰ کی تورات

کے نسخہ کو جو بنی اسرائیل کی موجودگی میں

لکھا گیا تھا، لکھا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو فتربان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اس کے لئے فتربان گاہ کافی ہوتی۔ اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے بظاہر وہی بات تہذیبوں میں بیان کر چکے ہیں۔

پادری ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

نویں دلیل

”موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا :-

اس دلیل سے اس کا مقصد یہ ہے کہ جب اُس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوئے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی دزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ :-

”گذشتہ زمانہ میں لوگ لوسے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا

موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے اُن تختیوں کے عوض درخت پیرس

کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر بکس میں وصلی ایجاد کی گئی اور آٹھویں

صدی میں رُوئی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرہویں صدی عیسوی میں

کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے۔“

اس موبخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو ٹورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس

دسویں دلیل

عیب سے بلند و بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۱۵ آیت ۱۵

میں ہے کہ :-

پس یہ لیتا کے وہ بیٹے ہیں جو اُس کے پیٹ سے نہر سو رہ کے درمیان پیدا ہوئے
 اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہذا اس کے مکمل بیٹا بیٹی ملا کر ۲۳ نفوس تھے ۵
 اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صبح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف اُن کے مشہور
 مفسر بارسلے نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا
 شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ
 سارا بنت آشیر منجملہ ۱۶ کے ایک ہے ۶

اسی طرح کتاب استنار کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس
 کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے،

یہ بھی غلط ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد قارض تک
 ۷

۱۰ یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے، یہ سب یعقوب کے
 اُن بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدان آرام میں لیتا سے پیدا ہوئے، اسی کے بلن سے اس کی بیٹی دینہ تھی، یہاں تک تو اس
 کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا (پیدائش ۳۶) ۱۱
 بلکہ یعنی لیتا کی اولاد بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں زلفہ (جو حضرت یعقوب کی باندی تھیں) کی اولاد کا
 ذکر ہو جن کی تعداد ۱۶ بیان کی گئی ہے، یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک
 لڑائی سارا کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیتا کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے۔ اس کے
 علاوہ خود قدرت کے الفاظ یہ ہیں :- اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا ۱۲ اس میں نصرت ہے کہ بیٹوں کو
 شامل کیا گیا ہے ۱۳

۱۴ قارض حضرت راؤد کے نوں باپ ۱۱ تاریخ ۲، ۳ تا ۱۶، ۱۲ نقلی

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارض ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸ میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دستوں پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و یوحنا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۳۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہ نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی؛

گنتی کے باب میں ہے کہ :-

ثوہنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گئے گئے، اور ان سپہوں کا شمارچ لاکھ تین ہزار پانچ سو تھی، پر لادسی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گئے گئے، (۱۱، ۲، ۵، ۴) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی اور لادسی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کہے جائیں تو مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا لیں تو مجموعی تعداد پانچ لاکھ سے

لے آیات ۱۹ تا ۲۴، ت

۱۱ تلم نونوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسلح ہے، صحیح یہ ہو کہ آپ اس کی کوئی پشت میں

ہیں، جیسا کہ متی ۲۳، اور یوحنا ۱۳، اور ۱- تواریخ (۲، ۳۲) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تفرقی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجود سے غلط ہے،

پہلی وجہ | بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت
کُل ۷۰ تھی، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں

اور سفر خروج باب آیت ۵ میں، اور سفر استثناء باب ۱۰ (آیت ۲۲ میں موجود ہے)، اور
عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاہدہ میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے
مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، اور سفر خروج
باب میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل
کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان عین باتوں کے جان لینے کے بعد، یعنی داخلہ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت
قیام مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سننے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کر لی
جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دو گئے ہو جاتے تھے تب بھی

۱۷ چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، ویئر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب
کاتبوں اور فقیہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہو گئی۔ جی بی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابل قبول
قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر
موجود طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں ہے (بائبل ہیمنڈیکل کتب استثناء، لیکن
مصنعت نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص ہانڈرس وجسکے) پیش نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں
پہرے باہر ہے کہ اگر مہزبانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیام مصر کے
دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھانی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس وقت
بڑھانی گئی، جبکہ کثرت تعداد ایک ناقابل برواشت لوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۷ تھی

۱۷ کتاب ہذا، ص ۶۹۷ و ۶۹۸، ۱۷ آیت ۱۴،

اس غرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہنچ سکتے، چہ جائے کہ پچیس لاکھ بن جائیں اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا مطلقاً متمنع ہونا نہایت واضح ہے، یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد ۷ سے بڑھ کر اتنی زیادہ ہو جائے

دوسری وجہ اور ان کے مقابل قبطنی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ معہ کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا ہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلا وطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

تیسری وجہ سفر خروج باب ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور گائے، بکری بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا کو پار کر لیا تھا، اور یہ لوگ ریزانہ سفر کرتے تھے، اور کبچ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا۔

چوتھی وجہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو ان کی اور اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ، اسی طرح ایلیم میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہو گئے؟

۱۵ آیت ۲۹ ۵ ۱۹ ۵ ۱۱ ۵ ۱۳

۱۵ ایلیم Elim بحراحر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر

درخت تھے اور لقبول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پا کر پڑاؤ ڈالا تھا (خروج ۱۵) ت

کتاب استنار باب ۷ آیت ۲۳ میں ہے کہ:

پانچویں دستہ

”اور خداوند نیز خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع

کرے گا، تو ایک ہی دم ان کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگل درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں“

اور یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً تیس میل تھی،

جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۰ مطبوعہ ۱۸۴۲ء

شہر خانیہ میں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے

باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلط اور قابض بھی ہو گئے تھے، تو سمجھیں

نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو

تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے (جس کی پیمائش مذکور ہو چکی) کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں اس آحاد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

۱۷ عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے امداد جنگل درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں کے

جگہ جنگل درندے بڑھ کر زیادہ ہو جائیں گے لیکر ٹیک دو اب البر اور انگریزی "Lest the beasts

of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے

کہ اگر تمام ڈگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی کثرت سے ان کو

نقشبان پونچے کا اندیشہ ہوگا، مصنف فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے

تو درندوں سے ان کو کیسے خطرہ پیش آ سکتا ہے؟ ۱۲

۱۳ صفحہ ۱۳ طبع بیروت ذکر مغالط المورخین و علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیئے ہیں جن

میں سے ایک راہم یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم ترین جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ

ایک صحت کو دوسری صفت کا علم نہ ہو سکتا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ ان پر بخت نصر

کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے ان کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا

۱۲ اگر کسی بڑی تعداد کا اندیشہ ہو تو جنگ کے موقع پر ایک لاکھ سے بڑھ کر بھی اس تعداد کو قابض کرنے میں دشواری ہو سکتی ہے، ان لہجوں میں سے زیادہ کہیں ان لہجوں میں

کہا ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیل میں صرف مین پشت کا فیصلہ ہے، اور یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اس تعداد کو پہنچ جائے،

لہذا سچی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی مدت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہ مصر ان پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ ان کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے پاس اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، پھر جب تک ان کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر ان کتابوں کو تسلیم کرنا واجب واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رد کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

کتاب یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اس کا یہ حال ہے تو کتاب یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آج تک

۱۔ سب نسخوں میں "ثلاثہ" کا لفظ ہے، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰ بن عمران

بن یسیر بن قاہٹ بن ملاوی بن یعقوب، اور چاروی صبح ہے ۳۰ نقی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں پلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جر بارڈ اور ڈیویٹی ہیوٹ و پیرک اور ٹاملاٹن اور ڈاکٹر کرسی کی رائے یہ ہر کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فیخاس کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

وانٹل کہتا ہے کہ یہ ہیل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیا علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیا کے

درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فاصلہ ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بین دہیں

ہر کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اسکل ہجرت

اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرآن اس کے

پاس ایسے جمع ہو گئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز

اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صومیل ثانی کے باب

۱۵ انسائیکلو پیڈیا میں ہر اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہو جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات

کا عینی شاہد ہو اور وہ شہر اڈیٹل Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر

کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برٹانیکا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

۱۵ فیخاس Phinchas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر

گنتی ۲۵ د ۲۶، زبور ۱۶۱، یثوع ۲۲، قنعا ۲۲ میں آیا ہے ۱۳ تھی

آیت ۱۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے، اسی لئے تفسیر بہزلی واسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہلے ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں ترجمہ میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسار اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر التیقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

۱۵ اس لئے کہ سوتیل ۱۵ میں مذکور ہو کہ یہودیوں کو جویرہ شلم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال سکے، سو یہودی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یہود شلم میں بے ہوتے ہیں اور کتاب سوتیل ۱۵: ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یہودی شلم میں بے ہوتے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

۱۵ اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶ میں مذکور ہو کہ کنعانی آج تک جزر میں بے ہوتے ہیں، اور ۱۷ سلاطین ۹ میں ہو کہ فرعون نے حضرت سلیمان کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمان سے پہلے لکھی گئی ہو، چنانچہ جی بی بی بیٹلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۱۵ کا ۲ سوتیل ۱۵ اور ۱۶ کا ۱ سلاطین ۹ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رجعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی ہو چکی تھی، (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۶)

۱۵ ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہوا۔ کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہوا؟ اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سوتیل ۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تھی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔
 سوائے اس کے کہ سفر صومیل ثانی، باب آیت ۸ سے یہ ضرورتاً چلتا ہے کہ اس کا مصنف
 داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے، یا ان کے بعد ہوا ہے، اس بنا پر غالب قیاس یہی ہے کہ
 کتاب پوشیح کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معتبر
 ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ پوشیح علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس
 لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور
 کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ چند وجہ سے باطل ہے،

پہلی اور دوسری وجہ | پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت ثوریت کے
 حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل
 کے تحت ثوریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر پوشیح علیہ السلام کا
 تیسری وجہ | کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا
 مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے یا پھر ان کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا
 ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر پڑیں گی، عیسائی
 علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے لمحات میں سے ہے، یہ دعویٰ

۱۵ اس میں بھی کتاب یا شعر کا حوالہ دے کر ایک مرثیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد

علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ ترقی

۱۶ بین اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت پوشیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲ ات

۱۷ یعنی پہل کتاب تو پوشیح علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھادیں ۱۲ ات

قطعی غلط ادب بلا دلیل ہے، اس کے لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابل عمت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ جملے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ پوشیح کی تصنیف نہیں ہے،

اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو ان کے گھرانے کے مطابق میراث دی، اور ان کی سرحد یہ تھی، یحزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک عروہ غیر تک جو رتبہ کے سامنے ہے۔

اور ہستنا۔ باب میں ہے کہ:

خداوند نے مجھ سے کہا... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا، اور نہ ان کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے۔

پھر اسی باب میں ہے کہ:

خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے؟

اگر یہ مشہور توریث موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پوشیح اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو ان کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

۱۵ کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تھی

کتاب القضاة کی حیثیت

اب کتاب القضاة جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست

اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فیخاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیاء کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاء کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزراء کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فیخاس کے درمیان ۱۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اسکل بچھ محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموئیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقے سے اُس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہو گئیں،

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب کتاب راعوت کا حال ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا

خیال ہے کہ وہ حزقیاء کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزراء کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام یہی کہتے ہیں کہ یہ سموئیل کی تصنیف ہے،

۱۵ کیونکہ فیخاس اور حزقیاء میں سے کوئی ہی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اس کے زمانہ میں حضرت شعیار طیبہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین اب ۱۸ و قوائیمج اب ۲۲) ۱۲

۱۵ ہماری کتب مقدسہ از میسلی، ص ۱۷۹،

۱۶ ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۳، ۱۲

کتاب کی تفویک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ :-

بائبل کے مقدمہ میں جو ۱۸۱۹ء میں اسٹاربرگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتاب

راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے *

یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا
کتاب نحمیا کا حال

اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا

کی تصنیف ہے، اہتہانی شیئس اور اپنی فائیس ہریریز اسٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی

تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، اسی طرح بابک کی

ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہو سکتیں، اور نہ آیات کا کوئی بہترین

رابطہ اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۴ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ

نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہو کر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم

نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سنئے کے لائق ہے، اس کی حالت
کتاب ایوب

تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت نہایت بدتر ہے، اس میں پچھرا

(پ ۳۱۵ م ۱۸۲۲ء) مشہور بشپ ہر، اور لے

St. Epiphanius

۱۵

بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال پائی جاتی ہیں ۱۲ تہی

۱۶ کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو حکم کا میضہ تھا اس میں نحمیا کیلئے فائیس کا میضہ ہر، اور نحمیا حاکم اور عزرا کا بن دونوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور ربّ رحمانی ویز جو علماء یہودیوں میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکالس و لیکرک اور سلہر و استناک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقہ پرولٹنٹ کا مقتدی لو تہر کہتا ہے کہ یہ کتاب خالص افسانہ اور کہانی ہے۔

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب بریںہ قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ منسرخ بھی کر لیں کہ یہ ایہو کی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا اہم ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دعویٰ کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی کتاب زبور ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اور نہ

۱۰ رب اور ربی Ribbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۱

۱۲ سب نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جی ٹی میٹل لکھتا ہے "لوتھر کا خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ پر مبنی ہے۔ (ہماری کتب مقدسہ ص ۱۲) اور چونکہ فرقہ پرولٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کتاب درست ہے۔ ہمیں مصنف حمہ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکتی ہے

۱۳ ایہو Elihu ابن براکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ایوب

علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱) اس کا ذکر اسوئل ۱۰ میں بھی ہے ۱۲ اتنی

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدامت مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کریزاسٹم، آگسٹائن، انبروس اور یوتھیسی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، پلییری، اہتانی شیس جبر ۲۲۷ سی بیس وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے، ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر ہمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ لغاتیہ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۱۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ اہتان کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۷۷ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدوہتن کی تصنیف ہیں ۲۰۰ زبوریں اساف کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۲، ۷۹، ۸۱ اس کی تصنیف

۱۱ Eusebius فلسطین کا بشپ تھا ۲۹۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا

History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہے، سن ۳۱۳ء میں انتقال ہوا ۳۷۰ء

۱۲ Heuan the Ezrabite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا

جیسا کہ اساطین ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

۱۳ کہ ایکن ازرائی یہ بھی زبیر کی طرح حکیم تھا، اساطین ۱۲، ۱۳

۱۴ اس کا نام اردو میں ہودون Jeduthun زکور، جو اور کہتے ہیں کہ یہ عزت داؤد کا : زبیر

اس کا ذکر ۱۰ تواریخ ۱۶ و ۲۵ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۵، ۶۵، ۷۷، ۸۷، ان کی طرف نسبت ہے ۱۳

۱۵ اس کا نام اردو میں آصف Asaph ہے، یہ بھی حکیم تھا، ۱۰ تواریخ ۱۶ کی روایت ہے کہ اس

نہیں ہیں، اور ازبوری قوج کے عین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوری دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتہ کہتا ہے کہ وہ زبوری جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۲۵ ہیں، باقی زبوری دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوری مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں۔ آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف، ہیمان، جدوتہن، قوج کے تین بیٹے، داؤد نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا ان کے نزدیک داؤد کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

جو دن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰ، داؤد، سلیمان، آصف، ہیمان، اتھسان، جدوتہن، قوج کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤد کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیہا کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، یعنی کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں۔ اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک اہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

تسنیہ | زبور نمبر ۲، آیت نمبر ۳۸ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یوں ہے کہ داؤد بن نبی کی دعائیں تمام ہوتیں۔ اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱ ہے، جس کی وجہ مقدمہ میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کر دی گئی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیسا کہ پہلے فرقہ کی راستے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہر صورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

امثال سلیمان | کتاب امثال سلیمان کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محادرات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جا کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جاسکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں سے پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایہ ۲۹ حزقیاء کے دستوں نے جمع کئے تھے، جیسا کہ باب نمبر ۲۵ کی آیت نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدرین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۶۰ سال بعد ہوئی ہے،

۱۵ صفحہ ۱۱ ج ۱ | عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۲، ہی میں موجود ہے ۱۲
۱۳ | باب کا عنوان ہوتا ہے کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں اور باب ۱۳ کا عنوان ہے "لو آئیں بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ادا کرنے سے سکھائیں" ۱۲

۱۴ | عنوان یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداء حزقیاء کے لوگوں نے نقل کی تھی ۱۲

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مخالف نمبر ۲ کے جواب میں مفتی آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموتیل کا تصنیف کردہ ہے، لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نہرت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاسنا کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموتیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ:-

ہولٹن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموتیل سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور بہت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید ان کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموتیل اور کتاب آجور ابہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں؟

اس میں یہ کہنا کہ شاید ان کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ ان کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو ان کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہو گا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ:-

لہ پادری سینٹل لکھتے ہیں: "ہیں آجور اور لموتیل کے بارے میں جنہوں نے ان کی تدوین کی کچھ بھی معلوم

نہیں" (بہاری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲

اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے، کہ لوشیل سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب ان کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پاتے جاتے ہیں، وہ اس دعویٰ کی دلیل نہیں ہوتے۔ نیز باب ۳۱ کی نسبت یوں کہتا ہے،

یہ باب یقینی طور پر سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتا ۛ

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیہ کے لوگوں نے نقل کی تھی ۛ

باب ۳ آیت ۱۰ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

”این ست کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او برتے ایشیل بلک برتے ایشیل

وادقال بر زبان آورد ۛ

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

کلمات اکور پسر یاقہ یعنی وحی کہ آن مرد بہ ایشیل وادقال بیان کرد ۛ

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اس کے موافق پاتے جاتے ہیں، عربی ترجمے

اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے ترجمہ نے اس کو حذف کر دیا ہے

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۲ء کے دونوں ترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

تخذہ اقوال الجامع بن القای الرویا القی تکلم بہا الرجل الذی اللہ

معہ واذا کان اللہ معہ ایتہ ۛ

ۛ Chaldee کدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بابل میں اسے کسدی زبان کے نام سے یاد کیا گیا

ۛ اور اردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ۔ یہ جامع کے اقوال ہیں جو اتفاقاً کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے و ملاحظہ کیجئے عربی تراجم کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت امیں یوں ہے کہ :-

تُوئیل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی تھی

ہمارے بیان کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاء، اشعیاء اور شاید عزرا نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

جہاں تک کتاب و انبیا کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف کتاب واعظ پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے اور رب تعالیٰ جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیاء علیہ السلام کی

لہ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب قسم کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس

اختلاف بہر حال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

۱۳ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ: کلام اجور بن متقیہ مسا، وکی

بذالجل الی اثیل الی اثیل واکال اس میں متقیہ کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور مسا کا لفظ ان سے

۱۲ ہے

۱۳ یہ عربی، پارسی ترجمہ ہی، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم لکھ چکے ہیں ۱۲ تھی

تصنیف کردہ ہے، تالیمرود کے علما کہتے ہیں کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہی کر دھیس کہتا ہے کہ ایک شخص زروباہل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام اپنی ہود ہے تصنیف کی تھی۔ مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی باہل کی قید سے آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔

زرقل کا دعویٰ ہے کہ یہ انٹیوگس ایپی قینس کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے باہل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو ابہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

اس کی حالت تو بہت ہی اتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت ہے

عزل الخزلات

یہ کہ زرعوی کرنا کہ یہ یسایا علیہ السلام کی تصنیف کے قطع اور بلین کیوں کہ ایسی کتاب عرصہ دراز بعد لکھی گئی ہے پادری تھیڈور جو پانچویں صدی میں گندہا، وہ اس کتاب کی اور کتاب ابوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سین اور یکلرک اس کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، دشمن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا، بجانا ہے۔ کتب مقدسہ سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ کاسلی یونے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

تھیوڈوش کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک

کتاب انی ایل

۱۲ لہ تالمود Talmud یہودیوں کی مشہور کتاب ہے، اس میں مذکور ہے کہ یہ کتاب ۱۲ لہ دیکھیے تاثریہ فر ۳۲۶، لہ تھیوڈوش Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا۔ یہ کتاب کتب مقدسہ

باب ۱۳ اور باب ۱۴ بھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گمانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے،

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض ایسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علما کی تصنیف ہو جو عزرائیل کے عہد سے سین کے زمانہ تک ہوتے ہیں۔

فلو یہودی کا قول یہ ہو کہ یہ یہو یا کین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا۔

اگتھان کہتا ہے کہ یہ عزرائیل کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ تود کے اور استیر کی مصنف ہے، اس کے بقیہ حالات باب مقصد شاہد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے، اس کتاب کا باب ۵۲ یقیناً طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہو سکتا، اسی طرح باب ۱۰ کی آیت اُن کی نہیں ہو سکتی، پہلی تو اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں کہا گیا ہے:-

”کلمات یرمیاہ تابدیں جا اتمام پذیرفت۔“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء کے الفاظ یہ ہیں:- ”کلمات یرمیاہ تابدینجا بست۔“ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:- ”یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا۔“

۱۵ چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ یہ یہودی علما میں تیسرے اور پانچویں کا معصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۱۲
 ۱۷ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہو یا کین، یہو یقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں۔
 یہ بابل کی جلا وطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین بیٹے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلطین ۲۳ و ۲۴) ۲۵
 ۱۸ مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ یرمیاہ کی باتیں یہاں تک ہیں: چنانچہ آیت میں ہے ”اس لئے“

۱۹ کا نام غوطل تھا، تو لسانی برمیا کی بیٹی تھی، ظاہر ہو کہ یہ الفاظ خود حضرت ارمیاہ کے نہیں ہو سکتے ۲۲

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی زبان میں ہے اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ یہی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورتا ریا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعہ کی پیشین گوئی کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہے اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے۔

ہورن جلد ۴ صفحہ ۹۵ پر کتاب ہے کہ۔

یہ باب ارمیہ کی دقات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے۔

پھر اسی جلد میں کتاب ہے کہ۔

اس رسول کے تمام محفوظات سوائے باب کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسوں کی زبان میں ہے۔

پادری ونا کہتا ہے کہ۔ یہ آیت الحاقی ہے۔

فرقہ کیتھولک کے پیشوا کار کرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن
کتاب اشعیار کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا

ہے، کار کرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے۔۔

مشہور فاضل جرمنی اشاہن کہتا ہے کہ کتاب اشعیار کے باب ۳۰ اور اس کے بعد

ملہ کسستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اسی قوم کا تھا۔

ابواب نمبر ۶۶ تک ان کی تصنیف نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب ان کی تصنیف نہیں ہیں۔

اناجیل اربعہ کی اصلیت

انجیل متی لو قمارقس آپ کو عقرب مقسود، شاید ۸۰ میں معلوم ہوگا کہ قمارقس کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریک و جوش سے وہ ناپید ہو گئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدر کے نمبر، میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

لے یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ جہد قدیم کی کتابیں پر ڈسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳۰ ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسینس تقریباً سنہ ۱۰۰ میں لکھتے ہیں کہ ”ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں زمانہ ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں“ (بحوالہ ہماری کتب ۱۰۰ سے از پادری مینلی ص ۳۷) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۲۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور ان ازمین کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ ”انبیاء سنہ ۱۰۰ کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور نحمیاہ کو ملا کر ایک، وت اور قضاہ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور زبور کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہوتے ہیں، اس معنی کہ خیر حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اول انہیں ہدایت فرماتے،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔
بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا، مگر نیکو
اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب تسلیم نہیں ہے، بلکہ قابل رد ہے۔
انسائیكلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

یہ انجیل ۱۰۰ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو تلمذانی اور سریانی کے
درمیان تھی لکھی گئی، لیکن موجودہ صورت یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو کج نسخہ
موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے؟

وارڈ کی تھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

پیر ویم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل قس

کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوزانا^{۱۸۳۷ء} کی بعض آیات میں
شک تھا، اور بعض متقدمین انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے، بڑے دنوں ابواب فرقہ مارسیونی کے نسخہ

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:-

اس انجیل میں ایک عبارت قابل تحقیق ہے، جو آیت ۹ء کے آخری باب کے ختم تک
پائی جاتی ہے، اور کریساخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

۱۰۰ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامہ قدیم کی کتابوں کو واجب تسلیم قرار نہیں دیتا اور وہ خداؤں کا

قاتل ہے، ایک خالق خیر اور ایک خالق شر اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھی ہوتی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب
میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تخریص کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اس

کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، رخصت از لادانہ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈ وروین،

روبی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی غلامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے

الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوتے لکھتا ہے:-

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبه ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری

عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خاچ کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے

کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

اور کریباخ فرقة پر ڈسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورن ان کے نزدیک

اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو ان پر یقیناً بھرت ہے،

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو

انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف

ہی، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اس کی تردید کرتی ہیں

انجیل یوحنا مستند نہیں
اس کے دلائل

پہلی دلیل | گذشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد تصنیف کا

طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں

کے اندر معلوم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد شاحدین^{۱۸} میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے

قہامی بیظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت

ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جاسکتی، تا وقتیکہ اس پر کوئی مضبوط اور

قوی دلیل نہ ہو،

اسی انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:-

دوسری دلیل | یہ وہی شاعر ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے ؟

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے، کہ یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اس کی شہادت (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم رہم مانتے ہیں، کے الفاظ صیغہ متکلم کے ساتھ استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم۔

دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں آریوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ

تیسری دلیل

کا شاگرد موجود تھا، اس نے مکرین کے جواب میں قلمی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا نزاری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ آریوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

۱۱۲ آریوس Irenaeus لیون کا مشہور بپ اور عیسا عت کا مسلم الثبوت عالم چوتھے
سایپا ہوا اور تقریباً ۱۸۰ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ
۱۲۱ سال پایا جاتا ہے، ۱۲۱

۱۱۳ پولیکارپ Polycarp سمرنہ کا مشہور بپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے
تقریباً ۱۸۰ء میں پیدا ہوا، اور ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی
معروف ہیں ۱۲۱

زبانی روایت کا بڑا اٹھ بار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی ہو کر اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۹۳۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آریٹوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے:-

”میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں رکھے، نہ صرف کاغذوں پر، اور عصہ دراز سے میری نجاتی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں۔“

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف اتنے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہابیس ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ملے کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلبس جو بت پرست مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریریں کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریریں کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیسرکان کا عالم ہے چوتھی صدی میں چکار کرتا ہے:

”۱۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا، معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے۔ یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر انہیں افاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیسر اس فرقہ کا بانی ہے۔ خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۳ بجوالہ کتاب الاسناد از لارڈ نر، ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیح نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی بنا منسوب کر دیا تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰ کے ماننے والوں کو سخت ایذا میں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

چوتھی دلیل | کیتھولک میرٹھ مطبوعہ ۱۸۲۴ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے :-
"اسٹاڈن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بوشک، و شبیری انجیل یوحنا

اسکندریہ کے مدرس کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے ہاں اسٹاڈن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف

نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح بر ملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کا کارنامہ ہے،

محقق برٹشیندر کہتا ہے کہ :-

پانچویں دلیل | یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں

ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے،

مشہور محقق کرڈیش کہتا ہے کہ :-

چھٹی دلیل | "اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افساس کے گریہ نے آکیسواں باب،

یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے،

۱۷۔ ہسٹس کا یہ قول مصنف نے ادالہ الشوک میں کتاب الاسناد از لارڈز کے حوالہ

سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تعنی

۱۲ تعنی

Ephesus

۱۷ غالباً ہسٹس

ساتویں دلیل | دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وچین اس انجیل کے مرتبے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل | باب مقصد میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب کی ابتدائی آیات کا انکا جہور عنمار نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی

ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہذا یہی بات وہی ہے جو فاضل اسٹادلن اور برٹشینڈہتے ہیں،

نویں دلیل | اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلا سند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں

کی کوئی سند نہیں ہے،

دورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب میں کہتا ہے کہ:-
ہم کو مورخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آئوٹے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا، اور یہی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت وید گذر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا ۵

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

پہلی انجیل ۳۴ء یا ۳۵ء یا ۳۶ء یا ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۳۹ء یا ۴۰ء

میں تابع کی گئی: دوسری انجیل ۱۵۶ء اور اس کے بعد ۱۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۱۶۰ء یا ۱۶۳ء میں تابع ہوئی، تیسری انجیل ۱۵۲ء یا ۱۶۲ء یا ۱۶۴ء میں تابع کی گئی چوتھی انجیل ۱۶۰ء یا ۱۶۹ء یا ۱۷۰ء یا ۱۷۱ء یا ۱۷۲ء میں تابع ہوئی۔

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب کار سالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۱ کے بعض جملوں، کی نسبت حواریین کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک ہے، اور بعض مذکورہ جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گروہوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ غریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸ میں کہتا ہے۔

سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ دیہودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، اور مشاہدات برسائیل یوحنا کے باب ۲ آیت ۲ لغایت ۱۱ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۱

باب ۱ آیت ۱ بھی۔ جو رد نہیں ہیں۔

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس سے حذف کیا کہ وہ ان کے نزدیک

ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ دارڈ کی تھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۱ء کے صفحہ ۲۱۸ کہتا ہے کہ۔

فرقہ پرڈسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو تہوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا۔
رسالہ عبرانیہ، یعقوب کار سال، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہود کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، ڈاکٹر لپس فرقہ پرڈسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ۔

”تمام کتابیں یوسی یوس کے عہد تک واجب تسلیم نہیں ہیں۔“

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ۔

”یعقوب کار سال، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہود کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں۔“
لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ۔

”سریانی اور اسی طرح اور شلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اس نے بھی تھی۔“

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے:

”مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اس پر بارہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جسون نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالہ یہود اور مشاہدات یوحنا کو چھڑوایا ہے، یہی رائے دوسرے شریانیوں کی بھی ہے۔“

کیسٹولک پبلیشرز مطبوعہ ۱۹۳۴ء جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

روز نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پرنٹسٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانتے، اور پرنٹسٹ برائو الڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہو سکتیں۔

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱ باب ۲۵ میں کہتا ہے :-

دیویس پیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کر دیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط فہمی، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھمن نے کی ہے۔ مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبیری کا بیٹا، یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہو سکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہو سکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے۔ شہر افسوس میں ڈاؤنبرس موجود ہیں، جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں ٹائٹوس اسلوب استعمال کے گز ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالہ عامہ میں، بلکہ اپنے کو مکلم یا نائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تہمید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عفرتب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور چونکہ آیت میں ہے کہ ”یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام“ آیت نمبر ۹ میں ہے ”میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اوصبر میں تمہارا شریک ہوں“

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۸ میں لکھا ہے کہ میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا۔ ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵ یہ کتاب مکاشفہ باب اول آیت کی عبارت ہے ۱۲ تھی
 ۱۶ ایسی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے
 مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تھی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اپنا
 اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہے تاکہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف
 مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو شخص اور
 متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ "یوحنا بن زبیدی" یا "یعقوب کا بھائی" یا "جو حنا اپنے رب کا
 محبوب مرید وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت
 "تمہارا بھائی" یا "تمہارا شریک غم" اور "مشریک بھرت" ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق
 کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت
 اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔
 نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب باب میں تصریح کی ہے۔

"پطرس کا رسالہ" چاہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتب مقدسہ میں
 داخل نہیں ہو سکا، مگر پطرس کے ۱۳ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے
 رسالہ عبرانیہ کو حاج کر دیا ہے۔"

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ۔

اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ
 اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲۰ بجیل اوں کے نکتے ہوتے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں
 سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمال پطرس اور بائبل اور مشاہدات
 پطرس اور رسالہ برنیا اور وہ کتاب جس کا نام الستیوٹن حواریں ہے یہ سب جلی
 اور نہ یعنی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہدات یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار
 کرنا چاہئے۔"

نیز اپنی تاریخ کی کتاب باب ۲۵ میں آرجین کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے :-

وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو یوقانے ترجمہ کیا ہے ؟

ارنیس پشپ لیس جو ۱۷۸۰ء میں گذرا ہے، اور ہیپ پولیس جو ۱۷۲۲ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری ترمیس جو ۱۷۵۱ء میں گذرا، انہوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین، کاریجج کا بڑا پادری متوفی ۱۷۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنیا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۱۷۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سانی پرن، کاریجج کالاٹھ پادری متوفی ۱۷۲۵ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا، اور ٹریانی گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکا لچر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی جوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے
تھمال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

۱۲ ۱۷۸۰ء تا ۱۷۲۲ء CLEMENT OF ROME لے

۱۳ Tertullian لے یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے

موسوم کیا اور اسے عبدعسین کی کتابوں کی طرح اباہی سطح پر رکھا (بائبل سینڈیک،

۱۴ تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہود کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گروں میں
اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے :

تاریخ بائبل مبلوعدہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ :-

مگر ہمیں کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہود کا رسالہ اس پادری کلبے جو ایڈرین کے
دور سلطنت میں اور سلیم کا پندھواں پادری تھا :

اور پوسی ہوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

آریکین نے اہیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گروں کو کچھ نہیں
لکھا، اور اگر کسی گروے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں :

آریکین کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی
تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور مندرجہ ذیل ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے،
اور شاید دو چار سطروں کی نسبت دران رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی،
ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ :-
”اس جہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک
مجهول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب
کر دیا ہے“

انص سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ
میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اول میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ
یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات سلاستہ عتک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

اور جن کو نائٹس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو سلسلہ ۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا، پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود مشکوک ہی رہی اور کارٹیج کی مجلس منعقدہ ۳۹ء میں تسلیم کر لگتی ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی آیات کو، اور بات کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارٹیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طویا اور کتاب باروخ اور کتاب ہند کلیسا اور کتاب المقابین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا، پھر تعجب ہے کہ فرقہ پرور ٹنٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق ان کے فیصلہ کو رد کرتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا، کتاب استیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح

..... مفید نہیں ہو سکتا کہ ان کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیسروم

کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طویا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب ہند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی، دوسرے اس لئے کہ ہورن کے افسر اسے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متعین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور روایات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہنچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین انتظام ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے،

۱- یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آ رہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں

کتب مقدسہ کی حیثیت
قوانین انتظامات کی سی ہے

اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲- کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آریخین نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن

۱۷ تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی میں

کا ترجمہ قبول کر لیا،

۳۔ اس میں کارسالہ سوہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا، جس پر سترہویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پر ڈسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔
۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پر ڈسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شہادتی جاتی تھی، پھر وہی سوہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی شہادتی دیدی گئی،

۶۔ عزارہ کی کتاب کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پر ڈسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کر لیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں ان پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تمہ تفصیل سے آپ کو باب ۲۔۔۔ کے مغالطہ بڑے کے جواب میں معلوم ہو جائیگی۔

لہ کوڈکس CODEX انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے پلینو کوڈکس اسکندریہ

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

پہلا اختلاف جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۲۵ و ۲۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف و صریح اختلاف پائے گا۔

دوسرا اختلاف کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جان کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے

ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے،

۱۰ اس قسم میں مصنف نے ۱۲۳ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آ رہے ہیں۔

۱۱ ان دونوں مقامات پر قرآنی کے احکام کا تذکرہ ہو اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

۱۲ دیکھنے صفحہ ۲۴۲ ج ۱ ص ۱۷ حاشیہ،

تیسرا اختلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۷ و ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے استرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہوگا،

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف کتاب تواریخ اول کے باب کی آیات ۲۹ تا ۳۵ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان

نہوں نے بتایا میں اختلاف پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:-
 "علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزراہ کو دو کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کر سکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا۔"

پانچواں اختلاف سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:-
 "یوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہودا کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔"

۱۵ اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گزر چکا ہے،
 ۱۶ اختلاف کے لئے یہ تخمین ملاحظہ فرمائیے، متعدد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:-
 اخیو اور زکر (۳۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے ہیونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور تاریخ (۳۶)۔
 ب اور جدور اور اخیو اور زکر (۳۷) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن (۳۹) میکاہ کے بیٹے فیتون اور ملک اور تاریخ (۴۰)۔

ب اور آخز سے یوعدہ پیدا ہوا (۳۶) نبعہ کا بیٹا رافعہ (۳۷)

ب اور آخز سے یویرہ پیدا ہوا (۳۲) نبعہ کا بیٹا رافعہ (۳۳) یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا ۱۳

اس کے خلاف کتاب تواریخ اذل کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ :-

یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۰ لاکھ شمشیرن

مرد، اور یہودا کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے ۰

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہودا کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر

کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہودا کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تعداد

پایا جاتا ہے،

سفر سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ :-

تسو جاہ نے داد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا

چھٹا اختلاف

تیرے ملک میں سات برس قحط رہے؟

اور کتاب تواریخ اذل کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ :-

”یا تو قحط کے تین برس :-“

دیکھتے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے،

اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ :-

”خزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا ۰“

۲۲ برس یا ۳۲ برس؟

ساتواں اختلاف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ :-

”خزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا ۰“

۱۰ جاہ علیہ السلام بقول توراہ نبی تھے جنہیں ضرب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲

۱۱ یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو

اختیار کرو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک سات سال قحط میں مبتلا ہے یا کچھ اور؟ ۱۲

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورا کی عمر وقت وفات کل چالیس سال تھی، اور اتریاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہو گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو نلط نہ مانا جاتے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۳ آیت ۸ میں

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف کہا گیا ہے۔

یہو پاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا۔

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ۔

یہو پاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔

دونوں عبار قول میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے، چنانچہ اُس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد میں معلوم ہو جائے گا،

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت اور کتاب ملوک

من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت

بڑا اختلاف ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

نواں اختلاف اور عیسائی

علماء کا اعتراف تحریف

۱۱ میں ہے وہ تیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔

۱۱ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، کیونکہ یہ سموئیل کی عبارت اس جگہ ہے

۱۱ سموئیل ۲۳ میں ہے اور داؤد کے بہادر مل کے نام یہ ہیں، لیون: نمکونی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں

کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے اور تواریخ ۱۱ اس طرح ہے۔

اور داؤد کے سرداروں کا شمار یہ یوشیب نامی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پانچا جلا جلا اور ان کو ایک ہی

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں زمین زبردست تخریبیں کی گئی ہیں :-

پس اس ایک ہی آیت میں زمین اعسلاط موجود ہیں،

سفر سموتیل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ داؤد
دسواں اختلاف علیہ السلام فلسٹیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا تابوت

لے کر آئے :- اور کتاب تواریخ اول کے باب ۱۳ و ۱۴ میں یہ تصریح موجود ہے کہ
 داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لاتے تھے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہی
 چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں، لہذا ایک ضرور اُن میں غلط ہے،

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۷
گیارہواں اختلاف کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے
 ایک ایک جوڑا یعنی ایک نر و سہرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں،

مگر باب ۷ آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال
 چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور
 غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو "غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

۱۔ بائبل میں فلسٹیوں سے جہاد کا ذکر ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے،
 ۲۔ کتاب سموتیل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بیحد ہی واقعہ باب ۱ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۳
 میں جہاد کا ذکر ہے،

۳۔ دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا (۹: ۱۰)
 ۴۔ کل پاک جانوروں میں سات سات نر اور انکی ماہ اور انہیں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور انکی ماہ اپنے ساتھ

(۱۰: ۱۰)

بارہواں اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا۔

اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیرخوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، اور نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندھی بنا لیا تھا، اس کے برعکس کتاب قضاة کے باب سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل ان کے سامنے عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں ہے اب غور فرمائیے کہ جب باشندگان مدین عہد موسیٰ میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک ان کو عاجز اور مغلوب رکھا۔

کتاب خروج باب ۹ میں ہے۔

اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی

کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے

کیا مصریوں کے سب چوپائے مر گئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب میں اس کے

لہ اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدینوں سے جنگ کی

اور سب مردوں کو قتل کیا (۳۱)

۳۱ ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو (۳۲)

۳۲ اور مدینوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا (۳۳) سو اسرائیل رہا اور بنی اسرائیل کے سبب نہایت خستہ حال ہو گیا (۳۴)

۵۵ آیت ۲۰ اور ۲۱

۱ آیت ۶

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

”سو سترحون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے لوگوں اور
 چرچاپیوں کو گھر میں بھگالے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں
 نے اپنے لوگوں اور چرچاپیوں کو میدان میں رہنے دیا“
 ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی
 کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف
 کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:-
 ساتویں ہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی
 آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹھہر گئی، اور پانی دسوا

ہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں ہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں“
 ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں
 دسویں ہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں ہینہ میں آرمینیا کے پہاڑوں پر
 کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶
 سفر سموتیل ثانی کے باب ۱ اور کتاب تواریخ اول
 کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار

اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم
 کلارک کی تفسیر جیلد (بہ ذیل عبارت: سموتیل) سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہائے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں۔

اور ساتویں ہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹک گئی (۱۵)۔

آیت نمبر	الفاظ کتاب سمویل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب توایخ اول باب ۱
۱	داؤد نے جزیہ کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے پھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	حد عسزر	۳	حد عسزر
۴	ایک ہزار سات سو سوز	۴	ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار
۸	لورداؤد بادشاہ ہطاہ اور بیروتی سے جو ہمد عسزر کے شہر سے بہت سا پتیل لے آیا،	۸	اور ہمد عسزر کے شہروں بخت اور کون داؤد بہت سا پتیل لایا،
۱۰	لورام	۱۰	حد ورام
۱۲	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۳	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۴	ابی یازر کا بیٹا اخیلک کا بن تھے، اور شرابا ^{۱۴} طشی تھا،	۱۴	اور ایلک بن ابیا تر کا بن تھے اور شرابا ^{۱۴} طشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں،

کتاب سمویل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب توایخ اول کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے اختلاف ۲۷ تا ۳۲

اس کو بیان کیا ہے :-

۱۴ انبارالحق کے سب نسخوں میں جزیہ کا لفظ ہے، مگر بعضے پاس سب ترجموں میں دار الحکومت کا لفظ مذکور ہے، ۱۵ انبارالحق میں منقول الفاظ ہیں "اخیلک سرا ایلک" جس کا مطلب ہو کہ اخیلک اور شرابا^{۱۴} دونوں طشی تھے، مگر بعضے پاس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے عن میں ذکر کئے، ۱۶

آیت نمبر	الفاظ کتاب سومئیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اول باب ۸
۱۶	اور ہدیہ عزر کی فوج کا سپہ سالار سو بک	۱۶	اور ہدیہ عزر کا سپہ سالار سو بک
۱۷	سلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے،	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار سپاہیوں کو مارا،
۱۸	اور ان کی فوج کے سردار سو بک کو ایسا مارا	۱۸	اور لشکر کے سردار سو بک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں کچھ اختلافات موجود ہیں،

کتاب سلاطین اول باب ۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ :-
 اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے ۔
 ۴۰ ہزار یا ۴۳ ہزار؟
 اختلاف نمبر ۳۳

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے ۔

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب تواریخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کر لیا،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شرح کا پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے :-

”بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تخریف واقع ہونے کا

سہ ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۹ء میں ۴ ہزار میں کا لفظ ہو، ”وکان سلیمان اربۃ آلا ت مذود“ انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے ۔“

اعتراف کر لیں :

کتاب سلاطین اول کے باب ۷ آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ
 ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف موجود ہے،
 آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح
 اختلاف نمبر ۳۴

کے ذیل میں کہتا ہے :-

بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو
 تسلیم کر لیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بعتریم بقریم کی جگہ استعمال ہو گیا ہو۔
 حالانکہ بقریم کے معنی بیل کے ہیں، اور بقریم کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے
 کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کر لیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک
 کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،
 یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے سرق پیدا ہو گیا :

کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت میں یوں ہے کہ :-
 اور جب وہ (یعنی آخر) سلطنت کرنے لگا تو بیس
 برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی :-
 گیارہ سال کی عمر میں بیٹا
 اختلاف نمبر ۳۵

۱۷ ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک محل کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت
 بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے "اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد سوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اُسے یعنی بڑے
 حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو دو قطاروں میں تھے، اور جب ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے" (صفحہ ۱۷۷)
 اور کتاب تواریخ میں ہے "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد سوں ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کو
 چاروں طرف گھیرے ہوئے تھیں یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اس کے ساتھ ڈھالے گئے تھے" (صفحہ ۱۷۷)
 یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے

انگلیوں کا تذکرہ ہے، مشدداً ملاحظہ فرمائیے کہاں لٹو، کہاں بیل اور کہاں لکڑیاں؟ تعق

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہے۔

جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا :

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا، جمعاعات کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اترار کیا ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے بائبل کی شرح کے ذیل میں کہا ہے۔

تغالب یہ ہے کہ بجائے عیس کے میں لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب آیت ۲ ملاحظہ کیجئے۔

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶ | اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ۔

”آخر میں برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس اور شلم میں سلطنت کی و

اور باب ۲۹ میں ہے:-

حزقیاہ پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا :

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہوگی

اختلاف نمبر ۳، تحریف کا مشورہ | سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۲ کے

سہ کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا، اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تعسیرین کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے۔
 ”کتاب سموتیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح
 بنا دیا جائے۔“

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے
 اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ
 ۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموتیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح
 بنا ڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ
 یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے؛

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے۔
 ”شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے انخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں
 ماہے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس
 بعشا کا یہوداہ پر حملہ
 اڑتیسواں اختلاف

سلطنت کی

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ۔

”آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھا آیا۔“

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

لے چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے ہائے باس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں
 کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموتیل کے الفاظ یہ ہیں۔ اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو اردن اور
 دوسرے عینگوں اور لوہے کے کلباڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پڑا دیں سے چلایا الخ۔ بالکل یہی مفہوم
 کتاب تواریخ میں بھی ہے، صرف آخری جملہ خط کشیدہ، اس میں موجود نہیں۔

عبارت کے بموجب بعثا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہو، اور آسا کی سلطنت کے چھبیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گزر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا بیڑا پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنزی واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے:- ”ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے۔“

آشر جو ایک بڑے پائے کا سچی عالم ہے، کہتا ہے کہ:-

یہ سال، یعنی چھبیسوا سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم سال ہے، جو یوربعام کے عہد میں ہوتی تھی۔

بہر حال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ تقسیم بادشاہت کے بجائے آسا کی بادشاہت لکھا گیا۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:-

اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ ہوئی

انتالیسواں اختلاف

یہ بھی سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ کے مخالف ہو جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے

سلاطین اول کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے

کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی

منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف

کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

لہ کیونکہ اس نے ۲۴ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد، بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶

سال ہوئے، اور سلاطین اول بی میں ہو کہ بعثا اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا۔ (۱۶) اور شاہ یہود آسا

کے چھبیسویں سال سے بعثا کا بیٹا ایلہ، ترصہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا۔ (۱۶)

۱۶ تعارف کے لئے دیکھئے ماشیہ صفحہ ۱۸۵۳، سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے، اور تواریخ

میں بتاتے ہیں ہزار چھ سو آدمی ان کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے۔ ۱۶

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تخریفت کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بت پانچ ہزار تک
اختلاف نمبر ۴۱

سلاطین اول کے باب، آیت ۲۶ میں ہے:-
”دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا“
اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ:-

تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء میں ہے کہ:-

دو ہزار بت دران گنبد۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ:-

دو ہزار حشم آب می گرفت۔

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

سہ ہزار بت دران گنبد۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ، تہ ہزار نم آب گرفتہ تھا، میداشت

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قیسدر ہا ہونیوالوں
کی تعداد؟ اختلاف ۴۲

جو شخص کتاب عزرا کے باب کا مقابلہ کتاب
نحمیا کے باب سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں
میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

۱۔ یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں دو ہزار بت کی ساتی تھی، (۱۔ سلاطین ۲۶)

۳۔ اس میں تین ہزار بت کی ساتی تھی (۲۔ تواریخ ۴۱)۔

سے قطع نظر بھی کر لیں، تب بھی ایک دوسری غلطی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں سے یردشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ افسراد تھی، لیکن اگر ہم جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نو اسی ہوتی ہے اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مورخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسیفس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:-

جو لوگ بابل سے یردشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو ساٹھ افسراد تھا۔

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے میں اختلافات موجود ہیں، جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانے والوں کی مردم شماری کی گنتی ہے:-

آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب	آیت نمبر	الفاظ کتاب نحمیاہ باب
۶	بنی پخت دو ہزار آٹھ سو بارہ	۱۱	بنی پختوآب دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ
۸	بنی زقو، نو سو پینتالیس	۱۳	بنی زقو آٹھ سو پینتالیس
۱۲	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس
۱۵	بنی عدین، چار سو چوٹن	۲۰	بنی عدین، چھ سو پچپن
۱۹	بنی حاشوم، دو سو تینیس	۲۲	بنی حاشوم، تین سو اٹھائیس
۲۸	بیت ایل اورعی کے لوگ، دو سو تینیس	۳۲	بیت ایل اورعی کے لوگ، ایک سو تینیس

۱۷ یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ

لکھی ہے ۱۲

اس باب میں اور کتاب نمبر ۱ کے باب میں کتابوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کر دی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہو گیا۔

اب آپ حضرات غور فرمائیں ان کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تخریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز آج دنوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی تصور نہیں ہے کہ وہ بچا لے جب عاجز ہو گئے تو انہوں نے ان بے گناہ کتابوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحب ان دو بابوں میں غور کریں گے تو اعسلاط اور اختلافات کی تعداد میں سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تخریف کریں گے؟

اب سیاہ کی ماں کون تھی؟
اختلاف ۴۳

کتاب تاریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۲ میں شاہ اسیاہ کی ماں کے بارے میں ہے کہ:-

اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اورسی ایل جس کی بیٹی تھی۔

اور باب ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں مغنی ایل سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

۱۵ اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تفسیر ثانی میں اختلافات موجود ہیں، غور فرمائیے کہ تہمت سے حصہ کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

۱۶ نیز اس سلاطین ۱۵ سے، اس میں ہے کہ اس کی ماں کا نام مکلہ تھا جو ایل سلول کی بیٹی تھی ۱۲ ات

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام مَرْتھا تھا،

کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یہ دشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہو گئے

اختلاف ۴۴

اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یر دشلیم پر نہیں ہوا

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت میں یوں ہے کہ:-

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵

اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا

اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گنہ

اور تواریخ ادل کے باب ۲۱ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان تھا،

اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آ گیا،

جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ

اختلاف ۴۶ تا ۵۱

جو انجیل متی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل

میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا :-

۱۔ اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام مَرْتھا تھا :-

۲۔ اور یہودیوں کو جو یر دشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال دیئے، سو یہوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن

تک یر دشلیم میں بسے ہوئے ہیں :-

۳۔ اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اٹھ کر اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے :-

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی،

دوسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء و احبہ داد داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی چلا وطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص،

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شانائیل یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے،

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ایہوزہ ہے، اور لوقا سے

۱۰ یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنہیں انجیل میں حضرت مریم کا شوہر کہا گیا ہے اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۳)، یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیسیٰ کا لوقا ۳، عربی ترجموں میں عیسیٰ کے بجائے عالی ہے۔

۱۱ لوقا ۳

۱۲ متی ۱۳

۱۳ چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر محسوس اشخاص ہیں،

۱۴ متی ۱۳، لوقا ۳

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زور بابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اقل کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابلی ہود کا، لہذا سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک | متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف | مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۴۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۳۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اگھارن، کیسرو، ہینس اور ڈیوٹ اور دیز اور فرسٹ، وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہو کر اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

۱۹۰۵ء دیکھے صفحہ ۳۸۹ جلد ہذا، غلطی نمبر ۴۸،

کئی ۱/۲ لوقا ۲/۲

جرمنی کا مشہور پبلسٹنٹ عالم ۱۲ ات

Eichhorn

۱۹۰۵ ایچارن

روم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجیہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت غدر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۳۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ :-

نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر جہدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطان و سچاں نہیں۔ لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دو سر مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد ہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے، اس طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زہ نہ ایسا ضرر کرے گا۔

بہر حال انہوں نے یہ تو اعتراض کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پر اگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کا اعتراض مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد شاہد^۱ ۱۶ میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

اور دوسا کے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف نجار کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے؟

اور جب تین حبر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کو غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحب الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح نوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحب الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف نجار کے نسب کے سلسلہ میں مل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابقت ایک برق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے برق کو پسند کر لیا،

مفسر مذکور کی یہ توقع کہ زمانہ ضرور ایسا کرے گا ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندہ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی وار میں باطل و شرار و دیدیا،

۱۵ یوسف نجار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصر میں بڑھتی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملت عیسوی کا مقتدا ہے عظیم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کرنا کہ وہ مکار و غدار ہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف روشن ہو گیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجے میں اصلاح کے باجم عروج پر پہنچ گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہا نیوں، اور واہیات تو ہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیا، اب کسی دوسرے دور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف آجل جو مشہور توجیہ چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ مکن ہو کی توجیہ، اور اس کا جواب متی نے یوسف کا نسب اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کر دی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کر لیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے:

اول تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناسن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ ان کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف نجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسیح نہیں ہو سکے، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالون نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

لے کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جا رہی تھیں ان کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۲

جو شخص مسیح کے نسبت سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے۔
 دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تواریخ
 سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں، اور ناتن کی اولاد میں سے تھیں،
 اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلدک وغیرہ
 جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا ذکر رہا ہو،
 یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مطبوعہ
 دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح
 ہے کہ مریمؑ کے والدین کا نام یہوذاقم اور عانا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہائے معاصر
 عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو
 کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور ہیبت ہی قدیم ہے،
 اور اس کا مولف سردن اولیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم
 معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح
 پائی جاتی ہے کہ :-

”مریم علیہا السلام لادسی کی قوم سے تھیں۔“

یہ چیز ان کے ناتن کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی
 میں ہے :-

اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے۔ یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی۔ (گنتی ۲۶/۲۷)

اور انجیل لوقا میں ہے :-

”ذکر یا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی۔“

اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریا کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم بھی ہارون کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریم کے مزعمہ شوہر یعنی یوسف نجار، بھی ہارون کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں ان کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے اور غالباً یہ اہل تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جاسکے، اور یہودی لوگ ان کے مسیح موعود ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعود کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے۔

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامہ گھڑ لئے،

اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑنیوالا دوسرے کی جلسازی سے واقف نہ ہو سکا، جن کے نتیجے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مریم ہالی کی بیٹی ہوئیں تو یہ امر متقدمین سے کہے محض رہ سکتا تھا۔

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکبک توجیہات نہ کرتے، جن کو متاخرین نے
زد کیا، اور ان پر لعنت طامت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”يعقوب بن يوسف“

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں:- ”ديوس يوسف توباني“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھتے ہیں،
پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مریم ہالی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی
عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہو جاتے کہ واقعی یہودیوں
کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں
داخل کر دیا جاتا تھا اور بیٹی کے لکھا جاتا مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہو سکی ہے،
اور پرنسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور کمزور و باطل استنباط
ہمارے خلافت نہیں ہو سکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں،
بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں
میں سے ہو یا اس کا استاد یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور ہو تو اس
شخص کی نسبت اس کی جانب ہو سکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں امیر
یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کا شاگرد یا فلاں صاحب کامریہ ہے

۱۵ یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ ”يعقوب بن يوسف“ سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۶) ”یوسف“

کا بیٹا تھا اور وہ عیسیٰ کا ”لوقا“ ۳

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے۔ اور سلسلہ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ ان کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں | انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا مشہور یا معتبر نہ تھی | ہو کہ لوقا مسیح کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اچھے پھلوں کو حیران بنا رکھا ہو، اور ایک دوسرے بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دور ہو سکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳ | جو شخص انجیل متی کے باب کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے عین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

ولادت مسیح کے بعد | متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے والدین مسیح کی حضرت مریم کہاں رہیں؟ پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر چلے گئے، اور ہیرودیس

لے ہٹس وہ امشا اور سچ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آ گیا (متی ۲۱)

لے ہیرودیس | Herod the great | یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصروں میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زبلی کے دن پورے کرتے ہی یرושلم چلے گئے تھے، اور سربانی کی رسم ادا کر کے ناصروں چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا، البتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یرושلم چلے جاتے تھے، ان مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر عمر کے بارہویں سال میں یرושلم میں تین روز قیام کیا، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت لحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر ان کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصروں میں ہو سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں ان کی آمد بیت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے والدین مصر آگئے ہوں اور وہیں ان کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہودوں کے علاقہ سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟ متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یرושلم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلنے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن تھے،

۱۰۔ جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یرושلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں (لوقا ۲۴)

اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر کے توحلیل میں اپنے شہر ناصروں کو بھیج گئے (متی ۲۳)

اس کے ماں باپ ہر برس یرושلم پر یرושلم جاتا کرتے تھے (متی ۲۳، لوقا ۲۲: ۵۱ تا ۵۱)

۱۱۔ باب ۲، آیت ۱۲ تا ۱۲

۱۲۔ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو پورا تاکہ اسے ہلاک کرے (متی ۲۳)

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زہی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے پر دشلیم گئے تھے، تو دشمنوں نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیح کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے ان کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے،

اسی طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یہوشلیم میں مسیح کے ہستیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یہوشلیم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جاتے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یہوشلیم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، قاضی ٹورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اس نے دونوں بیانیوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جماعت کو "دعوت تمثیلات" کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

۲۸۴۳۶ ۵

۳۲۱۲۵ ۵

۱۵ "دعوت تمثیلات" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حنائی کو تمثیلات کے پرانے میں بیان فرمایا تھا، اور "پہاڑی وعظ" سے مراد وہ وعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ وعظ ۱۵ دہ میں موجود ہے، نقلی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے پہاڑی وعظ کے بعد پیش آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے، لہذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو ابہامی فترار دیتے ہوں یا لوگوں کا ان کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی فترار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵ مرقس باب ۱ میں لکھا ہے کہ مسیح اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلیم پہنچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا،

اس کے برعکس متی نے باب ۲ میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گزشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جلد مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶ پر کہتا ہے:-

ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اختلاف ۵۶ متی باب ۱ میں پہاڑی وعظ کے بعد پہلے کوڑھی کو صحت یاب کرنے کا واقعہ لکھا ہے، پھر حضرت عیسیٰ کے کفرنا حرم پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفا دینا، پھر بطرس کے حامیوں کو شفا دینا بیان کرتا ہے،

۱۵ باب ۸، آیت ۲۳، ۲۴، ۲۵،

۱۶ یروشلیم پہنچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۴ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے

واقعات میں مذکور ہوا اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا، ۱۷ آیت ۳، ۱۸ آیت ۱۳، ۱۹ آیت ۱۶

اس کے برعکس یوحنا سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے، پھر باب میں کوڑھ کو شفاء دینا، پھر باب میں صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا بیان کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیابوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیا کون تھا؟ یہودیوں نے کاہنوں اور لاوی کی اولاد کو یحییٰ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ "تو کون ہے؟ چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ اختلاف ۷۷

"کیا تو ایلیا ہے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ "میں ایلیا نہیں ہوں"

جس کی تصریح انجیل یوحنا، باب میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول حضرت

یحییٰ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

"اور چاہو تو مانو، ایلیا جو آنے والا تھا یہ ہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیر کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضرور ہے اس نے جواب میں کہا کہ ایلیا السبت آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ گیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دکھائے گا، تب شاگرد

مجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے" (آیت ۱۰ تا ۱۳)

۱۷ (۱۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام سمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲

۱۷ آیت ۱۳ ، ۱۷ آیت ۱۰ ، ۱۷ آیت ۱۹ تا ۲۱

۱۷ "فقیر" اور "کاتب" سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲

۱۷ انجیل میں حضرت یحییٰ کا نام یوحنا المعمد مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوتی کہ یحییٰؑ ہی موعود اینیام ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاری کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰؑ مسیح

موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہو یقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو باروخ علیہ السلام نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا جلاڈالا، تو ارمیا علیہ السلام کی جانب یہ وحی آئی اس لئے شاہ یوزاہ یہو یقیم کی بات کو فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں کوئی نہ ہوگا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۲۳ میں کی گئی ہے، حالانکہ مسیح کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھا ضروری ہے، جیسا کہ داؤد نے حضرت جبریلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا کہ: "اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا" دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہ کے آنے پر مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیاہ نہیں آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا نام

۱۵ حضرت ارمیا علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو ہم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بنا پر نجات نصرت کے عذاب کی پیشگوئی تھی، بادشاہ دقت یہو یقیم نے جب اسے سنا تو اُسے جلاڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۲ آیت ۲۲ میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے:-

مکیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو ہرگز یہ دلوں کو بھی گمراہ کر لیں؛

اور تمہیں لینگے والوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۹ میں پوس کا قول و حال کے حق میں مذکور ہے کہ:-

جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ؛

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو تو ریت کے حکم کے

بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویٰ کرے تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے)، اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہ یوسف کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان کے پہلے ایلیا بھی نہیں آتے، جیسا کہ یحییٰ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیا نہیں ہوں، اس کے خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ ماتے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات عقلاً

حال، کہ ایلیا خدا کا پیغمبر اور صاحب الہام ہو، اور خوزاپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس کو دوسری مقدمہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ واجب القتل ہوتے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں ہو سکتے، چہ جائے کہ ان کو دلیل نبوت مانا جائے، لہذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی تصور وار نہیں قرار دیتے جاسکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہی، جبکہ دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلہ طور پر صاحب معجزات بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کے پے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے، اس سلسلہ میں عیسائیوں نے ان پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

اختلاف ۵۸ تا ۶۳ | انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں اس طرح کہا گیا ہے۔

”دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔“
تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعویٰ کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی باب ۳
آیت ۱ سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

”دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔“
دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اول تو لفظ تیرے آگے تینوں
انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیا علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے
ملاخیا کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر محکم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے
ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہو دن اپنی تفسیر حبلہ میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

تخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم
نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے۔“

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

اختلاف ۶۴ تا ۶۷ | انجیل متی باب ۱ کی آیت ۱، کتاب میکاہ کے باب ۳ آیت ۱ کی مخالفت
اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۴ کی آیات نمبر ۲۵ تا

۲۸، عربی ترجمہ بابل کے بموجب زبور نمبر ۵ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے ۱۔ تبار سے
زبور نمبر ۱۶ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالفت ہیں۔۔۔۔۔۔ اور عبرانیوں کے نام خط

۱۱ مگر مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ قول یسعیانہ کی کتاب کا خود زبور ۱۱۱، باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

۱۳ اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا عاشریہ ۱۴

۱۵ کتاب اعمال میں ہر ۱۱ میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہوتا ہے مجھے جنبش

نہ ہو اسی سبب میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا..... تو نے مجھے زندگی کی

راہیں بتائیں (۲: ۲۵ و ۲۸) اور زبور میں ہر ۱۱ میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (باقی صفحہ آئندہ)

باب کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی زد سے) زبور نمبر ۳۹ یا دوسرے تراجم کے اعتبار سے، زبور نمبر ۴ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں،

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں۔

اختلاف ۶۸ | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب کی آیت ۹ میں ہے کہ :-

رہیقہ حاشیہ صوفیہ مشتمل، چونکہ وہ میرا دانا تھا، اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب میرا دل خوش اور میری نینچ شامان ہو، میرا جسم بھی امن و امان میں رہے گا..... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا (۱: ۱۰ تا ۱۱) مخلصیہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

۱۰ عبرانیوں کے نام، تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں (۱: ۱۰ تا ۱۱) اور زبور کا ہے: قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی..... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہے، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے (۴۰: ۸ تا ۹)

۱۱ کتاب اعمال، میں پھرا کر داؤد کے گرسے ہوتے نیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کر کے اُسے کھڑا کروں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں، اور عاموس: میں اس داؤد کے گرسے ہوتے مسکن کو کھڑا کر کے اس کے رخنوں کو بند کروں گا، اور اس کے کنڈر کی مرمت کر کے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کروں گا، تاکہ وہ آدمی کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میری نام سے کہلاتی ہیں تابعین ہوں (۱۱: ۱۹) اختلاف ظاہر ہے،

”بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہوگا جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں
 نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کر دیں“
 عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہو
 اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”کیونکہ ابتداء ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے
 تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے“

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں اور
 تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

اختلاف ۶۹ | متی نے اپنی انجیل کے ہائٹ میں لکھا ہے کہ:-

”عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا

ہوا دیکھا اور ان کو اندھے پن سے شفا دے دی“

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے ہائٹ میں یوں لکھا ہے:-

”تو ستانی کا بیٹا برتھائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا“

پھر اُسے شفا دینے کا واقعہ مذکور ہے،

اختلاف ۷۰ | متی نے ہائٹ میں لکھا ہے کہ:-

”عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی

ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں

کو شفا دی“

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب ۸ میں لکھا ہے کہ :-
 ان سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انہوں نے اس کو شفا دے دی
 متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۱

”عیسیٰ علیہ السلام نے دُش گروں کو گدھی اور اس کا بچہ
 لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے“
 اور باقی ان تینوں انجیل والوں نے لکھا ہے کہ :-

صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے“

مرقس نے باب اول میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۲

”یعنی مٹڈیاں اور خشکی کا ہشہد کھایا کرتے تھے“

اور متی باب میں لکھا ہے کہ :-

”وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے“

جو شخص انجیل مرقس کے باب اور انجیل متی کے باب اور
 انجیل یوحنا کے باب کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے

اختلاف ۳، ۴، ۵

اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل اختلافات نظر آئیں گے :-

متی اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۔ مرقس ۲:۵، لوقا ۱۸:۲، یوحنا ۱:۱۹، دیوانہ کی بجائے جس میں بدرد میں تھیں کے

انفاظ میں ۱۲ آیت ۲، ۳ مرقس ۵: ۱۰، لوقا ۱۱: ۱۹، ۲۸، ۲۹، یوحنا ۱۲: ۱۲،

۳ آیت ۶، ۵ آیت ۱۸، ۱۹، ۱۰ آیت ۱۸، ۲۲، ۱۸، ۳ آیت ۱۶، ۲۰،

۴ بیان سے اختلاف نمبر ۸ تک کسی جگہ انجیل کی عبارتیں بیہنا نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان

سے کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اگرچہ وہ واوین کے درمیان ہیں۔

”عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل
کی جمیل کے کنارے ہوئی، مسیح نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے مسیح
کی اتباع کی“

اور یوحنا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

”یعقوب کے سوا دوسروں سے دریا سے اردن کے پار ملاقات ہوئی“

مہتی اور مرقس کہتے ہیں کہ :-

”پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جمیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب
اور یوحنا اسی جمیل پر ملے“

اور یوحنا لکھتا ہے کہ :-

”پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی ...

اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیح نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ
کیا تو فیلیپس آکر بلا، پھر اس کی ہدایت پر نثنیٰ ایل حاضر ہوا“

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

مہتی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ :-

”مسیح جب اُن سے ملے ہیں تو ہم لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے“

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ :-

”یوحنا اور اندراوس نے یحییٰ سے عیسیٰ کی تعریف سنی اور دونوں خود مسیح کی خدمت

لے آیت ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود

لے آیت ۴۲ تا ۵۱،

رہنے کے وقت بیان کیا ہے،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا۔

لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی
جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے
باب سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے
تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:-

اختلاف ۷۶

”رئیس شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مر گئی۔“

دوسری انجیل کہتی ہے:-

”وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب ہے، پھر عیسیٰ اس کے ہمراہ گئے، پھر
جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انہوں نے اس کے مرنے
کی خبر دی۔“

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل
کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس
بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ محل حال نہ لکھتا،
لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے
آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا۔

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت کج تک معمرہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات
میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مر گئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندر اس کی موت
کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مردہ نظر آتی تھی،

سن ۱۸۱۹ء، ۱۵ مرقس ۲۳:۵، ۱۵ آیت ۳۵،

۱۵ لوقا ۸:۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تعق

واقع میں مری نہیں تھی،

بالٹن اور شیلی میٹر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سو رہی ہے۔ ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مرادے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا۔

انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو ان کو اپنے ساتھ لاشی

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت
اختلاف نمبر ۷،

رکھنے سے منع کیا، انجیل مرقس باب آیت ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاشی لینے کی اجازت دی تھی،

حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو

انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-
جب عیسیٰ یحییٰ کے پاس اصطباغ کے لئے آئے
تو یحییٰ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود اپنے پیٹھ

کت پہچانا؟ اختلاف ۸،

لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰ نے ان سے اصطباغ لیا، اور

۱۰ لوقا: ۸: ۵۳ در مرقس: ۵: ۳۹،

۱۱ راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دود دگرتے، نہ جوتیاں، نہ لاشی، (۱۰: ۱۰)

۱۲ راستہ کے لئے لاشی کے سوا کچھ نہ لو (مرقس ۸: ۱۶)

۱۳ اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہو کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں

پاکو، رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دھلتے ہیں، کوئی شخص نہایت عیسائی ہو تو اس

کو سب پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو "بپتسمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی

پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۲ تھی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی ۱۰

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں لکھا ہے کہ ۱۱۔

یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے،

اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے

کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو رُوح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی رُوح القدس

سے بپتسمہ دینے والا ہے ۱۲

اور انجیل متی کے باب الی میں یوں ہے: ۱۳۔

۱۴ اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سنکر اپنے شاگردوں کی معرفت

پوچھا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں ۱۵

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو نزولِ رُوح کے پہلے سے جانتے

تھے، اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ رُوح سے پہلے بالکل واقف نہ

تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو

نہیں پہچانا، ۱۶

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں

کی ایسی توجیہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

۱۷ آیت ۳۲ و ۳۳،

۱۸ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۹

۲۰ کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بنا پر انکار کیا ۲۱

۲۲ اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۲۳

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازانہ شکرک میں کی ہے، چونکہ توجیہ مذکورہ مذکور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا، اس لئے میں نے تطویل کے اندیشے سے اسے یہاں ترک کر دیا۔

اختلاف ۷۹ | انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے۔
 ”میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں“

اور اسی انجیل باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ۔

”اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے“

اختلاف ۸۰ | انجیل متی باب ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفا کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذریت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سورینیسی تھی،

حضرت عیسیٰ نے کیتوں کو شفا دی؟ اختلاف ۸۱ | مرقس باب ۷ میں لکھا ہے۔
 ”عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا
 تاجو بہرا اور گونجا تھا“

اس کے برخلاف متی نے باب ۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ۔

ص ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنف نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،

۳۵ اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ (۱۵: ۲۲) ۳۵ آیت ۲۶،

۳۵ آیات ۳۲ ۳۵ ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

”ایک بڑی بھیڑنگڑوں، اندھوں، گونگوں، سُندوں اور بہت سے اور بیماریوں
کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور اُن کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے
انہیں اچھا کر دیا۔“

انجیل کی غیر معمولی سبالتہ آرائی | یہ سبالتہ ایسا ہی ہے جس قسم کا سبالتہ چوتھی انجیل والے نے
اپنی انجیل کے آخر میں کیا ہے کہ ۱۔

”اور میں بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں
کہ جو کتابیں بھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔“

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پروازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ
ہو کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی ٹیسی کو ٹھری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ بڑے
عیسائیوں کے نزدیک صاحب الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے
اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیح نے حواریوں سے خطاب کرتے
اختلاف نمبر ۸۲ | ہوتے کہا۔

”تم میں سے ایک مجھے پکڑو گے گا، وہ بہت دل گیر ہونے، اور ہر ایک اس کا کہنہ لگا
لے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طہانی میں ہاتھ
ڈالے، وہی مجھے پکڑو گے گا..... یوحنا نے جواب میں کہا، ربی، کیا میں ہوں؟
اس نے اس سے کہا تو نے خود کہا دیا۔“

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ،

میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑو اے گا، شاگرد مشبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف بھٹکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور نے کرشمعون اس کو پوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا۔

اختلاف نمبر ۸۳ | متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے ہوئے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ:-

یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کر لینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کر لیا۔

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۸ میں اس طرح ہے کہ:-

پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چسراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اُس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصرہ کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں

ہی ہوں، وہ چھپے بہت کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم
 کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں
 تم سے کہہ تو چکا... کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جاؤ
 تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع
 کو پکڑ کر باندھ لیا۔

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ
 سے اختلاف کر رہے ہیں۔

پطرس کا انکار
 اختلاف نمبر ۸۲

① متی اور مرقس کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰ

کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوتے مرد، اور لوقا کی
 روایت کے مطابق ایک باندی اور دو مرد تھے،

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے در روایت انجیل، گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا
 کہ تم مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچانے سے انکار کر دو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت
 عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انہیں باری باری آگ کی روشنی
 میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہی، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰ کا ساتھ ہی ہونے اور آپ کو پہچانے
 سے انکار کیا، اتنے میں مرغ بول پڑا تو انہیں حضرت عیسیٰ کی کبی ہوئی بات یاد آئی، مصنف یہاں اس واقعہ
 کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تھی

۱۲۶: ۵۵۶،

۱۳: ۲۲۶، میں مذکور ہو کہ ایک لونی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے

ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

۱۲۳: ۲۲، ۱۳۵۶،

② پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس کے مکان کے عین میں تھے، اور لوقا کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے پینچے کے حصہ میں تھے، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر،

③ پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

④ مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا

یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

⑤ متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو

مرغ کے مانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا،

⑥ پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت

کے مطابق یہ ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے" اور یوحنا کی روایت کے مطابق

صرف "میں نہیں ہوں" تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب "میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے" اور لوقا کے بیان کے موافق "اے عورت میں اس کو نہیں مانتا"

۱۷ آیت ۶۹، ۱۷ آیت ۵۵، ۱۷ آیت ۶۶، ۱۷ یوحنا ۱۸: ۱۶، ۱۷، ۱۸

۱۷ یوحنا میں ہے کہ "کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟" (۱۷: ۱۸) لوقا میں ہے کہ لونڈی نے

سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا؟" مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا "تو بھی یسوع گیلی کے ساتھ تھا؟"

۱۷ متی ۲۶: ۲۵، ۲۶ لوقا ۲۲: ۲۴

۱۷ مرقس ۱۴: ۳۰

⑥ متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا "میں اس آدمی کو نہیں جانتا" اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ میں نہیں ہوں۔ اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق "میاں میں نہیں ہوں"۔

⑧ کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

انجیل لوقا باب ۲۳ میں ہے کہ:-

اختلاف نمبر ۸۵

"اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انہوں

نے شمعون نام ایک کرستی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ

یسوع کے پیچھے چلے"۔

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:-

"پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک

باہر گیا جو کوٹھری کی جگہ کہلاتی ہے"۔

پہلی تینوں انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۶ بجے

اختلاف نمبر ۸۶

کے قریب صلیب پر تھے،

۱۵ آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۲۴، ۲۵ مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھائے کوٹھری

کی جگہ تک گیا ۱۲، ۱۳ قیردان شہر کی جانب منسوب ہے،

۱۳ متی ۲۷: ۲۴، ۲۵ مرقس ۱۵: ۲۳، ۲۴، ۲۵ لوقا ۲۳: ۲۳، ۲۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت

مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھا یا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر

چھ بجے کے بجائے "دوپہر کے قریب" کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطس نبطلی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸ متی اور مرقس ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیح کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ،

”وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوتے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے“
لیکن لوقا کا بیان یہ ہے کہ ایک نے مسیح کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلا کر کہا
اے یسوع، جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا؟
پھر مسیح نے اس کو جواب دیا کہ،

”آج ہی تو میرے ساتھ نسر دوس میں ہوگا“

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۲۹ء، ۱۸۳۰ء، ۱۸۳۳ء و ۱۸۳۶ء کے مترجموں نے
متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تشبیہ کو
مفرد سے بدل دیا، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

۱۵ یوحنا ۱۹: ۱۳ کے اردو ترجمہ میں بھی چھپے گھنٹے کے الفاظ ہیں ۱۳

۱۶ پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۳

۱۷ متی ۲۷: ۲۴، مرقس ۱۵: ۳۲،

۱۸ ۲۳، ۲۲، ۲۳

۱۹ صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی یاد کرنا چاہیے کہ آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے
جھڑک کر جواب دیا کہ ”کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ“ (۲۳: ۲۰)
۲۰ مگر موجودہ اردو ترجموں میں تشبیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸ | انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
اریحہ سے روانہ ہو کر یردشلیم پہنچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۲
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افراتیم سے چل کر بیت عین پہنچے جہاں پر رات گزار سی، پھر
یردشلیم آئے،

حضرت عیسیٰ کا مردوں کو
زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹ | ان انجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مردوں کو زندہ کیا،
اول ریس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلوں

دالے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے
تیسرا عزرا جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،
مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ۔

”مسیح کو دکھا اٹھا حاضر ہے، اور سب پہلے وہی مردوں میں سے زندہ ہو کر اس
امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا۔“

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ۔

”مسیح مردوں میں سے ہی اٹھا ہے اور جو سونگے ہیں ان میں پہلا پہل ہوا۔“

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

”مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل

مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ۔“

۱۱ آیت ۱۱، ۱۲،

۱ آیت ۵۲،

۱ آیت ۲۳،

۱ آیت ۲۲، ۲۳،

اور کلتیوں کے نام پولس کے خطا کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرے ہوتے لکھا ہے:

مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا، تاکہ سب مردوں میں اس کا اول درجہ ہو

یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب

پہلے اٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس

کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ (۱) وہ مردوں میں سب پہلے کھڑا ہوگا، (۲)

سونے والوں میں پہلو ٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلو ٹھا ہے اور مردوں میں پہلے،

اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے:

تو دیوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا

اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے،

جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کبھی لوہے

نہیں آتا، وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی (آیات ۱۰-۱۱)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں:

آبر پر آگندہ شدہ نابود می شود بہ ہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخاندان

دیگر برنخواہد گردید و مکانش دیگر دیرا نخواہد شناخت

ترجمہ "بادل پہ آگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر یا نہیں

آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو

نہ پہچانے گی"

اور اسی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

وایسے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگانے جائیں گے۔

پھر آیت ۱۳ میں ہے:

اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے:

انسان میخوابد و نخواهد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواهد شد و او از خواب برخوابد برخاست؟

ترجمہ۔ انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اٹھے گا۔

اور چودھویں آیت میں ہے:

آدمی ہر گاہ مگرد، آیا زندہ می شود؟ جب آدمی مر جاتا ہے تو کیا وہ زندہ ہوتا ہے؟

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے کبھی بھی مردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۷ میں معلوم ہی ہو چکا ہے،

نیز ایوب کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسیح کا مردوں کے درمیان اٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سولی دینے جانے کا واقعہ ان

۱۔ کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

۲۔ یہ بات قدیسے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہے، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا، لہذا

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتی کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ محض الزامی طریقہ پر کہا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جا چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ زندہ ہونا، اختلاف ۹۰

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدالینی اور دوسری مریم جب قبر کے پاس پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا، اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ۔

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہنچیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل ہو گئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہو گئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں،

۱۵ یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیرد تھیں، (اور بزم نصاریٰ) آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آتی تھیں،

۱۶ انہیں متی ۲۸: ۵ میں یوحنا کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۱: ۱۱ میں یعقوب کی ماں ۱۲

۱۷ پورے الفاظ بتم نہ ڈر کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈ رہی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں ہے، کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ (۲۸: ۵ تا ۷)

۱۸ ۱۶: ۵، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۲۸: ۵ سے ہم نے نقل کی ۱۲ ۱۵ لوقا ۲۴: ۲۲، ۲۳، ۲۴،

اختلاف نمبر ۹۱ متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے جب دونوں عورتوں کو خبر دی کہ مسیح زندہ ہو گیا ہے تو وہ دونوں واپس ہوئیں ، اور

راستہ میں ان سے مسیح کی ملاقات ہوئی ، مسیح نے ان کو سلام کیا ، اور کہا کہ تم جاؤ اور میرے بھائیوں کو کہ دو کہ وہ گلیل چلے جائیں ، وہاں مجھ کو دیکھ سکیں گے ،

اور یوحنا کہتا ہے کہ ان عورتوں نے جب دو شخصوں سے سنا تو واپس ہوئیں اور گیارہ اشخاص اور تمام شاگردوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی ، مگر انھوں نے ان عورتوں کے بیان کو سچا نہیں مانا۔

اور یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ کی ملاقات مریم سے قبر کے پاس ہوئی ،

انجیل یوحنا کے باب ۱ میں لکھا ہے کہ :-

ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریا کے خون تک جو تبران گناہ اور معتدس کے بیچ میں ہلاک ہوا

ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟ اختلاف ۹۲

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے باز نہیں کی جائے گی ،

اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کے عوض ماخوذ نہ ہوگا ،

اسی طرح تورات کے اکثر مقامات میں لکھا ہے کہ اولاد تین یا چار پشتوں تک باپ و ادا کے گناہوں کے عوض ماخوذ ہوگی۔

۱۰۲۸ : ۲۸ ، ۱۰۲۳ : ۹ ، ۱۰۲۲ : ۱۰ ، ۱۰۲۱ : ۱۱ ، ۱۰۲۰ : ۱۲ ، ۱۰۱۹ : ۱۳ ، ۱۰۱۸ : ۱۴ ،

۱۰۱۷ : ۱۵ ، ۱۰۱۶ : ۱۶ ، ۱۰۱۵ : ۱۷ ، ۱۰۱۴ : ۱۸ ، ۱۰۱۳ : ۱۹ ، ۱۰۱۲ : ۲۰ ، ۱۰۱۱ : ۲۱ ، ۱۰۱۰ : ۲۲ ،

اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ (حزقیال ۲۰ : ۱۱)۔

اختلاف نمبر ۹۳

جیمتھیس کے نام پہنچنے خط کے باب آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ :-
 ”یہ ہمارے معنی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا

ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں“

اور تھٹلنیکوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ :-

”اسی سبب خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں

اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب ناپائیں“

ملاحظہ کیجئے، پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام

انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی

ہے کہ خدا ان پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس

ان کو سزا دے گا، حالانکہ پروٹسٹنٹ کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں

نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے

گمراہ کرنا، پھر ان کو سزا دینا تمہارے نزدیک نجات اور معرفت حق حاصل کرنے کی

کوئی قسم ہے؟

کتاب الاعمال کے باب ۲۲ و باب ۲۶ میں

پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے، اور تیمون

ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

پولس کے عیسائی ہونیکا واقعہ

اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

۱۔ یعنی انسانوں کو بخیرگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گزارنا (آیت ۲)

۲۔ یہاں مصنف خاص طور سے علماء پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالق شر نہیں مانتے اور

ردین کی تھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے

کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے، ۳۔ اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس؟

۱۰۱

جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نوراس پر چمکا، اور اسے حضرت مسیح کی

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشوک میں ہم نے
دش وجوہ لکھی ہیں:-

۱- باب ۹ میں ہے کہ:-

جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سننے تھے مگر
کسی کو دیکھتے نہ تھے :-

اور باب ۲۲ میں یوں ہے کہ:-

”اور میرے ساتھیوں نے فوراً دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی۔“
دیکھئے پہلی عبارت میں ”آواز تو سننے تھے“ اور دوسری میں ”آواز نہ سنی“ دونوں کس قدر
مختلف ہیں!

۲- دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدانے کہا کہ:-

”اٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:-

خداند نے مجھ سے کہا اٹھ کر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے معترض ہو،

وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا۔

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

”اٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں

کا بھی خادم اور گواہ معترضہ کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس امت اور غیر

قوموں سے بھانپا ہوں گا۔ میں کے پاس تجھے اس لئے بھیجا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع
لایں، اور مجھ پر ایمان لائے کے باعث گناہوں کی معافی اور معتدسوں میں شریک
ہو کر میراث پاتیں،

دیکھتے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی
تفصیل و توضیح کو شہر میں پہنچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم
ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے،
اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے
اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تینیس ہزار یا چوبیس ہزار؟
اختلاف نمبر ۷، ۹،
۱۰ اور ہم حرام کاری نہ کریں جس طرح ان میں سے
اس طرح کہا گیا ہے کہ:-
۱۱ اور ہم حرام کاری نہ کریں جس طرح ان میں سے

بعض نے کی، اور ایک ہی دن میں تینیس ہزار مانے گئے،
اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:-
تجتنے اس دبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا،

۱۲ جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ (اعمال ۲۶: ۱۲)
۱۳ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور
ہو اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شلیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے
ان میں سے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا، ۱۲ قتی

دونوں میں ایک، زار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک لغتینی طور پر غلط ہے،

حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸

کتاب الاعمال کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہ ۱۔
”پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور ساتھیوں کو جو پھرتے جا رہے تھے بلایا“

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اس بلایے سے قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور ان کی اولاد کے باقی خاندان یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۳۶ کی آیت ۲ میں ہے کہ:-

”تو یعقوبؑ کے گمانے کے جو لوگ مصر میں آئے، وہ سب مل کر مٹر ہوئے“

اور یوسفؑ اور ان کے بیٹے ڈیڑھ آٹلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد میں داخل ہیں، لہذا ان کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راحیل کی ۱۱، بلہا کی ۷ اولاد یہ کل ۶۶ افراد تھے، پھر جب ان کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور ان کے دونوں بیٹوں کو شامل کر لیا جائے تو مٹر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے۔

امن و سلامتی یا جنگ پیکار؟
انجیل متی کے باب ۵ آیت ۹ میں یوں ہے کہ:-
”مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے“

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:-

”لے عربی ترجمہ میں ”طوبی لبہم“ کے الفاظ ہیں، جس کے معنی مبارک ہیں“ کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہیں جنت ملے گی“

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں۔

ملاحظہ کیجئے، دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ ان کو ابن اللہ کہا جاتے،

متی نے یہود اسکریوتی کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور لوقا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

یہود اسکریوتی کی موت
اختلاف نمبر ۱۰۰

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اول تو یہ کہ پہلے میں تہ ریح کی گئی ہے کہ "اس نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی" دوسرے میں یہ بات صاف طور پر کہی گئی ہے کہ وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتریاں نکل پڑیں۔

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم داہس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا،

۱۰۰ متی ۲۷: ۱۸
۱۰۰ اعمال ۱: ۱۸
۱۰۰ متی ۲۷: ۱۸
۱۰۰ اعمال ۱: ۱۸

۱۰۰ متی ۲۷: ۱۸
۱۰۰ اعمال ۱: ۱۸
۱۰۰ متی ۲۷: ۱۸
۱۰۰ اعمال ۱: ۱۸

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودا نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کبیت خریدی تھی۔ مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

اور یہ ہر دو شکم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:-

① اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہودا موت سے پہلے اس بات پر نادم ہوا کہ اس نے

کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

② اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہودا نے تیس دراہم کا ہنوں کے سرداروں اور

بوڑھوں کو واپس کر دیتے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلاطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلاطس کے عبادت خانہ

لے آئے۔ بدکاری کی کمائی سے ایک کبیت حاصل کیا۔ (اعمال ۱۸:۱)

۱۸:۱ عیدائیوں کے ممتاز عالم لے۔ لیونکن ولیمز A. Lukyn Willains

اسکریپتی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلافات کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو راجح قرار دیا۔ دوسرے اختلافات کے بارے میں اس نے صاف لکھا ہے کہ متی ۵: ۳ اور اعمال ۲: ۱۵ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہودا کا پھانس کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے۔

دانسیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۱۶۸ جلد ۱۳ مقالہ Judas Iscariot

میں عیسیٰ کے سلسلہ میں شکایتیں کیا کرتے تھے، مگر وہ عبادت خانہ میں موجود نہ تھے،

④ عبارت کا سیاق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دوسری اور گیارہویں

آیت کے درمیان بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہے۔

⑤ یہود وہ کی موت اس رات کی صبح کو واقع ہوئی جس میں عیسیٰ کو قید کیا گیا، اور

یہ بات نہایت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی قلیل مدت میں اپنے فعل پر ناوم بھی ہو جائے

اور اپنا گنا گنوٹ لے، کیونکہ اس کو گرفتار کرانے سے پہلے معلوم تھا کہ یہودی مسیح کو

قتل کر دیں گے۔

⑤ اس میں آیت ۹ کے اندر صریح غلطی موجود ہے، جیسا کہ آپ کو تفصیلاً سے

باب ۲ میں معلوم ہوگا،

کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱ | یوحنا کے پہلے عام خط باب آیت ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ،

یسوع مسیح راست باز اور وہی پہلے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہماری

گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی۔“

اس کے برعکس سفر امثال باب ۲۱ آیت ۱۸ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نیکوں

کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں،

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۸ سے اور باب آیت

اختلاف نمبر ۱۰۲ |

سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی نہایت کمزور و عجیب دار

۱۵ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۷، مقصد ۲، شاہد نمبر ۲۸،

۱۶ شریعت صادق کا فیہ ہوگا اور دعا باثر استبازوں کے ۷۷ میں دیا جائے گا (۱۸: ۲۱)

اور شیر مفید ہے، اور زبور نمبر ۸ کی آیت، سے معذرت ہے کہ وہ بے عیب اور سچی ہے،
اختلاف نمبر ۱۰۳ انجیل مرقس کے باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں جب
 سوچ نکلا ہی تھا قبر پر آئیں اور یوحنا کی انجیل کے باب سے
 معلوم ہوا کہ اس وقت تاریکی موجود تھی اور آنے والی عورت صرف ایک تھی۔

دو عنوان جو پیلاطس نے لکھ کر صلیب کے
 اوپر رکھا تھا، چاروں انجیلوں میں مختلف ہر
 پہلی انجیل میں اس کے الفاظ نقل کئے گئے
صلیب پر لٹکائے ہوئے اعلان
 کی عبارت، اختلاف نمبر ۱۰۴،

ہیں: یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے۔ دوسری انجیل میں صرف یہودیوں کا بادشاہ
 تیسری میں یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ اور چوتھی میں ہے کہ: یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ
 بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی اور معمولی بات بھی ان انجیل والوں کو
 محفوظ اور یاد نہ رہ سکی، پھر ایسی شکل میں لمبی اور طویل خبروں کی نسبت ان کی یادداشت

لے خلک عبارت یہ ہے کہ "غرض پہلا حکم زور اور بیگانہ ہونے کے سبب فسوخ ہو گیا"
 سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت زبور نمبر ۱ میں ملی ہے، زبور کی ترتیب میں چونکہ کافی گڑبڑ
 واقع ہوتی ہے، اس لئے شاید مصنف کے نسخہ میں یہ زبور نمبر ۱ ہو گا واللہ اعلم ۱۲
 خداوند کی شریعت کامل ہو رہے جان کو بحال کرتی ہے، خداوند کی شہادت برحق ہے، نادان کو دانش بخشی
 ہے، خداوند کے قوانین راست ہیں۔ (۱۹: ۷، ۸) یہ عبارت عبرانیوں، ۱۹ کے اس لئے بھی مخالفت ہے کہ
 اس میں ہے: "شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا" ۱۳

۱۴۔ یسوع مریم مگدالین وغیرہ، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر اختلاف نمبر ۹۰ میں گذرا، ۱۴ (۲: ۱۶)
 ۱۵۔ مریم مگدالین، ایسے تڑکے کہ ابھی ادھیڑا ہی تھا قبر پر آئی، (۱۱: ۳۰)
 ۱۶۔ مرقس ۱۵: ۲۶، ۱۷: ۲۸، ۱۸: ۱۹، ۱۹: ۱۹

پہ کیا الیہ نان کیا جا سکتا ہے: اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب
اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے

ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض میرودیس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف میرودیس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰ سے اپنی بدکاریوں کی بنا پر تالاں اور ناراض تھا،

بارہ حواریوں کے نام
اختلاف نمبر ۱۰۶

متی دمرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدي، یوحنا، فیلیس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن جلعفی

شمعون قنانی، یہوداہگریوتی، لیکن بارہویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

۱۰۔ میرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے بڑتا، اور اسے بھانے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا (۶: ۲۰)۔

۱۱۔ میرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے میرودیس کو منع کیا تھا جس پر میرودیس نے آپ کو گرفتار کرادیا (دیکھئے مرقس ۱۶: ۱۷)۔

۱۲۔ اپنے بھائی فیلیس کی بیوی، میرودیاں کے سبب سے اور ان سب بڑائیوں کے باعث جو میرودیس نے کی تھیں (۱۳: ۱۹)۔

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور لقب تداوس تھا، مرقس، تداوس
برآں کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی،

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول
اختلاف نمبر ۱۰۷ کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰ نے اس سے کہا۔

تیرے پیچھے ہوئے، وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہر لیا۔

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقلمین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل
باب ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام
لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب ۵ میں صرف لاوی بغیر ولدیت کے مذکور ہے،
اور ان سے لگے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں
متی کا نام ذکر کیا ہے، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

عظیم الحواریین یا شیطان؟ متی نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت
عیسیٰ نے پطرس کو اعظم الحواریین قرار دیا۔ اس طرح
اختلاف نمبر ۱۰۸ کہ اس سے فرمایا،

لہ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف متی مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)
لہ اردو ترجمہ میں متی مذکور ہے (مرقس ۱۸: ۱۳) لہ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر
اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، (لوقا ۱۶: ۱۶) اعمال ۱: ۱۳ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور ان
میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، لہ متی ۹: ۹، لہ مرقس ۲: ۱۳، لہ لوقا ۵: ۲۷،
لہ یادرہو کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریوں میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے۔
اور متی محصول لینے والا اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲: ۱۷ آیت ۱۸ اور ۱۹۔
۹ چنانچہ، دن کی تھوڑی فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اسے
تسلیم نہیں کرتا ۱۲: ۱۲ متی

”میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور علم
واح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں
تجھے دوں گا۔ جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر
کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔“

پھر آگے اسی باب میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰ کا قول اس طرح نقل کیا ہے۔
”اے شیطان! میرے ساتھ سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو
خدا کی رکھتا ہے بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“

ظہار پر رسٹنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال پطرس کی مذمت
میں نقل کیے ہیں، جملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی
بیاری تھی، اور اس کو شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا،
آگستان کہتا ہے کہ۔

”یہ شخص ثابت قدم اور سچہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا۔“

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا ہے
اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن، جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پاسکیں؟

لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اور
اختلاف نمبر ۱۰۹ | یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ،

”اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم میں آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں ٹھہم کر دو؟“

اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ،

”آیت ۲۳۔ لکھ آیت ۵۳ تا ۵۶، لکھ یعنی سامرہ کے مارشندوں کو ۲“

تم نہیں جانتے کہ تم کیسی رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان پر یاد کرتے تھے
بلکہ بچانے آیا۔

لیکن پھر باب ۱۳ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے:-

”میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔“

متی ۵ مرقس اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰؑ پر
روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ

اختلاف نمبر ۱۱

بیان کرنے میں عینوں کا اختلاف ہے،

پہلا کتاب ہے کہ:- ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“

دوسرا کتاب ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“

تیسرا کتاب ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں“

متی ۷ باب ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زہری کے بیٹوں کی ماں نے درجہ است
اختلاف نمبر ۱۱ | کی تھی کہ:-

تیرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب

میں بادشاہت میں جگہ دیں۔

لکھنا ۳۹ ، ۷۷ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۳۳۷، جلد پہلا اختلاف ۱۱۹

۷۷ متی ۱۰: ۱۳ ، ۷۷ مرقس ۱۱: ۱۱ ،

۷۷ یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے اکل ر متی ہے ۱۳

۷۷ لوقا ۱۳: ۲۲

۷۷ زہری کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ متی ۲۰: ۱۲

اور مرقس نے باب میں نقل کیا ہے کہ یہ رزق است خوردہ بدی کے : ان نے لی تھی
 متی نے باب میں حضرت عیسیٰ کے معنی لکھا ہے کہ
 ”اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس
 گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس نے کہا کہ آئندہ

انجیر کے سوکھنے کا واقعہ
 اختلاف نمبر ۱۱۲

تجھ میں کبھی نہیں نہ لگے، اور انجیر کا درخت اس دم سوکھ گیا، شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب

کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکہ اب دم میں سوکھ گیا“

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے

”اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پاؤں

مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس

سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے مسنا“

اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلیم تشریف لے گئے، اور جب تمام ہوئی تو شہر سے

باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گزرو بارہ اس درخت پر سے ہوا تو

”اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا، پھر اس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے

کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے نعمت کی تمس سوکھ گیا ہے“

اس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور مائیہ دونوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ

ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت

کا پھل بنیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے سراسر

لے زبدی کے دو بیٹے یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آ کر کہا (مرقس ۱۰: ۴۵)

۱۵ آیات ۲۰-۲۱، ۱۳ آیات ۱۳، ۱۴ آیات ۲۰، ۲۱

مالک کو نقصان دینا مقصد ہے، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات سمجھنا بعید از عقل ہے، کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جاتے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جاتے، بلکہ شانِ اعجاز کا مقتضی تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعا کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیح خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انجیل تھی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:-

انگور والے کی مثال
اختلاف نمبر ۱۱۳

تیس جب پاکستان کا مالک آجاتے گھا تو ان باغبانوں کے ساتھ

کیا کرے گا! انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بڑی طرح ہلاک کرے گا، اور پاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

یہ مثال حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ پاکستان لگایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر بلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳-۳۹)

آیت ۳۰ و ۳۱، ۱۶: ۲۰

آبِ اِسْتَانَ كَا مَلَكْ اُنْ كَسے سَا حَہ كَیَا كَرِے گَا ! وَہ اَكْرانِ بَاغْبَانوں كُو بَلَاكْ كَرِے گَا

اور تَا كَسْتَانَ اور دُن كُو دِیدے گَیا. انھوں نے یہ بات سُنكر كَب. صَدَہ كَرِے .

ان دُنوں عِبَارَتوں مِیں وَاسِخ طُور پَر اِخْتَلَا فِ نَظَر آ رہا ہے، اس لَئے كہ پہلی عِبَارَت صَا نَ بتاتی ہے كہ انھوں نے كَہا كہ مَلَكْ اُنْ كُو ہَد تَرِین طَرِیقَہ پَر بَلَاكْ كَرِے گَا، اور دوسری عِبَارَہ مِیں صَا نَ كَہ گَیا ہے كہ انھوں نے اِنكار كَیَا.

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ جس نے مسیح پر
خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں
اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے

حضرت مسیح کے سر پر عطر

ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۲

باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے۔

① مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عیدِ فِصح سے.....

۱۱۲ عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا احاشا"

۱۱۳ واقعہ انجیل متی کی ورد سے مختصر آید ہر کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰ بیت عنیاہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لا کر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، ورنہ غریبوں کے کام آسکتا تھا، حضرت مسیح نے مسنکر انھیں تنبیہ کی کہ غریب تو ہمیشہ تمہارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۱۳ تا ۱۴)

۱۱۴ نیز متی (آیت ۲)

۱۱۵ عیدِ فِصح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نِسیان (اپریل) کی چھ جنوں

تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰ مصر سے نکلے تھے، "فِصح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے عیدِ فِصح کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۴ اور گنتی

۲۵: ۱۰ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲ تقی

دو روز قبل کا ہے، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے، متی عید سے قبل کی مدت بیان کرنے سے خاموش ہے،

② مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرص کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان ذکر کرتا ہے،

③ متی اور مرقس خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں کا ذکر کرتا ہے،

④ مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہود تھے،

⑤ یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

⑥ تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

۱۱۱۳ مرقس

۱۱۱۳ پھر یسوع صبح سے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا اور یوحنا ۱۱۱۳

۱۱۱۳ لیکن ہائیے پاس سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲۱:۶) شاید مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

۱۱۱۳ بائبل میں اگرچہ لغو کا مکان نہ کور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

۱۱۱۳ متی ۸:۲۶، مرقس ۱۳:۱۳

۱۱۱۳ یسوع کے پاؤں پر ڈالا اور یوحنا ۱۳:۳

۱۱۱۳ بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے (۳:۱۳)

۱۱۱۳ یعنی اسکر پوتی ۱۳:۱۳

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوتِ طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معززین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰ سے اس عورت کے فعل کی درستی اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو۔

اس کے علاوہ عیسیٰ کا وہ مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے۔

چونکہ لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

عشاء ربانی کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۱۵

۱۱ یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

۱۱ عشاء ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہے کہ مرقاری سے ایک مات پہلے حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ، ان کا کھانا کھاتے تھے، کہ اپنے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگار رکھو، اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی بر صفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے۔

① لوقادو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس کے بعد اور تیسری مرتبہ صرف ایک کا، کرتے ہیں،

غالباً تیسری اور مرتبہ کا بیان درست اور یوقا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر خصوصیت کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے لکھان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پرولٹسٹنٹ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے ان کے نزدیک عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اترتی، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو اب تک زندہ رہے گا (یوحنا ۱۰: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کر کے کھا جاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے جب کوئی پادری عشاءے ربانی دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "باکیت کارپس متیم" یعنی "یہ میرا بدن ہے" تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہے، اور انگور کا رس مسیح کا خون بن جاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں ہوتا۔ اس عمل کو عشاءے ربانی کا نام پورس نے دیا ہے، جیسا کہ ۱ کرنتھیوں ۱۰ سے معلوم

ہوتا ہے، ۱۰ تفصیل السائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ Bucharist اور پادری ایچ، ایس

نزیب شاہ کی کتاب "محققان بائبل و بدعات روم" صفحہ ۷۱ اور ۷۲ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲ سے صفحہ ۸۸۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

اس کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا جمد ہے (۲۰: ۱۲۲)

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پہلہ کامل مسیح و جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر مکمل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفا کر لیا؟

② لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا۔ مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا، اور متی کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ عیسیٰ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہوا حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہتے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶ | انجیل متی باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ ۱۔
وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکرٹا ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔

۱۔ یعنی صرف ایک پیالہ سے "عشاء سے رہانی" کیوں مناتے ہیں، دوسرے کیوں نہیں مناتے؟

۲۔ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے " (لوقا ۲۲: ۱۹)

۳۔ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے " (مرقس ۱۳: ۶۴)

۴۔ لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں "عہد کا خون" ہے، کے الفاظ ہیں، مصنف کے نسخہ میں صرف "عہد"

اسی انجیل کے باب میں یوں ہے کہ

تیرا حق اپنے اوپر اٹھا لو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا ملامت ہے، اور میرا بوجھ بھگنا

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو،

انجیل متی باب میں لکھا ہے کہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اختلاف نمبر ۱۱

کو پہلے متدی شہر میں لے گیا، اور انجیل بریکل کے کنگرے کے

کھڑا کیا، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں رہنے لگے، جو جمیل کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو

پہاڑ پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا، بریکل کے کنگرے پر کھڑا کیا، اور حضرت عیسیٰ

جمیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم لے گئے، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے

پرورش پائی تھی،

۱۱ آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے ۱۲

۱۳ کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرمایا ہے، لیکن

یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے

قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد نویں تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰ اخروی طور پر آسانی

کو سراہے ہیں ۱۲ نقی

۱۳ آیت ۵، ۱۴ آیت ۸، ۱۵ آیت ۱۳، ۱۶ آیت ۱۵، ۱۷ آیت ۱۹،

۱۸ آیت ۱۳ تا ۱۵، ۱۹ آیت ۱۶،

صوبہ ار کے غلام کو شفا دینے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۸

انجیل متی کے باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صوبہ در بذات خود مسیح کے پاس آیا اور یہ کہہ کر اپنے غلام کی شفا کے لئے درخواست کی۔

تے خداوند! میں اس لائق نہیں ہوں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، بلکہ صرف زبان سے کہہ دے تو میرا خادم شفا پا جائے گا۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ۔

جیسا تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہوا، اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی

اور لوقا کی انجیل باب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کہیں نہیں آیا، بلکہ اس نے یہودیوں کے بزرگوں کو آپ کے پاس بھیجا، پھر مسوم آن کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب گھر کے نزدیک پہنچے تو۔

تصویر دار نے بعض دستوں کی معرفت یہ کہلا بھیجا کہ اے خداوند! تکلیف نہ کر،

کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، اسی مہذب سے میں نے

اپنے آپ کو بھی تیرے پاس آنے کے لائق نہ سمجھا، بلکہ زبان سے کہہ دے تو میرا خادم

شفا پا جائے گا۔

پھر یسوع نے اس کی تعریف کی، اور جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ گھر واپس ہوئے تو

انہوں نے بیمار غلام کو تندرست پایا،

تجلی کا واقعہ، اختلاف ۱۱۹

متی نے باب ۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک فقیر کی یہ درخواست نقل کی ہے کہ

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ اپنی انجیل کے باب میں بیان کیا ہے، اور یوحنا نے درخواست اور اجازت طلبی اپنی انجیل کے باب میں تجلی کے واقعہ کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

متی نے باب میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ پھر باب میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماریوں کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر

پاگل گونگے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۲۰

دوسرے ابواب میں متحد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب میں بیان کیا ہے، اور یوحنا پہلے باب میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ پھر تجلی کا قصہ، پھر اس باب میں اور باب میں اور باب کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے،

۱۵ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدر نیویں کے ملک میں تشریف لیا ہے تھے ۱۲

۱۵ تجلی کا واقعہ از روئے انجیل مختصراً یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے پہاڑ پر تشریف لیگئے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰ اور ایساں آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر اچانک ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سنائی دی، یہ میرا پیارا بیٹا ہے، اور میں اس سے خوش ہوں جیسا کہ تُوں تُوں روح اللہ سے تیرے تیرے ہیں

۱۵ آیت، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

۱۵ آیت ۱، ۱۵ آیت ۲۸، ۱۶ آیت ۱۴، ۱۵

اختلاف نمبر ۱۲۱ مرقس نے باب ۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین بجے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس

اپنی انجیل کے باب آیت ۱۴ میں صاف کہتا ہے کہ :-
حضرت مسیح ۶ بجے تک پہلا گھنٹے کے پاس تھے،

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پیکار،
اختلاف نمبر ۱۲۲
متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے :-
”تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی

آواز سے چلا کر کہا ”ایلی، ایلی، لما شبعقتی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“

اور انجیل مرقس باب ۵ میں لکھا ہے کہ :-

”الوہی الوہی لما شبعقتی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا!
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۳ میں یہ الفاظ ہیں :-
”اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں“

۱۲۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں ”پہر دن چڑھا تھا“ کا لفظ ہے :-

۱۳۔ اس اختلاف کی مزید تفصیل صفحہ ۳۱۹ اور اس کے حاشیہ پر گزر چکی ہے :-

۱۴۔ آیت ۲۶، ۱۵۔ آیت ۳۳، ۱۶۔ آیت ۴۶

۱۷۔ یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے دو

دوسے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو محض میرے

کہا ہو کر اس کے بعد ”دم دیدیا“ اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز راقی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۲۳ متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چوغہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی

تھے، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے،

اختلاف نمبر ۱۲۴ مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں

چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو سرکہ دیا تھا، اور متی د یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے وہ سرکہ نوش فرمایا،

ربقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے الفاظ بیان کر کے کہتا ہے کہ اس کے بعد دم دیدیا اس لئے انصاف کی بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنف کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان

چوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۳ تقی

۱۵ متی ۲۴: ۲۴، مرقس ۱۵: ۱۶،

۱۷ مگر ہائے پاس سب ترجموں میں مطلقاً سپاہیوں کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں رہا،

۱۸ ۲۲: ۱۵، اردو ترجمہ میں مرمل ہوئی شراب کا لفظ ہے،

۱۹ متی ۲۴: ۲۳، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

۲۰ یہ عربی ترجمہ کی رُرد سے، اب متی ۲۴: ۲۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے بیٹ ی ہوئی شراب کا ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ

ہو جس میں ازاجیل اربہ متفق ہیں ۱۳ تقی

تیسری فصل

دوسری قسم

غَلَطِيَانُ

وَلْتَعْرِضْنَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو اختلافات کے ضمن میں آئی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی | کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵ سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ کے مقصد ۲ کے شاہد نمبر ۱ میں معلوم ہو گا۔

دوسری غلطی | کتاب گنتی کے باب ۱ میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

۱۵ چار سو میں برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اس روز خداوند کا شکر تکب مصر سے نکل گیا ۱۳۰۰۔۳۰

۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۹۶ و ۶۹۷

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۱۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۱ میں تورات کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے،

تیسری غلطی | کتاب الاستثنا کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے،

چوتھی غلطی | کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص ہے،

پانچویں غلطی | کتاب سموتیل اول باب ۱ آیت ۱۹ میں لفظ پچاس ہزار مرد واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

چھٹی ساتویں غلطی | کتاب سموتیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ چالیس واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ آرام آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ آرام کے اودم ہے، جیسا کہ باب کے مقصد ۱۲ میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی، | کتاب تواریخ ثانی باب ۴ آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ اور گھر کے سامنے کے اس کے کی لمبائی گھر کی اونچائی کی اونچائی کے مطابق ہیں ہاتھ اور اونچائی ایک ہے۔

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹ جہاں اس کی تفصیل ۳۳۵ پر گزر چکی ہے ۱۲
۱۶ اس کی تفصیل بھی ۳۳۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے
۱۷ دیکھئے صفحہ ۶۳۲ (جلد دوم) شاہد نمبر ۱۳ اور ۱۴،

۱۸ اس سے مراد وہ ہیبل جس کی تعبیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲

اس میں ایک۔۔۔ میں کی مقدار بالکل منہ ہی، کیونکہ کوٹھڑی کی اونچی نی صرف ۲۰، تھوڑی
 جیہا کہ سلاطین اول باب آیت میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر چھت کی بلندی ۲۰
 ہاتھ کیونکہ ہو سکتی ہے؟ آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہے،
 اور سریانی اور عربی مترجمین نے تخریب کی اور لفظ ایک سواڑا دیا، اور کہا کہ اس کی اونچائی
 میں ہاتھ ہے۔

بنی بنیامین کی سرحدیں نویں غلطی | کتاب یوشع کے باب آیت ۱۴ میں بنی بنیامین
 کی سرحد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ۔

”اور دریا کے سامنے سے جھکتی اور مڑ جاتی ہے“

اس میں دریا کے سامنے کا لفظ غلط ہے، کیونکہ ان کی حدیں دریا کا کنارہ نہیں تھا، اور
 نہ اُس کے آس پاس ہی تھا، مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ نے اس کے غلط ہونے کا
 اعتراف کیا ہے، اور دونوں نے کہا ہے کہ۔

”وہ عبرانی لفظ جس کا ترجمہ دریا کیا گیا ہے، اس کے معنی دراصل مغرب کے ہیں“

لیکن یہ معنی ہم نے کسی ترجمہ میں نہیں دیکھے، غالباً اصلاح کی غرض سے یہ دونوں صاحبوں
 کی ایجاد ہے،

یہوداہ کی حد، دسویں غلطی | کتاب یوشع کے باب آیت ۳۴ میں بنو نفتالی کی

حد اور اونچائی تیس ہاتھ تھی، (۲۱۶)

یہ ۳۰ سے ترجمہ ہو۔ موجودہ انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، مگر شاید اردو مترجم کو مفسر ڈی آئی لی
 اور رچرڈ مینٹ کی تاویل کی خبر ہو گئی ہوگی، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں ”دریا کے بجائے ”مغرب“ کا لفظ
 مذکور ہے ”مغرب کی حد۔۔۔“ اور انگریزی ترجمہ میں اب بھی Sea کا لفظ موجود
 ہے جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں West سے بدل جائے ۱۲ تفسیر

مے کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:

”مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہوداہ کی حد جنوب کی جانب بہت دُور تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی | ۸۵ دروں غلط ہیں،
غیر درسلے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۲ کی آیت

کتاب القضاة کے باب آیت ۷ میں ہے کہ:-

بارہویں غلطی | اور بیت لحم یہوداہ میں یہوداہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو

لادوی تھا، یہ وہی لٹکا ہوا تھا۔

اس میں غلطی جو لادوی تھا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لادوی کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مفسر درسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور یہودی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۲ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:-

تیرہویں غلطی | اور ابیہاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چٹے ہوتے مردے کر

لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چٹے ہوتے مردے کر جو

زبردست سورما تھے صف آرائی کی۔

پھر آیت ۷ میں ہے کہ:

”اور ابیہاہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

۱۷ اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

اسرائیل کے پانچ لاکھ بچے ہوئے مرد کھیت آئے یہ

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب اس میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف | کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا :-

اس میں لفظ اسرائیل یعنی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہوداہ کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا، اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ اسرائیل میں تحریف کر کے یہوداہ بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

پندرہویں غلطی | اور اس کے بھائی صدقیاہ کو یہوداہ اور یروشلم کا بادشاہ بنا دیا :-

اس میں اس کے بھائی "غلط ہے، البتہ چچا" صحیح ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

۱۰ دیکھئے ص ۶۲۰ ، مقصد (۱۸) شاید (۱۸) ۱۰ دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸ : ۲۱ ،

۱۱ یعنی بنو کہ نصر شاہ بابل نے یہویاکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا ،

۱۲ چنانچہ ۲ سلاطین ۱۰ : ۲۳ میں "اس کے باپ کے بھائی کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویاکین یہویقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیاہ یہویاکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہویقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اُسے

صدقیاہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۱ : ۲۶ اور ۲ : ۲۰) ،

لفظ "بھائی" کو "چچا" سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کی تھوڑی سی کتاب میں کہن ہے کہ:-

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو "چچا" کے لفظ سے

بدل دیا گیا ہے

سومیل ثانی باب آیت ۱۹۱۶ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب کی آیت ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ "بدرعزہ" سے

آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "عزہ" دال کے ساتھ ہے،

کتاب یوشع کے باب آیت ۱۸ میں لفظ "عکن" تون کے ساتھ آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "عکر" راء کے ساتھ ہے،

کتاب تواریخ اول کے باب آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ، "عمی ایل کی بیٹی بت سوع" حالانکہ صحیح لفظ "عم" کی بیٹی بت سوح ہے،

کتاب سلاطین ثانی باب آیت ۱۱ میں لفظ "عزریاہ" استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ "عزریاہ" بغیر راء کے ہے،

۱۵ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

۱۶ (قبیلہ یہوداہ کا ایک شخص) چنانچہ ۱- تواریخ ۲: ۲ میں "عکر" ہی مذکور ہے،

۱۷ بت سوح اور یا کی بیوی جس کے بارے میں توریث کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤد نے ان سے (معاذ اللہ) زنا

کیا، اور پھر اور یا کو روکا کہ اس سے شادی کر لی، اور حضرت سلیمان ان سے پیدا ہوئے ۱۷

۱۸ پیسے کہ ۲- سومیل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،

۱۹ یہ دشلیم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

۲۰ جیسا کہ ۲- تواریخ ۲۶: ۱، ۲- سلاطین ۱۵: ۱۳، ۱۶: ۲۲، ۲۳: ۲۴ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تھی

بیسویں غلطی کتاب تواریخ ثانی باب آیت ۱۰ میں لفظ "یہو آخز" دفع ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ "احسزبا" ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد میں پہلے تو

اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلطی نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے:

اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ

تفصیل سے جو صاحب جاننا چاہیں وہ ڈاکٹر کن کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۶۲

ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

یہودیہ قید ہوا یا مقتول
اکیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ
بابل یہو یقیم کو زنجیروں میں قید کر کے بابل لے گیا، جو بابل

غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یروشلم

میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر سپاہ سے باہر پھینک دی جائے، دفن کئے جانے
کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔

یوسفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب بابل میں لکھا ہے کہ:-

"بادشاہ بابل زبردست شکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض

ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہو یقیم بھی تھا، اور

۱۲ جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۲۱-۲۵ میں ۲۵: ۸ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا، ۱۲

۱۲ یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلا وطنی اس کے

کچھ بعد عمل میں آئی ہے۔

اور اس کی نعلش پھر پناہ سے باہر پھینکو اور ہی، اس کا بیٹا۔ اکین تخت نشین ہوا تو
تین ہزار مردوں کو قید کیا، بنی۔ حزقیال پتیر بھی تھے۔

کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ
۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ۔
۶۵ سال بعد آرام مت جائے گا۔

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
بائیسویں غلطی

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ۔

۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیہ کی تخت نشینی کے چھٹے
سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۸ میں موجود ہے، اس
طرح آرام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں ہو گیا۔
دش رجمائیسویں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ۔

۱۵ یعنی سوریا (Syria) پہلے اس کی ترجمہ میں آرام کا لفظ نہیں، بلکہ "افرائیم" ہے، اور سیبٹ
برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ تم نہ پہنچا۔ اس سے مقصد شاہ اسور (سلطنت) کا حملہ ہے، جیسا کہ ان
باب کی آیت، اسے معلوم ہوتا ہے،

۱۵ حزقیہ کے چھٹے سال جو ہوسیع کا فراں برس تھا، سامریہ بیل گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو اسیر کر کے
اسور لے گیا۔ (۱۸، ۱۹، ۱۱)

۱۵ اس لئے کہ پریشنگونی حضرت اشعیاہ کی زبان آخر کے زمانہ میں ہوئی تھی (یسعیاہ ۱۰، ۱۱) اور آخر
کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہوسیع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہے (۲۔ سلاطین، ۱۰، ۱۱) اور ان
تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۱۔ ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالاسے معلوم ہوتا ہے)، لہذا
پورے اکیس سال ہونے، ۱۲ تالی

یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو

اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخر کی حکومت ۱۶ سال اور جز قہاہ کا دور سلطنت ۵ سال۔

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب بیجاہ

کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۳ء کے مترجم نے آیت مذکور

نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جبلی عادت سے باز نہیں آتے۔

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۷ میں ہے کہ

تین نیک بد کی پہچان کا درخت کہتی کھانا

کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔

حضرت آدمؑ کو درخت کی ممانعت
تین سو بیس غلطی

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا، حالانکہ وہ کھانے

کے دن نہیں رہا، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہا،

کتاب پیدائش باب آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ۔

تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مراحت

چوبیس سو بیس غلطی

نہ کرتی ہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہی، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی۔

اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعاً غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی

عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی

عمر ۶۰۰ سال، اور نوحؑ کی عمر ۳۳۸ سال ہوتی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۸۰۰ تک

پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

۱۰ بقول قرابت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳، ۳ سے معلوم ہوتا ہے:

۱۰ پیدائش ۶، ۳

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۱، آیت ۸ میں یوں ہے کہ :-

اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں

تو پرہیسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان سے اس کا پورا ہوں گا۔

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیمؑ کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدت مدید گزری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے :

”وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہوئقیم بن یوسیاہ کے چوتھے

برس میں جو شاہ بابل بنو کہد نفا کا پہلا برس تھا، یہوداہ

یہودیوں کی جلا وطنی
غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا ہے

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”یہ سازی زمین دیرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں شہر برس تک

شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب شہر برس پورے ہوں گے تو میں

شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب

سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ دیران رہے“ (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ :

”اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزدگوں کو جو اسیر

ہو گئے تھے اور کابھوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنو کہد نفا یروشلم سے

۱۷ یہ خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو خطاب ہے،

اسیر کر کے بابل لے گیا تھا، اس کے بعد کہ یگونیاباد شاہ اور اس کی والدہ اور خواجہ پڑا اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کارگیر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے، آیات پھر اسی باب کے ۱۰ میں ہے۔

تعداوندیوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤں گا اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا۔
یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-

بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من بر شما رجوع خواہم کرد۔
ترجمہ: "بابل میں ستر سال گذر جانے کے بعد میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔"
اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-

بعد از تمام شدن هفتاد سال در	بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد
بابل شما را باز دید خواہم نمود۔	میں دوبارہ تمہاری طرف رخ کروں گا۔

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:-

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بنو کدر اسیر کر کے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تینیس یہودی بنو کدر کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں آٹھ سو تیس آدمی اسیر کر کے لے گیا، بنو کدر کے تیسویں برس میں جلوداروں کا سردار نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کر لے گیا، یہ سب آدمی چار ہزار چھ سو تھے۔ (آیات ۲۸-۳۰)

لہ یہ یگونیابہ بن یہو یقیم جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۱:۲۳)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

① بخت نصر یہودیہ یا قیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مورخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

بخت نصر یہودیہ یا قیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا :-

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاء علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہودیہ یا قیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

② ارمیاء علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یونیا بادشاہ اور روسیاء یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

③ تینوں مرتبہ کی جلا وطنی میں قیدیوں کی کل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلا وطنی تیسویں سال پیش آتی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں :-

۱۔ یونیا بادشاہ اور روسیاء یہوداہ اور کاریگروں کی جلا وطنی مؤرخین کی تصریح

کے مطابق ولادت مسیح سے پانچ سو ننانوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہے کہ یہ جلا وطنی مسیح کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آتی، اور ارمیاء علیہ السلام کا ان کے پاس کتاب بھیجنا ان کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بابل کی زور سے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہرما چاہتے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خوڑس کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الظالمین الی کتاب المقدس الثمین مطبوعہ ۱۸۵۲ء سے بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۲ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بائبلیک کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے :-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاہ علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	دادریس کی وفات جو قوش کا ماموں تھا، اور قوش کا اس کی جگہ مادی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہود راہ واپس بلے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲- دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلا وطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

۱۵ یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتنا کیا جائے تو ۶۳ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیتے جائیں تو ۶۳ بچے ہیں، اور ۱۰۰ سے تفریق کی جائے تو چونسٹھ، ۱۳
۱۶ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ براہ غلط ہے، صبح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صنایع کارگیران کے علاوہ تھے،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اسیویں سال واقع ہوئی۔

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیشگوئی، ایتیسویں غلطی کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں ہے کہ اور گیارہویں برس میں ہمدان کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔

پھر آیت نمبر ۱ میں ہے:-

تو خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنو کدور کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انبوه کے ساتھ شمال سے صور پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے ارد گرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دمدمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں ڈھال اٹھائے گا، وہ اپنی منجیق کو تیری شہر سپاہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیری

لے آوے گا، اور شلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور بہاروں کو اسیر کر کے لے گیا۔ (۲۔ سلاطین، ۲۳: ۱۲)

۴۔ یعنی یوزرادان دانی ۱۲

۵۔ اور شاہ بابل بنو کدور کے عہد کے اسیویں برس کے پانچویں ہمدان کے ساتویں دن (۸: ۲۵)

۶۔ صور Tyre ازمنہ قدیم کا ایک ساحل شہر جو سوریہ کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب فاعی اعتبار سے انتہائی منجیبتھا، آجکل یہ علاقہ لبستان کے حدود میں واقع ہے ۱۲

برجوں کو ڈھا لے گا، اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب اتنی گریڈاڑے گی کہ تجھے
 چھپائے گی، جب وہ تیرے پھانکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنہ کر کے شہر میں
 گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سے تیری
 شہر پناہ بل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے، تیری سب سڑکوں کو روند ڈالے گا،
 اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے
 اور وہ تیری دولت لوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر پناہ
 توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور
 تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے“

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا
 اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس
 ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیلؑ کو عذر کی ضرورت پیش آئی،
 اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں فرمایا کہ :

”ستائیسویں برس کے پہلے ہینہ کی پہلی تاریخ کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ لے
 آدم زاد، شاہ اہل بنو کہ رضرنے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت
 کرواتی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اُس نے
 اور نہ اُس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

لے تو سین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

۱۳ چھٹی صدی قبل مسیح میں دیکھئے، برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲۲ مقالہ (Tyre) ،

۱۴ آیات ۲۰ تا ۲۱ ،

کی تھی کچھ اجرت پائی، اس لئے خداوندِ خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں ملکِ مصر
شاہِ بابل بنو کدور کے ہاتھ میں گروں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے گا، اور
اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لیگا، اور یہ اُس کے لشکر کی اجرت ہوگی
میں نے ملکِ مصر اس محنت کے صلہ میں جو اُس نے کی تھی دیا۔“

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ بختِ نصر اور اس کے لشکر کو صور کے
محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم
نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندہ ایفاء ہوا؟ یہ بات بہت ہی
افسوسناک ہے، کیا خدائی وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدے کے
پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیش گوئی
غلطی نمبر ۳۰

کتاب دانی ایل کے باب ۸ آیت ۱۳ کے فارسی ترجمہ مطبوعہ
۱۸۳۹ء میں ہے کہ:-

”پس شنیدم کہ معتدے تکلم نمود، و مقدسے ازاں مقدس

پرسید کہ ایں روقیا در باب قربانی دامتی و گنہگاری ہلک بہ پاستال کردن مقدس و

فوج تاکے بار شد، مرا گفت تا دو ہزار و سہ صد روز بعدہ مقدس پاک خواہ شد“

ترجمہ: ”تب میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سنا اور دوسرے قدسی نے اسی قدسی سے

۱۱ غالب یہی ہو کہ شرمندہ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ بنو کدور کے حالاتِ زندگی میں شرمندہ ق م کے حملہ مصر کا ذکر
تو ہوتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملے پر دشلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر کے
کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

۱۳ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۵ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل

کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آ رہا ہے وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ نقل

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائی مشربانی اور ویران کرنے والی خطا کاری کی روڈیا جس میں
مقدس اور اجرام پائمال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دو
ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا۔

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں یہ الفاظ ہیں:-

وسمعت قد یسأمن القديسین مشکما وقال قدیس واحد للآخر
المتکلم لم اعرفه حتی متی الرؤیا والذبیحة الدائمة وخطیئة
الخراب الذی قد صار وین اس القدوس والقوة فقال له حتی
المساء والصبح ای الفین وثلاثاً تیوم ویظهر القدوس

ترجمہ:- اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بت
کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور دائی مشربانی اور تباہ کن گناہ جس
میں قدس اور فوج پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار
تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا۔

علماء یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشینگوئی کے مصداق کے بارے میں سخت
حیران ہیں، دونوں مشرق کی بائبل کے تمام مفسرین نے اس خیال کو تریح دی ہے کہ اس کا
مصداق انٹیوکس شاہ روم کا واقعہ ہے، جو یردشلم پر تسلط میں مسلط ہو گیا تھا،
اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسر ہیریسیفس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے
مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج
پامال ہوئی وہ ساٹھ تین سال رہا، جس کی تصریح ہیریسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵
باب میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثہ انیتوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے۔
تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشینگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے
نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۰۲ء کی جلد اول میں پہلے جہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق
نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انیتوکس کا حادثہ
کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپائی
سنل جانسی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں پر لکھی ہے،
اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں سچاسی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ
تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشینگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ۱۔

اس پیشینگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے علماء کے نزدیک بڑے
اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانہ
کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے، جس میں شاہان ایران کے
چار فرما میں صادر ہوتے:-

۱۔ ۶۳۶ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا نسران صادر ہوا تھا،

۲۔ ۱۸۰۰ء ق م کا زمانہ، جس میں دارا کا نسران جاری ہوا،

۳۔ سنل جانسی کی آنے والی عبادت کا حاصل چوں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہو کہ اس کے نزدیک کتابانی ہیں
کی مذکورہ بلا پیشینگوئی میں حضرت مسیح کے نزول ثانی کا وقت بتایا گیا ہو، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہو
کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جانا چاہئے جس میں یرشلیم
اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت
عیسیٰ کے دو بارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۲ تقی

۳۔ ۲۵۸ ق م کا عہد جس میں اردشیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزرا کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ ۲۴۴ ق م کا زمانہ جس میں اردشیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منتہی مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے۔

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۶۶۲ء، ، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۶۸۶ء،

نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۶۸۶ء، ، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۶۸۶ء

اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری چوتھی باقی ہے جس میں

تیسری مدت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک تو یقینی ہے، البتہ بعض علماء

کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے،

اس صورت میں اس کا منتہی ۱۹۶۶ء نکلتا ہے ۵

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے :-

① یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعیین دشوار اور مشکل ہے بالکل غلط ہے،

اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتداء یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔

② یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ یوم کے حقیقی

معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہد عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ یوم

استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر کسی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا جس کے لئے کوئی تشریح ضرور ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنی پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے جمہور نے اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بتانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحق نیوٹن، ٹامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو (جن میں یہ مفسر بھی شامل ہے) پیش آئی۔

⑤ اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا، جیسا کہ خود اس کا استمرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا ہے جس پر اس کو کامل دثوق اور یقین تھا، اسی طرح چوتھی توجیہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور باطل ہوئے میں جمہور متقدمین کی توجیہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قول ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لینگے،

۱۷ مئی ۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے ۱۲ تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنہوں نے ۱۸۳۳ء مطابقت
 ۱۲۴۸ھ میں شہر کھنؤ میں اس پیشینگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا،
 اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز و انسال کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد
 سال ہیں، اور وانیال علیہ السلام کی وفات ۲۵۳ ق م میں ہوتی ہے، پھر جب ہم
 ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹا دیں تو ۱۸۳۷ء رہ جاتے ہیں، اس بنا پر نزول عینی علیہا
 کا زمانہ ۱۸۳۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علماء اسلام کے درمیان مناظرہ
 بھی ہوا، بہر حال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعویٰ کا
 جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ، اس سال کی مدت گذر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ
 تشریف نہیں لاتے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلاوجہ بات کو طول دینے کی ضرورت
 نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو "دختر رز" کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو،
 جس کو انہوں نے الہام تشریح کر دیا۔

ڈی آئی اور ریسرڈمینٹ کی تغیر میں لکھا ہے :-

اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی تکمیل سے پہلے بہت ہی دشوار

اور مشکل ہے، پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے

یہ توجیہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، ورنہ یہ مانتا پڑے گا کہ ہر بدکار اور فاسق

کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کر سکے، جن میں ان کے آغاز

و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہوگی تو واقعات خود

اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بچا رہے قلمی معذور ہیں، اس لئے کہ بات

جڑ سے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کر سکتا ہے،

غلطی نمبر ۳۱ کتاب و انیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

اور جس وقت سے داتھی ستر بانی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے، مبارک ہے

وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک انتظار کرتا ہے ۵

یہ بھی گزشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس معاد پر نہ تو عیسائیوں کا صحیح خودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب و انیال باب ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے معتد کے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور

کتاب و انیال کی ایک اور غلط پیشینگوئی، غلطی نمبر ۳۲

بکر داری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، روئے نبوت پر مہر ہو اور پاک ترین مقام مسوح کیا جائے ۵

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

”ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطا، و برائے نقصان

گناہان و برائے مکفر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے

اختتام روئے نبوت و برائے مسح قدس المقدس“

۱۵ مفسرین کے نزدیک یہ آج ”مسیح“ کی خوش خبری ہے ۱۲

۱۵ اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ہلور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

رحمہ؛ تیری قوم اور مقدس شہر کے لئے شریفیے مستر ہوتے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگزر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز زیادتی سچائی پہنچانے اور خواب و نبوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسح کے لئے“ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مدتِ مستر رہ میں بھی دونوں میوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسج تو آج تک ظاہر نہ ہو سکا، حالانکہ اس مدت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو مکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابل التفات ہیں۔

① لفظ ”یوم“ کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنی پر محمول کرنا بغیر کسی تشریح کے ناقابل تسلیم ہے،

② اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں میوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورش کی تخت نشینی کے پہلے سال (جس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیسا کہ کتاب عزرا باب میں تصریح ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریح آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسیفنس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تخمیناً ۶۰۰ سال ہے، اور سنل جاسی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۳۰ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیسا کہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جزو ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیكل میں ستر بانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۵۳۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ ستر ہفتوں کی مقدار صرف

چار سو نوے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

④ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیح پر نبوت کا اختتام لازم آتا ہے، لہذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہود اسکرپتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے، (جو روح القدس سے لبریز انسانوں میں سے ایک تھا،

⑤ چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑے گا حالانکہ روایاتے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

⑥ واٹسن نے اپنی کتاب کی جلد ۳ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تخریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام کی کسی طرح صادق نہیں آ سکتی۔

خور فرماتے "جادوہ جو سر چڑھ کے بولے: عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تخریف کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پروٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

لہ یہود اسکرپتی و شخص ہر جس نے حواری ہونے کے باوجود بقول انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کچھ وادیا تھا،

دعویٰ تحریف باطل ہے، جب اسل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کئے ہوئے تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۹) مسیح سے مراد ان ہی دو سکوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ

اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکار۔ ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱، آیت نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

”وہ اپنے بادشاہ کو بڑی سخات عنایت کرتا ہے، اور اپنے مسیح داؤد اور اس کی نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے۔“

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۱ میں لفظ ”مسیح“ کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو

ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا قول ساؤل کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:

”اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل

اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خدا کا مسیح ہے، یا اسے قتل کرنے کے لئے دست درازی

کروں، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ

وہ پروردگار کا مسیح ہے۔“ (آیت اول)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب میں بھی اس قسم کا

اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

لے اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں طلوت مذکور ہے، اس بات پر قورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ خود اللہ تعالیٰ نے نامزد کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات قرآن کریم خاموش ہے، اور تورہ نے اس کی نامزائیاں ذکر کر کے ہمیں بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہ بنا کر معاذ اللہ، پھتایا اور سموئیل ۱: ۱۵

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:-

خداوند اپنے مسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا :-

اس عبارت میں مسیح کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور یہیں بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنو اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳
کتاب سموئیل ثانی باب ۷ آیت ۱۰ میں حضرت نآن علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے:-

آدمیں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ معتبر کروں گا، اور وہاں ان کو جمادوں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر بیٹاتے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند ان کو پھر دکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں۔ (آیت ۱۰-۱۱) ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں:-

و مکانے نیز برائے قوم خود اسرائیل معتبر خواہم کرد ایشاں را خواہم نشانید تا خود جائے دار باشند و من بعد حرکت دکند، و اہل شرارت من بعد ایشاں را نیازند چون در ایام سابق»

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:-

و بخت قوم اسرائیل مکان را تمی خواہم نمود و ایشاں را غرض خواہم نمود تا آنکہ در

مقام خویش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، وفسر زندان شرارت پیشہ ایشان
را مثل ایام سابق نزعجانند!

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے
اور شہریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں
بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ ان کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر ان کو
بے انتہا ستایا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ ان کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور
جلا وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی ان کو اذیت پہنچائی،
طیطوس شاہ روم نے تو ان کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ
میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پچاس دیئے گئے،
تین سو ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطراف عالم میں ذلیل و
خوار پھیر رہی ہیں،

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں
سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،
مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت
نمبر ۱۲ میں حضرت ناسن علیہ السلام
کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام

کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے۔

اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائیگا
تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

Titus شاہ روم (سنہ ۷۰ تا ۹۶ء) اس نے ستمبر سنہ ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ
کے بعد یروشلم فتح کیا تھا، اور تباہی بھاری تھی ۱۲

قائم کر دیں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کر دیں گا، اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطائے تو میں اسے آدمیوں کی لاشی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تشبیہ کر دیں گا، پھر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساؤلؑ سے جدا کیا، چہ میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا“ (آیات ۱۲ تا ۱۶)۔

اس کے علاوہ کتاب تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ۔

دیکھ تمہ سے ایک بنا پیدا ہوگا، وہ مرد صالح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے اباؤں میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھوں گا“ (آیات ۹ و ۱۰)۔

گویا خدا کا وعدہ یہ تھا کہ داؤد کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت تک نہیں بٹکے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا، اور اولاد داؤد کی بادشاہت عرصہ دراز ہو کہ مٹ چکی ہے،

عیسائیوں کے مقدس پوس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام غلطی نمبر ۳۵ کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا قول یوں نقل کیا ہے کہ ۱۔

”میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۳، آیت ۱۴ کی جانب
ہو، جو سابقہ غلطی میں نقل کی جا چکی ہے، لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

① کتاب تو ایچ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام
”سیمان“ ہوگا،

② دونوں کتابوں میں تعزیر پانی جانی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس

لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمان کے اور
کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک

ہزار تین سال بعد پیدا ہوتے، جو اس کے دیوان ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح
انجیل متی کے باب ۲۳ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹، میں معلوم ہو جائے گا،

③ دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف

عیسیٰ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

”توڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے

نے سرد صرنے کی بھی جگہ نہیں“ (متی ۲۰: ۱۸)

④ سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

”اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاشی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کر دوں گا“

لہٰذا پوس کی پوری عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰ کو نسرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا ہے
”کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا، اور پھر
یہ کہ میں اس کا باپ ہو گا اور وہ میرا بیٹا ہو گا“

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انہوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی بھی کی، اور بت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصب نبوت کے اشرف مقام سے گر کر شرک کی ذلت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح ان کی مقدس کتابوں میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسیٰ معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق ان سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تواریخ ادل میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

تہ مرد مسلح ہو گا اور میں اسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا؛

عیسیٰ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب در روز یہودیوں کی ہول ان پر سوار رہتی تھی، عموماً ان کے خون کی وجہ سے ادھر سے ادھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:-

تین اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا؛

خور کھئے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں رومیوں کے غلام اور ان کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے،

⑤ سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہو
 اس کی تصریح کتاب تواریخ تانی باب میں موجود ہے،
 اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں
 ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمان
 کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا
 ہے اس کے لئے ان صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی
 ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر
 بھی کر لی جائے تب بھی متاخرین جمہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست
 نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے
 لئے جو مثنیٰ اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ مثنیٰ، یوسف نجار کا نسب
 بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے
 بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف
 نجار کے بیٹے نہیں ہو سکتے، اور ان کی نسبت ان کی جانب محض بیوردہ اور بے اصل
 خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی
 آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہو سکتے، بلکہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں اس لئے

۱۔ خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا
 سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا اٹھانا، تو جس اس گھر کو نہ بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا وہی
 میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اُس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں
 اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں (۲۔ تواریخ ۱: ۱۰-۱۱) لہذا اس کی تفصیل میں پندرہ رکھی ہے ۲

جو پیشینگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوتی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہو سکتی،

کتاب سلاطین اول باب میں حضرت الیاس علیہ السلام کو سے یا عرب؟ غلطی ۳۶ کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :-

اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا بیخ کر، اور کریت کے نالہ کے پاس جو اردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی نالے میں سے پینا، اور میں نے کتوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جبکہ خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریت کے نالہ کے پاس جو اردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کتے اس کے لئے بیخ کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لاتے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا ۱۱

سوائے جیروم کے تمام مفسرین نے لفظ "اوریم" کی تفسیر کتوں کے ساتھ کی ہے، البتہ جیروم نے "عرب" کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تحریف کی، اور لفظ "عرب" کو کتوں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملت عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقہ پرڈٹسٹنٹ کا محقق ہورن حیران ہے، اور مذمت دہر کرنے کے لئے جیروم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظن غالب کے طور پر کہتا ہے کہ "اوریم" سے مراد عرب ہے نہ کہ کتے اور تین اسباب کی بنا پر اس نے مفسرین اور مترجمین کو اس حق و ستر اردیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

۱۱ اصل عبرانی متن میں کتوں کی بجائے "اوریم" کا لفظ ہے ۱۲

جلد اول کے صفحہ ۶۲۹ پر کہتا ہے :-

تبعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں، لیکن اگر وہ اصل لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ "اوریم" ہے، جس کے معنی "عرب" ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۱۱ میں اور کتاب نحمیاہ کے باب ۴ آیت ۷ میں استعمال ہوا ہے، نیز پریشیت ربا سے جو علماء یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک بستی میں جو بٹشان کے علاقہ میں تھی مٹھی رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، جیروم کہتا ہے کہ "اوریم" اس بستی کے باشندے ہیں جو حدود عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، جیروم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ "کوٹے" لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیاہ اور جیروم نے "اوریم" کا ترجمہ "عرب" سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوٹے، یہودی مفسر مشہور جارحی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کہے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلاف شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور ردی پہنچایا جائے جو اتباع شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کہے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مردار جانور پر نہیں اترے، اس کے علاوہ اس قسم کی ردی اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہنچائی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوٹوں کی طرف کیے گئے۔

کیا جاسکتا ہے! غالب یہی ہے کہ "ادب" یا "ادب" کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔"

اب ہماری جانب عام پبلسٹیٹ کو اختیار ہو، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کر کے پیشہ رفتاری اور مرتبین کو اس حق قرار دیں اور چاہیں تو دوسروں کو بیوقوف بنا نیوالے اس محقق کو بیوقوف مانیں اور اعتراض کریں کہ یہ باطلی غلط اور عقلا کی منہسی کا سہ ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجوہ کی بنا پر ناممکن ہو،

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کتب کی؟ غلطی نمبر ۷۳، کتاب سلاطین اول باب ۶ آیت میں یوں ہو کہ اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسی ہیں سال اسرائیل پر سلیمان کی

سلطنت کے چونتیس برس زیو کے عہد میں جو دوسرا عہد ہے ایسا ہوا کہ اس نے خداوند کا گھر بنا کر شروع کیا۔

یہ بات مورخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

مورخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا ہے:

متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۴۰، کلیکاس کے نزدیک ۳۳۰،

ملکیور کا فوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفوس کے نزدیک ۵۹۲، سپی سیوس

سورڈس کے نزدیک ۵۸۸، کیکنس اسکندر یا لوس کے نزدیک ۵۷۰،

سیدرنیس کے نزدیک ۶۷۲، گودوانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسی پوس د

وکایا لوس کے نزدیک ۵۸۰، سرار پوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم

کے نزدیک ۵۲۷، مستی نوس کے نزدیک ۵۹۲، پیٹیا لوس دواستی روس کے نزدیک ۶۰۰

پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ادھر یوسیفس اور کلینس، اسکندر یانوس دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ دقیق نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸

انجیل متی کے باب آیت نمبر، ۱ میں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۶۶ء کی رُود سے مذکور ہے۔

پس سبب تین ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں، اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۴ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داؤد پر ہوتی ہے جب داؤد اس قسم میں داخل ہیں، تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوتے، اور دوسری قسم کی ابتداء سلیمان سے ہوگی، جو یکنیاہ پر ختم ہو جائے گی، اور جب یکنیاہ اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتداء سائحاہیل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پشتیں ہوں گی۔

۱۴ اگر یکنیاہ کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلہ نسب ہی۔ سائحاہیل، زربابل، ابی ہود، ایاقیم، عازور، صدوق، انجم، الیہود، ایعزر، مثال، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر یکنیاہ کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کل تیرہ پشتیں رہ جاتی ہیں ۱۳ تہی

اس چیز پر اگلوں پھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، بورقوی نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بوردے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابل التفات ہیں،

حضرت مسیح کے نسب میں چار غلطیاں اور کھلی تحریکیں، غلطی ۳۹ تا ۴۲

انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے کہ :-

”اور بابل کی جلادطنی میں یوسیاہ سے

کیونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ یکنیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوتی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلادطنی میں زندہ ہو حالانکہ چار وجوہ سے غلط ہے:

① یوسیاہ اس جلادطنی سے ۲۱ سال قبل وفات پا چکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تخت سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہو یقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہو یقیم کا بیٹا یوکیناہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلادطنی کیا،

② یکنیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

③ یکنیاہ کی عمر جلادطنی کے وقت ۱۸ سال تھی، پھر بابل کی جلادطنی کے زمانہ میں

۱۰ دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۳۵، ۲۳، ۲۶، ۱، ۲، ۵، ۹، ۲، ۲، ۳، ۲، ۳، ۳۰، ۳۱، ۳۶، ۳۷

۸: ۲۳

۱۱ یہو یاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا (۲: ۲۳، ۸: ۲۳) واضح رہے کہ یہو یاکین ہی کا دوسرا نام یوکیناہ ہے (یرمیاہ ۲۳: ۲۳)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب؟

④ یوحنا کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں اس کے باپ کے عین بھائی ضرور تھے،

ان خشکات کے پیش نظر جن کا اس غلطی میں اور گزشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے، آدم کلا رک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ۔

”کاتھ کہتا ہے کہ آیت ا کو اس طرح پڑھا جائے کہ یوحنا کے یہو یقیم اور اس کے

بھائی پیدا ہوئے، اور یہو یقیم سے یوحنا باہل کی جلا وطنی کے وقت پیدا ہوا۔“

دیکھتے کس طرح تحریف کا حکم دیا جا رہا ہے، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہو یقیم

۱۵ چنانچہ بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کرنی گئی ہے، کاتھ صاحب نے مشورے دیے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہو یقیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ جلا وطنی میں کے بجائے ”جلا وطنی کے وقت“ کر دیا جائے ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی بڑی غیر محسوس ہے، لہذا اس وقت جتنے تراجم ہائے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں، ”اور گرفتار ہو کر باہل جانے کے زمانہ میں“ اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کر کے بات اس حد تک پہنچا دی کہ مصنف نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑ سکے، ملاحظہ ہوں کن کے الفاظ۔

“and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon.”

”یہی یوحنا کے ہاں یوحنا اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ انہیں باہل لیا گیا۔“ ملاحظہ فرمائیے اس میں ”قریب قریب“ کا لفظ بڑھا کر باہل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے! اور ۱۹۱۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقے سے اس مشکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

“and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon.”

(باقی ترجمہ آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تخریف کے باوجود اعتراض نمبر ۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دور نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض دیانتدار پادریوں نے لفظ یہو یقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جاتے کہ جب مسیح یہو یقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے۔ مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ متی کے اوپر اغلاط کا واقع ہونا اس جہت کے مقابلہ میں سہل ہے،

یہوداہ سے سلون تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلون غلطی نمبر ۳۳ سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن متی نے پہلے زمانہ میں سات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸) میں اور یوسیاہ بابل کی جلاد متی کے وقت یونیاہ کا باپ تھا، یعنی یہ جگہ ہی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا، بس یوسیاہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ ہے وہ کلام جس کے بائے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک بات کو درست مانو۔ لیکن ایک غریب مہی گومی کو (جو یونانی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں)، اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان مقدس باپوں کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہئے کہ ع
جو چاہے آپ کا حسن کوشش ساز کرے۔

۱۵ کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۲۶ میں تصریح ہے کہ: "شاہ یہوداہ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا، جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۱۴
۱۵ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۱۳
۱۵ یہ سلون بن نسون ہیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے پھوپھے (خریج ۲۳۰۶)

پشتیں اور دوسرے میں پانچ لکھی ہیں، جو بدابہت غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۳۳ | رہ تین اقسام جن کو متی نے ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مت دار ۸ ہے، نہ کہ ۱۲، جیسا کہ کتاب تواریخ اول کے باب ۳

سے واضح ہوتا ہے، اسی بنا پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہب عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۲ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۲۵ و ۲۶ | انجیل متی باب آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ۔
"یورام سے عوزیا پیدا ہوا" یہ بات دوجہ سے غلط ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوزیا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عزتیا بن اخزیا بن یوآس بن امصیاء بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئی،

۱۔ یہوداہ، فارس، حصرون، رام، عینداب، نخسون، سلون،

۲۔ سلون، بوخو، عوبید، یسی، داؤد علیہ السلام،

۳۔ یعنی حضرت مسیح کے نسب کی، ایک حضرت داؤد تک، دوسری آپ سے بائبل کی جلا وطنی تک، اور تیسری حضرت مسیح تک،

۴۔ اس کی زد سے حضرت داؤد سے کیونیاہ تک کا نسب حسب ذیل ہے۔ داؤد، سلیمان، رجھام، ابیہاہ،

آساہ، یہوسفظ، یورام، اخزیاہ، یوآس، امصیاء، عوزیاہ، یورام، آخز، حزقیاہ، طقی، امون، یوسیاہ،

یہو یقیم، یحویناہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۳ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاہ، یوآس، امصیاء، یہو یقیم،

کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہے کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے مشائخ غیر

اسے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں، جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ د
۱۲ و ۱۳ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط
کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس
لئے کہ جب کوئی مورخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پشتیں
گذری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہو آیا قصداً چھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ
اس نے حماقت اور غلطی کی۔

(۲) اس کا نام "عزبا" ہے کہ "عزبا" جیسا کہ کتاب تواریخ اول باب ۳ میں، اور

کتاب سلاطین ثانی باب ۱۲ و ۱۵ میں مذکور ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ۔

غلطی نمبر ۴

"سیالتی ایل سے زربابل پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں

ہے کہ وہ فدایاہ کا بیٹا اور سیالتی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اول کے باب ۲ میں
میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۳ میں ہے کہ۔

غلطی نمبر ۸

"زربابل سے اپنی ہود پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے

پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب میں موجود ہے، ان میں کوئی بھی اس

لے اب اردو ترجمہ میں "غزیاہ" ہی کر دیا گیا ہے،

۱۱ آیت، ۱۹ تک، کیونکہ اس میں سیالتی ایل اور فدایاہ کو بھتیجا کا بیٹا کہا ہے، اور پھر فدایاہ کے بیٹوں میں
زربابل کو شمار کیا ہے۔

۱۲ آیت ۱۹ و ۲۰، زربابل کے بیٹے یہ ہیں، سلام اور حانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھی، اور حسوہ

اور اہل اور برکیاہ اور حسدیہ اور یسجدیہ پانچ۔

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو مٹی سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آئی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اذل میں اس کے اور لوقا کے اختلافات پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۱ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

مٹی نے اپنی انجیل کے باب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھ کر وہ یروشلم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچے کے سر پر ٹھہر گیا۔

فطری نمبر ۲۹

لیکن یہ واقعہ فطری، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت مغرب مشرق کو، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت مشرق مغرب ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر چھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت اللحم، یروشلم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض مداروں کی حرکت کا دائرہ تھوڑا سا شمال سے جنوب کو آہل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور خفیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفوں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر خفیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتدبہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

۱۱ منہجہ، پر ملاحظہ فرمائیں،

۱۱ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۱

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کا رکتا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ دیکھتا ہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے،

حضرت اشعیاہ کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ علم کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰، انجیل متی کے باب اول میں اس طرح ہے کہ:-

”اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عانوایل رکھیں گے،

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیاہ علیہ السلام ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں اس طرح کہا ہے کہ:-

”لیکن خداوند اب تم کو ایک نشان بخشے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عانوایل رکھے گی،

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:-

① یہ کہ وہ لفظ جن کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیاہ کے مترجمین نے ”کنواری“ سے کیا ہے وہ ”علتہ“ مونتھ ہے جس میں تار تائینٹ کی ہے، علماء یہود کے نزدیک

۱۰ لیکن یہ اعتراض ہماری راتے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا ”ارہاص“ کے لور پر اگر ایک نبی کے لئے یہ خلاف عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

۱۱ آیت ۱۲، واضح ہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح ہیں،

اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب ۳۰ میں بھی آیا ہے، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو، اشیاء علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ "علہ" آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکویٹیل اور ٹھیوڈوشن اور سیکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے ان کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۵۷ء میں اور تیسرا ۱۷۲ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر ٹھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماء یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے، فرسی اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پرڈٹسٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فرسی کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔

لیکن اس کی بات اذل تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ "اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں" اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

② عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کبھی شخص نے "سما نوئیل" کے نام سے نہیں پکارا، نہ باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

لہ شاید آیت ۲۳ مراد ہے، اس میں ہے: اور نام قبول عورت سے جب دو بیاباں جائے ۱۴

آپ کے باپ سے خواب میں کہا تھا کہ: اس کا نام یسوع رکھنا، جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ:

”قو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا“

اس کی تصریح لوقا کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمارنوسیل ہے،

ⓕ وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا

مصدق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ آرام کا پادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ قح، آخر بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ

ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیار کے پاس

وحی بھیجی کہ آپ آخر کی تشفی کے لئے یہ کہتے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں

مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی

سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور

اس بچہ کے سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زبردست ہو جائے گی

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال

بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور

اس کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جاتے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

۱۵ مین یوسف نجار،

۱۵ متی، ۲۱، ۱۱،

۱۵ لوقا، ۳۱،

۱۵ دیکھئے یسعیاہ، ۷، ۱۴، ۱۵،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۷۲۱ سال بعد عالم وجود میں آئے ،
 اہل کتاب خود اس پیشینگوئی کے مصداق میں مختلف الراتے ہیں ، بعض نے
 اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشیاء کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے ، اور وہ یہ فرماتی
 ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی ، اور ایک لڑکا جنے گی ، اور جن دو پادشاہوں سے لوگ لڑ رہے
 براندام ہیں ان کی سلطنت اس بچے کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جائے گی ، جیسا کہ
 اس کی تصریح ڈاکٹر ٹمن نے کی ہے ، واقعی یہ راتے قابل قبول ہے ، اور قیاس کے
 قریب ہے ،

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہے کہ
 غلطی نمبر ۱۵ اور کھلی تحریف
 اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خدو

نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا ہے
 نبی سے مراد یوشع علیہ السلام ہیں ، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب
 کی آیت (۱۵) کی جانب اشارہ کیا ہے جو قطعی غلط ہے ، اس لئے کہ اس آیت کو
 عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ، کیونکہ آیت اس طرح ہے ،
 جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو
 مصر سے بلایا ہے

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۶ء میں موجود ہے ، لہذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

نہ یعنی یوسف بنجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے ، تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰ کو
 قتل نہ کر دے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے ۱۲ سالہ سببوں میں ایسا ہی ہو مگر یہ غلط ہے
 کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں ، حضرت یوشع علیہ السلام میں اپنی کتاب میں آئیوا لاجلہ درج ہے

اظہار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغہ جمع کو معترض سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو بلایا اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۹۲۲ء نے یہی تخریفت کی ہے۔
لیکن اس کی خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس قدر ان کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انہوں نے بعلم کے لئے ستر بانیاں گذرائیں۔

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ ان یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی جبکہ بابل کی قید سے آزاد ہوئے، بہت پرستی سے پکی توبہ کر چکے تھے، پھر انہوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ
جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے
ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی

ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا
غلطی نمبر ۵۲

بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا
جو دو درہن کے پاس سے پھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں کے تحقیق کی تھی

۱۷ اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہلے سے پاس سب ترجموں میں پانے بیٹے کے

یہ بات بھی عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر و مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان طلبہ یہود نے جو ہیرودیس کے عیب ڈھونڈنے اور نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا اثر مناک عیب ہے، اگر اس کی اصل بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ دوڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں شک مرح لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاقاً سے کوئی عیسائی مورخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یروشلم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسرے کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے، اور پھرے تھے، اور کس کس کے لئے ہیے اور نذرانے لائے تھے؟ معصوم بچوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :-

غلطی نمبر ۵۳

اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو برمیاء نبی کی معرفت آئی تھی کہ

لہ اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انہیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جلتے تو ہمیں خبر کرنا ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب محوسی اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا۔

رامہ میں آواز سنائی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راعل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں،

یہ بھی قطعی غلط ہے اور صاحبِ انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب

ارمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات

کا مطالعہ کرے گا وہ آسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ

سے نہیں ہے، بلکہ نجات نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا،

اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کر کے بابل کی جانب جلا وطن کر

گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راحیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی

روح عالمِ برنج میں رنجیدہ ہوئی، اسی بنا پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن

کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دئے گا۔

ارمیاہ کی تحریر اور صاحبِ انجیل کی تصدیق سے یہ بات

ایک خاص نکتہ

معلوم ہوتی ہے کہ فردون کے عالمِ برنج میں اپنے رشتہ داروں کے

حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور ان کے مصائب و تکالیف کا حال

معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقہ پر وٹسٹٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے

انجیل متی کے باب آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:-

غلطی نمبر ۵۴

”اور ناصرہ نام ایک شہر میں جاؤ، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

۱۷ مثلاً، اور خداوند فرما، ہر تیری ماقتب کی بابت امید ہے، کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حد درمیں داخل ہوں گے (رمیاہ ۲۳)

۱۸ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلاتے گا :

یہ بھی قطعی غلطی، یہ بات کسی بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیسا کہ یوحنا کی انجیل باب آیت ۵۲ میں صاف لکھا ہے، مسیحی علماء اس سلسلہ میں کمزور اور بوٹے عذر و بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ
۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۳ء و ۱۸۸۰ء
حضرت سحیحی کتب تشریف
لائے؟ غلطی نمبر ۵۵
میں اس طرح ہے :-

وفا تلك الايام جاء يوحنا المعمدان يكرز في بريّة اليهوديّة،
ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں، یہ منادی کرنے لگا،
اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۲ء میں اس طرح ہے :-
”اندر ان ایام سحیحی تعمید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت“

لہ انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کر اور دیکھو کہ گلیل میں سے کوئی
نبی برپا نہیں ہونے کا (یوحنا، ۵۲)
۱۸ ماضی قریب کے مفسرین میں سے آر. اے. ٹاکس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کر کے
کتاب ”حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو۔
کہ وہ ناصری ہوگا“ تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جداول،
۱۲ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں

انہی دنوں میں یحییٰؑ بیٹہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا۔

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہو گیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزادی کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آگئے، اور ناصروہ میں جا بے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں "ان دنوں" سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہو گا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصروہ میں سکونت اختیار کی اس وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا دعظان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے،

انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ ۱۔

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیا کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قید خانہ میں ڈال دیا۔"

ہیرودیا کے شوہر کا نام
غلطی نمبر ۵۶

یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فلپس، جیسا کہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۸ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،
غلطی نمبر ۵۷ | انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ ۱۔

۱۔ کیونکہ لوقا ۳: ۱ میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ دعظان وقت کہا جبکہ فلپس، پہلا طیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تیریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرھواں سال تھا، تیریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، (برٹانیکا، ۱۹۶۱ ج ۲۲ مقالہ تیریس)۔ نوویا حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزولی ہو چکا تھا، (برٹانیکا، ص ۲۳۶ ج ۲ مقالہ ارخیلاؤس)، اگر ارخیلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصروہ میں جا بسنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے مانا جاتا تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری

اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا اس کو رد اٹھانہ اس کے ساتھیوں کو؟ (آیت ۳ و ۴)

اس بیان میں نہ اس کے ساتھیوں کو "کالفظ غلط ہے، جیسا کہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

انجیل متی کے باب ۲، آیت ۹ میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۵۸

"اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جن کی

قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی قیمت کے دو تیس روپے لے لے لے؛

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا،

حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونیکے

انجیل متی کے باب ۲۲ آیت ۲۲ میں ہے کہ:-

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے

تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، اور

وقت زمین کی مبینہ حالت غلطی ۵۹

زمین لرزی، اور چٹانیں ترخ گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم

ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں

سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیتے؛

یہ انسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل ٹورٹن نے گوانجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے

باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ۱-

۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۷، ۶۸، ۶۹ (جلد دوم)

۱۵ یعنی جس وقت حضرت مسیح کو معاذ اللہ سولی دی گئی ۱۲

یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یرشلیم پر بادودیران ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آ گیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا،

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔

① یہودی، مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز پیلاطس کے پاس پہنچے،

اور کہا کہ۔

”اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہذا آپ پہرہ دار مستر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک بگرائی کریں۔“

نیز متی نے اس باب میں صاف بیان کیا ہے کہ پیلاطس اور اس کی بیوی مسیح کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جائیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھل جانا اور مردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں پیلاطس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اس کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیح گمراہ تھے تو

لہ آرسے ناکس نے بھی عہد نامہ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراض کیا ہوا دیکھا، کہ متی نے

Commentary on New Testament

مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے

P. 70 V.I.

۱۹ : ۲۴ : ۱۸ و ۱۹

۱۲ : ۲۷

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انہیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے بھی براہی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

(۲) یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آتے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے، بائبل کا بیان ہے کہ جب رُوح القدس کا نزول خوارین پر ہوا اور انہوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۱ میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

(۳) یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہو کہ سوائے مٹی کے اس زمانہ کا کوئی بھی مورخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بیان پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہئے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سرفراز لگاتا اور کھود کر یاد کرتا ہے جو مسیح سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل سے بڑا اور کتاب اعمال با معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات ان واقعات کو نہ لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر اظہار نہ کر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

(۴) وہ پردہ ریشمی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلیوں پر مشترکہ طور سے لازم آتا ہے،

(۵) بہت سے مقدسین کے جسموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا جو اس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے کھڑے ہوئے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اول ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے،

لہذا سچی بات وہ ہے جو فاضل ٹورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم انکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب و یابس کی اس کو کچھ شناخت نہیں ہے، تن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آ گیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

انجیل متی باب آیت ۳۹ میں ہے کہ۔

”اس نے جواب دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا
تین دن بعد زندہ ہونا، غلطی ۶، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲

مگر پوناہ نبی کے سوا کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے پوناہ تین رات دن

۱۰ دیکھئے صفحہ

۱۱ یعنی حضرت یونس علیہ السلام،

پھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ (آیت ۲۹) اور متی ہی کے باب کی آیت ۲ میں ہے کہ:-

اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر تو ناؤ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔

یہاں بھی یونانہ پیغمبر (علیہ السلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲۷ آیت ۶۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”ہم یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھو گا۔“

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو اناجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تھریٹیا دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پیلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیسا کہ مرقس کی انجیل میں صاف لکھا ہے، اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوع شمس قبل غائب ہو گئی، جس کی تصریح انجیل یوحنا میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

۱۲۔ انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپکے اکثرہ ابن آدم کے نام سے یاد کیا ہو، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲
۱۳۔ مرقس ۱۵: ۳۶، ۳۷

۱۴۔ یوحنا ۲۰: ۱ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۴

اور چونکہ یہ اقوال غلط تھے، اس لئے پاس اور شانز نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ متی کی اپنی تفسیر ہے، اس کو مسیح کا قول تسلیم نہیں کیا اور دونوں نے یہ بات کہی کہ:-

حضرت مسیح کا مقصد و صرف یہ تھا کہ یمنونی کے باشندے جس طرح محض و عظامتک

ایمان لے آئے اور مجزے کے طالب نہیں ہوتے اسی طرح لوگ مجھ سے بھی

صرف و عظامتک راضی ہو جائیں؟

ان دونوں کی تشریروں کی بناء پر فطلی کا منشاہ متی کی بد فہمی تھی، اور یہ بات بھی

ثابت ہو گئی کہ متی نے اپنی انجیل الہام سے نہیں لکھی، پھر جس طرح وہ اس موقع پر

مسیح کی مراد نہ سمجھ سکا اور ٹھوکر کھائی، اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی وہ

نہ سمجھ سکا ہو، اور غلطی نقل کر ڈالا ہو، پھر اس کی تحریر پر کس طرح بھروسہ اور اعتبار

کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی تحریر کو الہامی کس طرح مانا جاسکتا ہے؟ کیا الہامی کلام کا

حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟

نزول عیسیٰ کی پیشینگوئی، غلطی نمبر ۶۳

انجیل متی باب آیت ۲۷ میں ہے:-

کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال

میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا، اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے

مطابق بدلہ دے گا، میں تم سے پہلے کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض

ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی پادشاہی میں آتے ہوتے نہ دیکھ لیں گے

موت کا مزہ نہرگز نہ چکھیں گے (آیات ۲۷ و ۲۸)

۱۷ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ۱۲

۱۸ یہ بقول انجیل خود حضرت مسیح کا قول ہے اور اس سے آٹھ زبانہ میں تشریح لائیکل طرف اشارہ ہے

یہی غلطی ہے اس لئے کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گلی سٹری ہڈیاں بن گئے، مٹی ہو گئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے۔ ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی پادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا،

انجیل متی باب آیت ۲۳ میں ہے :-
غلطی نمبر ۶۲

جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ، کیونکہ

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے

کہ ابن آدم آجائے گا۔

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا، اور اب تو ان کی وفات پر ۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن "ابن آدم" اپنی پادشاہی سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰ کے یہ دو قول تو عروج آسمانی سے پہلے کے تھے، اور عروج کے بعد کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں :-

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸
کتاب مشاہدات باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ :-
"میں بہت جلد آنے والا ہوں"

باب ۲۲ آیت ۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :-

"اور دیکھ! میں بہت جلد آنے والا ہوں"

۱۱ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہوئے ۱۲

۱۲ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو خطاب ہے ۱۳

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

اس کتاب کی نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ، کیونکہ وقت نزدیک ہے۔

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

تو شک میں جلد آنے والا ہوں۔

ان مسیحی ارشادات کی بنا پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول

ان کے زمانہ میں نہ ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور

فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ان کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا

عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا۔

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ

غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵،

”تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خدا نے

کی آمد تریب ہے۔“

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب آیت ۷ میں ہے کہ :-

تسب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعا کرنے

کے لئے تیار۔“

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب آیت ۸ میں ہے کہ :-

”اے لڑکوں! یہ افسوس وقت ہے۔“

۴۔ تھسلنیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

”چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں، اور خداوند

کے آنے تک باقی رہیں گے، سوتے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

خود آسمان سے لٹکارا اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئیگا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں مرے جی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اٹھاتے جائیں گے، تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ (آیات ۱ تا ۱۷)

۵۔ فلپیوں کے نام خط کے باب آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ۔

”حنراوند قریب ہے۔“

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ۔

”اور ہم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھیں گے۔“

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ہے کہ۔

”دیکھو! میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں سوتیں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھوٹے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جائے گا، اور مرے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے۔“

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو ان کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے گا، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی، جس کے نتیجے میں یہ اقوال غلط ہوں گے،

یہ نکل ۱۱ اغلاط ہوں،

۱۲۔ یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور ”جلدی“ سے مراد

زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۲

غلطی نمبر ۷۶، ۷۷ و ۷۸ | پھر انجیل مٹی کے باب ۲۲ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے، لوگوں نے آگے

بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور برباد ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟ آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہو اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزولِ عیسیٰ اور قیامت کے آنے سے ہے، اسی مسلک کو فاضل پولس اور اسٹار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہے وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابل التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۲۷ء کی رُو سے اس طرح ہیں:-

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سوچ تاریک ہو جائے گا، اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلانی جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت زمین کی سب قومیں چپاتی پشیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ نریسکے کی بڑی آواز کے ساتھ

۱۵ چرکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہے ۱۲ نقل

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،

اور آیت ۳۴ و ۳۵ میں ہے :-

”میں تم سے سچ بکتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہوں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کا بھی یہی مفہوم ہے، اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ۱۸۲۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹ :-

و بعد از رحمت آں ایام فی الفور آوران ایام کی رحمت کے بعد فوراً آفتاب
آفتاب تاریک خواهد شد، تاریک ہو جائے گا۔

آیت ۳۴ میں ہے :-

برستی کہ بشما میگویم کہ تا جمیع این ”میں تم سے درست بکتا ہوں کہ جب
چیز باکامل نگرود این طبقہ منقرض تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ
نخواہد گشت، نسل ختم نہیں ہوگی۔“

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر

اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور ویران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ ”فورا ان دنوں کی مصیبت کے بعد“ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰ کی ہم عصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیح کی بات

لحد تطویل کے خوف سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ ”تقی

نہ مٹے، مگر افسوس ہے کہ وہ مٹ گئی، اور زمین و آسمان اب تک نہیں مٹے، اور بدستور قائم ہیں، اور حق باطل ہو گیا۔۔۔۔۔ خدا کی پناہ:

اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے، لہذا اس قصہ میں بھی غلطی ہوئی، اور تینوں انجیل والوں نے اس غلط بات کے کہنے میں ایک دوسرے سے اتفاق کیا، اس طرح تینوں کے اتفاق سے کل تین غلطیاں ہو گئیں۔

ہیکل کی بنیادوں پر دوسری تعمیر نہیں ہو سکتی، غلطی نمبر ۷، ۹، ۱۰، ۱۱۔
انجیل متی کے باب ۲۴ آیت ۲ میں مسیح کا قول یوں بیان ہوا ہے کہ:-
"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر

پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گر جائے گا۔"

اور علماء پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ ہیکل کی بنیادوں پر جو بھی تعمیر کی جائے گی وہ منہدم ہو جائے گی، اور اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، جیسا کہ مسیح نے خبر دی ہے، مصنف تحقیق دین الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی مسیح کی ان بڑی پیشینگوئیوں میں سے ہے جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے، اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۳۹۴ پر وہ رتبہ طراز ہیں:-

پادشاہ جولین نے جو مسیح کے تین سو سال بعد ہوا ہے اور مذہب عیسوی سے مرتد ہو گیا تھا، ارادہ کیا کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرائے تاکہ مسیح کی پیشینگوئی باطل ہو جائے۔
یہ سب اس کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیادیں سے ایک آگ برآمد ہوئی جس سے ذکر تادم معمار بھاگ گئے، پھر اس کے بعد کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہوئی کہ اس

پچے کی بات کو مٹائے، جس نے کہا تھا کہ آسمان و زمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی۔

پادری ڈاکٹر کیٹ نے "ٹنکرین مسیح" کے زو میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل رکھا ہے، یہ کتاب دارالسلطنت ایڈنبرگ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۷۰ پر کہتا ہے کہ:-

"شہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور ہیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادوں کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت شہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ ہیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جدوجہد اور شہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بہت پرست مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور محاروں کو جلا دیا جس کے سبب انھوں نے کام روک دیا۔"

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی اسی باب کی دوسری پیشینگوئی غلط ہے۔ ٹامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیوں پر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۲ و ۶۳ میں وہ کہتا ہے کہ:-

۱۔ یعنی وہ پیشینگوئی جو جیل زیتون پر کی گئی اور غلطی خبر ۱، کے ضمن میں چھپے گذر چکی ہے،

نعمان رضی اللہ عنہ، وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنہوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دور ساڑھے دس سال ہوا، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب، شام و ایران اور مصر پر ان کا تسلط ہو گیا، نیز انہوں نے بنفس نفیس یروشلم کا محاصرہ کیا، اور ۶۳۶ء میں ان عیسائیوں سے صلح کر لی جو طویل محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ ان کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی۔ اور پادری نے یعقوب کے حجرے اور ہیکل سلیمان کے مقام کی نشان دہی کی، اس مقدس جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دست مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلامتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسران فوج نے عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادت خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض موزخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے جو بارہواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی؛

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر با این ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمان کی جگہ حضرت عمرؓ اپنی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبدالملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گذر چکا ہے، پھر ان کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہو گئی؟ اور نہ آسمان وزمین فنا ہوئے، اور چونکہ یہ قول انجیل میں مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی منقول ہے، لہذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلط ہو گئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں
غلطی نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ۔
یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے چھ
کہتا ہوں کہ جب ابن آدم بیٹھا آسماں

میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھو کہ
اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا نسل کر دو گے ؟

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب یہود اسکرپتوری تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جنہی بنے، پھر ان کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں
کا نزول، غلطی نمبر ۸۳

انجیل یوحنا باب اول آیت ۱۵ میں ہے کہ۔
پھر اس سے کہا میں تم سے چھ کہتا ہوں کہ تم آسمان
کھلا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے اور

ابن آدم پر اترتے دیکھو گے ؟

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطلاح اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہے۔
حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام
پر آسمان فرشتوں کو نازل ہوتے اور جلتے ہوتے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ
قطعاً غلط ہے۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا
کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴
انجیل یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں یوں
کہا گیا ہے کہ۔
”اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا،“

سو اس کے جو آسمان سے اترے، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ جنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جاتے گئے، اور
چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱ میں اور سلاطین ثانی باب ۱۱ میں موجود ہے،

عیسائیوں کی کرامتیں
غلطی نمبر ۸۵
انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۲۳ میں کہا گیا ہے کہ۔
”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے
کہ تو اٹھ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شکر

نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہر وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے وہی ہوگا۔“

۱۱ (ان دونوں واقعات کی تفصیل میں جلد ہذا پر گزر چکی ہے)، یہ واقعات یوحنا میں اس قول سے پہلے
۳۲، ۱۱ میں بیان کئے ہیں ۱۲

۱۲ یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲

۱۳ اور جنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھالیا (پیدائش ۳۴)،
۱۴ اور آتش گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا (سلا ۲: ۱۱)

اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں کہا گیا ہے :-

”اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے یہ دے
کو بھالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک
کرنے والی چیز پیئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے
تو اچھے ہو جائیں گے۔“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۲ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے کہ :-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی
کرنے لگا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرنے لگا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں“
اس میں یہ بات کہ جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا ”عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص
نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں
کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ”جو مجھ پر ایمان لاتے گا“ یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقہ اودی کے ساتھ مخصوص ہیں
تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو
یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور
ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کی...
نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اس کو مسیح کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ ان
بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ ان سے زیادہ بڑے کام کر بچا۔ اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیح جیسے کارنامے حواریوں ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پر وٹسٹنٹ کہ علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرق عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں منتخب اور چیدہ عیسائیوں یعنی مشرق پر وٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ باوجود ساہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مؤنث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، شیطا طین کو نکال دینا اور سانپوں کو اٹھالینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفا دینا تو کالے دارو:

سچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ان بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے، شیطا ن کو پتھر پر غالب آگیا، ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم اشخاص

پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآة الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، پادری مرصوف صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸ میں کہتا ہے:-

”لو تھرنے دسمبر ۱۹۲۳ء میں ارادہ کیا کہ سینا کے بیٹے سے شیطان کو نکال دو
مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو ان یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنہوں نے
شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب آیت
۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لو تھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں
کو زخمی کر ڈالا، سٹافیس نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لو تھر
کی گردن دبا رکھی ہے۔ اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ
بہو اس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھیار سے جو اس کو
روشنی کے ذریعہ اُس کے نوکرنے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا“

دوسرا واقعہ بسک وائل سیرس موزخ نے سرقت
پر ڈسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کا لوین کا جو لو تھر
کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک

کالون کی شرارت اور
اُس کا عجز تک انجام

شخص بیردس کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چت لیٹ کر سانس روک کر
مردہ کی طرح ہو جانا... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیردس مردے اٹھ کھڑا
اور زندہ ہو جا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مردہ
تھے۔ اور اب زندہ ہوتے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر اپنے آپ کو
مردہ بنائے تو تم خوب رونا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی
ہمدردی دینے والیاں جمع ہو گئیں۔ تب کا لوین آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رو
میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور بیروس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ بیروس واقعی مرجحکا تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کانون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا، اور چلا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ! یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے زور میں پولس کی طرح عظیم اشران مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروں کے حال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور شرقیہ کیتھولک کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زہر دوسرے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، خورد پی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، پھر جب گرجے کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، غرض دونوں شرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات سے قطعی محروم ہیں

انجیل یوقا باب آیت ۲، میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸۶

تہ یوحنا کا اور دہ ریساکا اور دہ زربابل کا اور دہ سیالقی ایل کا اور

دہ نیری کا۔

الحمد لله رب العالمین صلی علیہ وسلم کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اس آیت میں تین اغلاط ہیں۔

۱. زور بابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ متنی کی تحریک کے بھی خلاف ہے،
۲. زور بابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالقی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور ہے،
۳. سیالقی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متنی نے بھی کی ہے۔

لوقا باب ۳ میں کہتا ہے۔

غلطی نمبر ۸

”وہ سلج کا اور وہ قینان کا اور وہ ارکسد کا“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلج ارغشد کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱ میں اور کتاب تواریخ اول باب ۱ میں موجود ہے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود عیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہمارے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں عیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

۱۰ دیکھئے کتاب ہذا ص ۲۹۰ کا حاشیہ۔

۱۱ دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۸۹ کتاب ہذا۔

۱۲ یکنیاہ سے سیالقی ایل پیدا ہوا دمتی ۱: ۱۲۔

۱۳ جب ارکسد پینس برس کا ہوا تو اس سے سلج پیدا ہوا (۱۲: ۱۱)۔

۱۴ ”اسم ارکسد سلج“ (۲۳: ۱۱)۔

۱۵ یہ مصنف نے غالباً اس لؤ کہا جو کہ بعض تراجم میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا۔

ولادتِ مسیح سے پہلے کی
مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیل وقایہ آیت میں کہا گیا ہے :
ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اور گشس کی طرف سے
یہ حکم جاری ہوا کہ ساری آبادی کے نام لکھے جائیں یہ

پہلی اسم نویسی سواریہ کے حاکم کوزنیس کے عہد میں ہوئی :

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنت روم کی آبادی ہے، اور لفظ
یہی صوم ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنت یہود کی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں
جو یا تو لوقا کے ہم عصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں، کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اس
مردم شماری کو جو ولادتِ مسیح سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ ان مورخین میں سے کسی نے
جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہے
کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقول ہے، پھر اگر اس سے یہی قطع نظر کر لی جائے تب بھی کیسے
مکن ہو سکتا ہے کہ کوزنیس دالی شام جو مسیح کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس
کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیح کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہو چکی ہو
اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیح کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریم کا حل متواتر
پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اول میں اس امر کا اعتراف کیا ہے
کہ ذکر یا علیہ السلام کی بیوی، میرودیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریم اس کے چھ ماہ
بعد حاملہ ہوئی تھیں، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

لہ مسنف کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہے، مگر مبلوہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے شماری

دنیا کا لفظ ہے ۱۲

۱۵ اور میرودیس کا ناناہ کوزنیس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۲

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

انجیل لوقا باب ۳ آیت ۱ میں اسی طرح ہے کہ۔

غلطی نمبر ۸۹

”تیرس تیسر کی حکومت کے پندرہویں برس جب پتلیس، پیلاطس،

یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیروڈیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخوتس کا

اور سانیاس اپلینے کا حاکم تھا، (یعنی تراجم میں اپلینے کے بجائے البلیاہ کا لفظ ہے

مال دونوں کا ایک ہے)۔“

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک سانیاس نام کا کوئی شخص

جو پیلاطس اور ہیروڈیس کا معاصر ہوا اپلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ۔

غلطی نمبر ۹۰

”لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیروڈیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی

ہیروڈیاس کے سبب اور ان سب برائوں کے باعث جو ہیروڈیس نے کی تھیں

یوحنا سے لامت اشاکر الخ“

یہ قطع غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے، جیسا کہ مفسرین نے بھی

تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب کے

شاہد ۲ میں مزید معلوم ہو جائے گا، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب

کاتب کی

۱۰ ”حاکم“ یہاں یونانی لفظ ”سٹراخ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی چوتھائی ملک کا حاکم ہیں جیسا

کہ ترجمہ کے ماہر سے معلوم ہوتا ہے ۱۱

۱۲ دیکھئے صفحہ ۶۴۳، جلد دوم،

۱۳ دیکھئے صفحہ ۳۹۹، جلد اول،

غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب آیت ، میں ہے کہ :-

ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر پوچھا کہ پکڑوایا، اور اپنے بھائی فلپس

کی بیوی ہیرودیس کے سبب اسے قیدخانہ میں باندھ رکھا تھا،

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تیوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۲ء کے مترجم نے متی اور لوقا کی عبارت میں تخریف کر کے لفظ فلپس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی روٹیاں کھانا، غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴

انجیل مرقس باب آیت ۲۵ میں اس طرح کہا گیا ہے :-

اس نے اُن سے کہا کیا تم نے کبھی

نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ایسا ترسردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاهنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں؟

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تہناتھے، اُس وقت اُن کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ ”اور اس کے ساتھیوں“ غلط ہیں،

اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ ”اپنے ساتھیوں کو“ غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ

اس زمانہ میں

کاتبوں کا رہیں اخیلک تھا، نہ کہ ایسا ترجمہ اخیلک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ "ایسا ترجمہ" سردار کاہن کے دنوں میں "قطع غلط ہیں، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اصرار ان کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اول باب ۲۱ و ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے،

انجیل لوقا باب ۱ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے

غلطی نمبر ۹۵، ۹۶ "داؤد اور اس کے ساتھی" اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں

کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت میں ہے کہ ۱۔

غلطی نمبر ۹ "اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہود اس کے پوتے اس سے قبل مرچکا تھا، اس لئے حواری صرف

۱۵ سردار کاہن High Priest بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات

میں ہے کہ یہ عہدہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ مختصر ذرائع تفصیل کیلئے دیکھئے خرچ باب ۲۸ و ۲۹ اور اجار باب ۱۶ و ۱۷،

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۵۹ جلد دوم)

۱۵ اور داؤد نوبت میں اخیلک کاہن کے پاس آیا اور اخیلک واقعہ سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ (۱۱:۱۱) اس کے بعد وہ بیٹوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیلک

کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یا ترجمہ الخ (۲۰:۱۲۳)۔

۱۵ یہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے کیفا کو اور پھر

بارہ حواریوں کو نظر آئے، ہورن نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہے دیکھئے صفحہ ۵۹، جلد

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مقرر نے اپنا انجیل کے باب ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ:-
 پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کمانے بیٹھے تھے دکھائی دیا،

انجیل متی باب آیت ۱۹ میں ہے:-
 ”لیکن جب وہ تم کو پکڑو اور تم کو منکر نہ کرنا کہ تم کہیں
 حواری غلطی نہیں کر سکتے
 غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰
 طرح کہیں! کیا کہیں! کیونکہ جو کچھ کہنا ہوگا اس گھڑی

تم کو بتایا جائے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے،
 جو تم میں بولتا ہے“ (آیات ۲۰-۱۹)

پورا انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ:-

تو جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیاریوں کے پاس
 لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح اللہ
 اس گھڑی تمہیں سکھائے گا کہ کیا کہنا چاہئے“

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گویا پاتینوں انجیل والوں کی تصریح
 ان کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے
 وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا اہام ہوگا
 تمہارا کلام ہرگز نہ ہوگا،.....

حالانکہ یہ غلطی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ:-

”پولس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے
 آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گزاری ہے، سردار کاہن
 حنیہ نے ان کو جو ان کے پاس کتاے تھے حکم دیا کہ اس کے منہ پر پٹا باندھو

پولس نے اسے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا تو کیا خدا کے سردار کا ہن کو برا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کا ہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو برا نہ کہہ (آیات ۱ تا ۵) پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو ان کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سے بڑے حواری پطرس کی برابری کا مدعی ہے) نیز فسرتہ پر ڈسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہو، وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلطی کر سکتا ہے؟

بیز عنقریب فصل ۴۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہو اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے عدد کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں۔

انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب آیت ۱ میں لکھا کہ

حضرت ایلیا پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی۔

۱۱۱۳) لے میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں (۲ کریموں ۱۱۱۳)

۱۱۱۴) دیکھئے ص ۳۴۳ و ۳۴۴ جلد ۱۱۱۳

۱۱۱۵) ایلیا کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا (لوقا ۴: ۲۵) چنانچہ ساڑھے تین برس

تک زمین پر عینہ شبر سا (یعقوب ۱۱: ۱۵)

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اول باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوتی تھی، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیح کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوب کے قول میں، اس لئے درحقیقت دو غلطیاں ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ داؤد کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳، انجیل لوقا کے باب اول میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ،

اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا، اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا احسن زمانہ ہوگا۔
(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی دو لحاظ سے غلط ہے:

اول تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہو یقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو مشی کی انجیل میں درج ہے، اور یہو یقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھے، جس کی تصریح کتاب ارمیا، باب ۳ میں موجود ہے، دوم یہ کہ مسیح کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤد کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ ان کو یعقوب کی اولاد پر پادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور سیلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

(۱-۱) خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر اسی جے مل اور میں زمین پر بیٹھ برساؤں گا۔
تیسرے یہو یقیم کی بابت خداوند فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔

نارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا، اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح باو شاہت سے متنفر تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا،

انجیل مرقس باب میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۱۰۴

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں

یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا

اور اب اس زمانہ میں سوگنا نہ پاتے، مگر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے

اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی (آیات ۲۹-۳۱)

اور انجیل لوقا باب میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:-

”اور اس زمانہ میں کسی گنا زیادہ نہ پاتے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“

حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جب اُس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک تو

بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا

منوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں

کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جاتے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جاتا ہے،

اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوڑ ہے کہ ”اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ“

اس لئے کہ گفتگو ہو رہی ہے بہترین جزا اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

انجیل مرقس باب میں مجنون سے بڑو حوں

دیوانہ کو سفار دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵ کے نکالے جانے کی کیفیت کے بین

لہ ”پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے اذیت دے گا، اس لئے پکڑا گیا اور پھانسی دیا گیا اور توراہ“

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-

”پس انھوں نے (یعنی بدر و حوں نے) اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیج دے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور ناپاک و حین نکل کر سوروں میں داخل ہو گئیں، اور وہ غول جو کئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دور میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات امکان ممکن تھی کہ وہ دیوانہ کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفاء دیدیتے، جو نصاریٰ کی نگاہ میں بھیڑ بگری کی طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے، لگان کیوں سنبھالی؟

غلطی نمبر ۱۰۶ | انجیل متی باب ۲۶ میں یہودیوں سے بمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

”اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے“

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادل سے آتا ہوا نہیں دیکھا، نہ دفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔

شاگرد استاد سے نہیں
 بڑھ سکتا، غلطی نمبر ۱۰۔
 انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ۔
 "شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب
 کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔"

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں
 سے بڑھ گئے ہیں۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی غلطی نمبر ۱۰۸
 انجیل لوقا باب ۱۴ میں مسیح کا قول
 یوں بیان ہوا ہے۔

"اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور
 بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔
 یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیح کی شان سے بعید ہے، حالانکہ
 مسیح نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے
 باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے،
 اس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے، ایسی صورت میں مسیح کس طرح
 ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

انجیل یوحنا باب ۱ میں اس طرح ہے کہ۔

غلطی نمبر ۱۰۹
 ادران میں سے کاؤقا نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کا بن

لہ سب نسخوں میں باب ہی مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں۔ صحیح باب آیت ۳۰ ہے، کیونکہ یہ جملہ

اسی میں موجود ہے، ۱۲

۱۲ آیت ۱۲۶

۱۲ سب نسخوں میں باب ہی، مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۲ ہے ۱۲ تھی

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پر آگندہ منسز زندوں کو جمع کر کے ایک کر دے؛ (آیات ۴۹ تا ۵۲)

یہ بھی کئی اعتبار سے غلط ہے؛

اول تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے

لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰ

کی موت کو فقط یہودیوں کی طرف سے کفارہ شمار کیا جاتے نہ کہ سارے عالم کی طرف سے،

جو عیسائی نظریات اور دعادی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ نہ صرف اس قوم کے

واسطے، "تعلیٰ لغو اور نبوت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک سلم ہے وہاں

ہے جو اس وقت کا ہوں کار میں تھا، جب کہ عیسیٰ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی،

اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیح کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

تہ غالباً اس لئے کہ خدا کے فریوہ کا لفظ اپنی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲

تہ "کفارہ" عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے لئے

گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ از راقم الحروف ۱۲ قتی

اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی باریٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،

چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ :-

”اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائفانام سردار کاہن کے پاس لے گئے

جہاں فقیہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے“

پھر آیت ۶۳ میں ہے :-

”مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی

قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے

کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر

مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے،

اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے،

اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہی تمہاری

کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں

نے اس کے منہ پر تھوکا، اور اس کے تکتے مارے، اور بعض نے طاپنچے مار کر کہا

لے مسیح ہیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ (آیات ۶۳ تا ۶۸)

جو تھے انجیل نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :-

”اور پہلے اُسے حنا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن

کائفانام سردار تھا، یہ وہی کائفانام تھا، جس نے یہودیوں کو صلح دی تھی کہ امت

کے واسطے ایک آدمی کا مرنا بہتر ہے“

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیلی نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کیونکر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟ اور اگر نبوت کے وسیع جامے میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوت سے بھی اور ایسے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقلی اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نعوذ باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھ دی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابلِ سماعت ہے۔

بہنی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے بیہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام کجواں تہمتوں کی من گھڑت ہے،

بالعسر من اگر کا تفاق کے قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰؑ ہی مسیح موعود ہیں، اور ہر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم الشان پادشاہ ہو تو خود اس کو اور اکا بر یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجب فساد ہوگی، اور قیصر روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجتاً ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰ کے ہلاک کر دیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہو سکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سارے عالم کے انسان اس اہل گناہ سے چھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدم کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان سے مسیح کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیلی کو بعد میں یہ فرد گزاشت محسوس ہوئی، جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجاتے "نبوت کرنے" کے "صلاح دی" کے الفاظ کو ہستمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلافی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار دی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈالی۔

رسالہ عبرانیہ باب میں ہے ۱۔

غلطی نمبر ۱۱ | چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو مشریت کا ہر ایک حکم سنا چکا تو بچھڑد اور کبروں کا خون سنے کر پانی اور لال اُون اور زرد فاس کے ساتھ اس کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم خدا نے تمہارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام

چیزوں پر خون چھڑکا (آیت ۲۰-۱۹)

اس میں تین لہاٹا سے غلطیاں ہیں۔

- ۱۔ اذان یہ کہ وہ خون بھڑوں اور بگردوں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،
- ۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سرخ صوف اور زون شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،
- ۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ ہرتنوں پر، بلکہ نصف خون شتربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا، جس کی تصریح کتاب الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے :-

اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قرمان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنہوں نے سوختنی شتر بانیا چڑھائیں، اور بیلوں کو ذبح کر کے سلاٹھا کے ذبیحہ خداوند کے لئے گزارا، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا شتربان گاہ پر پھرک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا، انہوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کریں گے اور تامل نہیں کریں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا: بھئی اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے ان سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی مانعت کر دی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ مشر جو

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہوگا وہ فائدہ سے زیادہ ہوگا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے غائب تھیں، پھر جب فرقہ پرور سٹینٹ نمودار ہوا اور انہوں نے ان کتابوں کا کمپوزنگ نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِ عمل ہوا وہ دنیا جاشتی ہے، کتاب التلاش عشرہ مطبوعہ بیروت ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۴۱۸ و ۴۱۹ پر لکھا ہے کہ ۱۔

اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہئے جو ٹریڈ نیشن کی مجلس سے مرتب ہوا ہے۔ اور پوپ کے یہاں سے اس پر ہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بنا پر پادری یا قاضی کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراض کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہنچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیتھولک استاد کی نظر سے گزر چکی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں قلمی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لیجاتی جائے یہ

چوتھی فصل

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے۔ اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل:

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عمداً تحریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک تو جہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۳ کی قسم اول میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۳ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معنوی اختلافات سے محفوظ ہونا از بس ضروری ہے،

تخریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تخریفات بھی موجود ہیں، اور بے سبھی سے کی جانے والی تخریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں۔ ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو انشاء اللہ تم عنقریب نشان دہی کی جائے گی،

بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کے اعتراف:

کتاب باروک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پند کلیسا، مقاببین کی کتاب نمبر اول، کتاب استیر کے باب اول اور بانیہ کی دس آیات..... کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین بچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ اور ۱۴ سرقہ کی تھیلک کے نزدیک حمد طیب کے اجزاء ہیں،

اور سرقہ پر ڈسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب تسلیم ہیں، اس لئے ان کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں ان کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر تکریم کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر فرقہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں فرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نیز کتاب القضاة، ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو فیخاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو حزقیال کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو حزقیال کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اشار برگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب غیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی رب منی ویز اور میکائلس وسیلر واسٹیناک و ہوڈرلہ اسی طرح فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اعظم بوتھر کی رائے کے مطابق الہامی میں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہویا آلہ کے کسی شخص نے، یا مجول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمان کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ ماہ تیمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشہ الانشا و بیٹورسین ریکٹرک اور دشن وسیلر اور کاسٹیولیسی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،

اور کتاب اشعیا کے سٹیس باب فاضل اسٹائسن جرمنی کے قول کے مطابق اہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور جمہور علماء متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے، اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح اہامی نہیں ہو سکتا، ری انجیل یوحنا، اسٹائڈلن اور محقق برٹشیندر کے قول کے مطابق اہامی نہیں ہیں، اور اس کا آخری باب محقق کرڈیس کے قول کے موافق اہامی نہیں ہے۔

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برٹشیندر اور نسرقة۔ الوجین کے قول کے مطابق اہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک اہامی نہیں ہیں۔

ہورن کا اعتراف:

ہورن اپنی تفسیر کی حسب مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ:-
 "اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں مسدوم ہو چکی ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں اہام سے بھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہو جو کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہودا و اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں مل، بلکہ ان کی توجیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر ان پیغمبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر و تقسیم کی ہے، ایک قسم تو دیندار موزنین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ سرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت شریعت کی سند ہے۔“

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اول میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہو جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہتا ہے کہ:-
 ”یہ کتاب جو معدوم ہو گئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب تھی جس کو موسیٰ نے خدا کے حکم سے عالقہ کی شکست کے بعد یوشع کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جسز تھی۔“
 پھر جلد اول کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ:-

جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو

۱۔ کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہے، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہو چکا ہے ۱۲

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی
 سمجھ کے موافق لکھیں اور عہم الالہا۔ اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم
 استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ہر وہ بات جو انہوں نے بیٹا
 کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے۔
 پھر کہتا ہے کہ :-

یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہوتا تھا
الگزیڈر کا اعتراف:

ہنری، واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزیڈر کینن یعنی
 الگزیڈر کے اصول ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قافی ہو اور سلیمان
 کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہو
 وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ انبیا اور حواریوں کو خاص
 خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا :-

اور الگزیڈر علماء پر ڈسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہو۔ اور اس لئے قابل
 وارن پر ڈسٹنٹ نے کارگرن کے حوالہ کے مقابلہ میں انجیل کی صحت و عدم صحت
 کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا
 محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلو پیڈیا برائیک انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہی، یہ لوگ جلد ۱۱، صفحہ ۲۷۴ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں :-
 ”اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے
 وہ الہامی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو ان میں بیان
 کئے گئے ہیں جیروم، کرڈیس، پردکوئیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے
 ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے۔“

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں :-

”جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہے،
 اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے۔“

پھر کہتے ہیں کہ :-

”اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہدِ جدید کے
 کس جسز کو الہامی تسلیم کرتے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائن اور احکام
 اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشینگوئیاں جو یہی مذہب کی بنیاد ہیں
 وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حاروں کی یادداشت
 ان کے بیان کے لئے کافی ہے۔“

رہیں کی تحقیق:

رہیں نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائیکلو پیڈیا
 نہیں کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ
 کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مولفین کے اقوال
 و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

۱۰ بڑا ایسا کے موجودہ ایڈیشن میں ہیں یہ جملہ نہیں ملا، تاہم ان کے لفظ بلغظا الہامی نہ ہونے کا اعتراض موجودہ ایڈیشن

۱۰ بڑا ایسا کے موجودہ ایڈیشن میں موجود ہے،

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲۳ کی ابتدائی آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یروشلم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انہوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال باب ۱۱ آیت ۲، ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا، (دیکھئے ۲ کرنتھیوں باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا (دیکھئے ۲ کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱ آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۵، ۲۰ اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اس

لہ یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ۱ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

۱۳ جب پطرس یروشلم میں آیا تو مہنتوں اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھا یا (اعمال ۱۱: ۳۶)

۱۴ میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا (۲ کرنتھیوں ۱۱: ۵)

۱۵ ان عبارتوں میں سے ایک درج ذیل ہے: مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے، کہ یہ وہی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو (۱ کور ۷: ۱۰)

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں»

پھر کہا ہے کہ:-

”بیکائس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ ابام رسالوں میں یقیناً مفید ہی، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم ابام سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہی، جیسا کہ مشیح نے بھی فرمایا کہ ”اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو، جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہنچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملت عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے، بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے، اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ موزخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایسا ہی بسنیادوں کو جانچنا پر کھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس نکتہ کو اناجیل میں درج شدہ

۱۱۔ سب نسخوں میں ۱۱ ہی ہے، مگر درست ۲۷ سے ۱۲ تھی

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بنا پر ”ذکرہ“ کو مستلزم ہے، کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیش نظر رکھیں تو ملت عیسوی میں کسی قباحت کا کوئی خطہ نہیں ہو سکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تحسروں میں آئے ہیں، اور جن کا اور اک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ بتا سمنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی ہے پھر اس کے بعد اصلاح یوحنا نے کر دی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم فائدہ مرتب ہو گا، مسٹر کڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکائلس کی تپا کی ہے، وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیسا کہ مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکائلس نے ان کے الہامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

وائٹسن کا اعتراف:

وائٹسن نے اپنی کتاب رسالہ الالہام کی جلد ۳ میں جو کہ ڈاکٹر بیسن کی تفسیر سے

لے دو علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر موقوف ہو اور اس دوسری شے پر پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال ہے، ویس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو ”ذکرہ“ لازم آجائے گا جو محال ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان انجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۱۲ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریک ابہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ۔۔

چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھ لیا ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں، ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے معزز تھیفلس! میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے»

وائٹسن کہتا ہے:-

مذہب عیسوی کے متقدمین علمائے نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آریوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکھیں ہم تک پہنچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پوس ہی پر نہیں ہے، بس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پوس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی»

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”حواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو ان کے پاس جو ابہام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہر حال وہ انسان تھے اور عقل و دماغ صاحب ابہام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر ابہام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی...“

عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پولس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ وہ تینیس کو بغیر الہام کئی یہ لکھے کہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سوجھی بھی کام میں لایا کرے۔ چنانچہ اس کی تصریح تینیس کے نام پہلے خط باب آیت ۲۳ میں موجود ہے، یا اس کو یہ لکھ سکے کہ:

..... جو چوغہ میں ترد آس میں کر پس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آؤ تو وہ اور کتابیں خاص کر رق کے طومار لیتے آنا۔ جیسا کہ اس کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۳ میں ہے، یا قلیمون کو یہ لکھ سکے کہ:

..... اس کے سوا میرے لئے ٹھہرنے کی جگہ تیار کر۔ د قلیمون آیت ۲۳) یا تینیس کو لکھے کہ: "اس کتھس میں رہا اور ترقس کو میں نے تینیس میں پیا چھوڑا" (۲- تینیس ۲: ۲۰) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات نہیں بلکہ مقدس پولس کے حالات ہیں، جس نے کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ: "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو، پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ "باقیوں سے میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند" اور آیت ۲۵ میں ہے: "کنواریوں کے حق میں میری پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن ریاستدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق راستے دیتا ہوں" اور کتاب اعمال باب آیت ۱۷ میں ہے کہ "اور وہ فرد کیہ لور گلنتیہ کے علاقہ میں سے گزریے، کیونکہ روح القدس

لے ترد آس سے۔ شمال میں آستید کی ایک بند، گاد تھن، کر پس ایک شخص کا نام ہے، اور رق "بکری کی جہلی کو کہنے میں جو پرانے زمانہ میں کاہنے کے طور پر استعمال کی جاتی تھی ۱۲ تھی

نے انھیں آسیدہ میں کلام سنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیٰ کے قریب پہنچ کر بتوئیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر یوحنا کی روح نے انھیں جانے نہ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بنیاد دو چیزوں پر قائم تھی، ایک عقل اور دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے مہبت عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کر جاتے ہیں، جن کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب آیت ۲۴ و ۲۸ نیز کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۷ و ۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ اس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرین قیاس اور امتحان میں لا جواب اور بے مثل ہے۔

باسوربرلیا فان کا اعتراف:

باسوربرلیا فان کہتا ہے کہ:-

روح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، ان کے لئے کوئی خاص زبان معین نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دلوں میں صرف معنائیں کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے ان کی حفاظت کی ان کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عمارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہد عتیق کے مؤمنوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں مشرق اور لغات پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہوگا وہ مشرق اور لوقا اور پولس اور یوحنا کے محاورات میں مشرق محسوس کر لے گا،

ہاں اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرتا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتب مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لئے ابہام کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو لوقا نے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چیزوں کو آئندہ نسلیں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہو عادتاً یوں کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولس کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر لوقا کو اس کے باوجود اپنے بیان میں پولس کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے اس میں کچھ نہ کچھ لغات ہے، مگر تناقض نہیں ہے۔

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں، جس کی تصریح ہو رہی اور واٹسن نے کی ہے،

توراة کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف؛

ہورن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے :-

”اکمارن ان جسبر منی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے اہام کا

اعتراف نہیں ہے؟“

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ :-

شلاز، واتھ اور روزن ٹروڈ اکثر جس کہتے ہیں کہ موسیٰ کو کوئی اہام نہیں

ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں

آجکل جسبر منی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے ؟

نیز وہ کہتا ہے کہ :-

یوسی میں اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ

موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں

اپنے خسر کی بکریاں چرایا کرتے تھے ؟

ہماری گزارش یہ ہے کہ جب موسیٰ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی تو

یہ کتاب بھی ان محقق علماء کے نزدیک اہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے

سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد اہامی نہیں ہو،

جیسا کہ محقق ہورن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو اہامی

کیونکر ہو سکتی ہو، وارڈ کی تنو لک اپنی کتاب بطور حتمہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ :-

”نوٹھرنے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں کہا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کو مانتے ہیں نہ تورات کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلادوں کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکام عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکام عشرہ کو خارج کر دیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی، بیس کہتا ہے کہ ان احکام عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، سررقہ انٹی نو مینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ توریت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار ہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کتنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی تہ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکام عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی»

ملاحظہ کیجئے سررقہ پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی شان میں کیسے کیسے موتی بکھیر دی ہیں

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور جلاوطنوں کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ تو ریتِ خدائی کتاب ہی، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰ اور تو ریت اور نہ احکامِ عشرہ سے ہے، اور یہ احکام قابلِ اخراج بھی ہیں اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ ان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے تو ریت اور موسیٰ کے بھی منکر ہوں، اور شرک و بت پرستی، واندین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پر دستنٹ کے ضروری اجزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکامِ عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس سرقہ کے بعض لوگوں نے ہم سے یہی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدون کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ ہمارے خیال میں ایک چور اور ٹیڑھے تھے۔ ہم نے کہا خد سے ڈرو، کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ: "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بیٹروں نے ان کی نہ سنی۔ جس کی تصریح انجیل یوحنا کے باب آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ "جتنے مجھ سے پہلے آئے" موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً سرقہ پر دستنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید نے موسیٰ اور تو ریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰ کے اسی قول سے استدلال کیا ہوگا۔

یعقوب کے خط اور مشاہدات یوحنا کے بارہ عیسائی علماء کا اعتراض

فرقہ پر وٹسٹنٹ کا امام لو تھیر یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے۔

”یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری

نے اپنے رسالہ کے باب میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے

بزرگوں کو وہ بلاؤ، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اس کے لئے دعا کریا“

امام مذکور نے اپنی کتاب کی حبلہ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

”اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کس حواری کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کبھی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف

عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا“

لہذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے

احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب

صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ :-

”پیٹرن جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کا ایک زبردست عالم ہے اور جناب لو تھیر

کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو داہیات باقوں میں

ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے ایسے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس

کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جاسکتی،

وانی تس تصیوڈ ویش پر وٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں واعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات یوحنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ
 یعقوب ان بعض مقامات پر قابلِ ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال
 کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، سکیڈری
 برج سنٹیورس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے
 منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی
 موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے۔

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی
 ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح ان کا امام نہیں مانتا،

کلی می شیس کا اعتراف:

کلی می شیس کہتا ہے کہ،

”متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں
 کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح
 حاصل ہوتی ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض
 تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات
 لوقا کی بات پر راجح ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے،
 یہ تینوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی دو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے
 اوپر نہیں ہو سکتی، محقق پہلی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ
 پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب سنہ ۱۸۵۰ء میں طبع ہو چکی ہے،

اس کے صفحہ ۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :-

”دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قربِ قیامت کے معتقد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں پطرس سے یہ کہا کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی، غور کیجئے، اگر یہ بات رائے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہنچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے، جس سے یہ خطرناک غلطی پیدا ہوتی ہے، اور آج کوئی شخص ملتِ عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیش نظر جو ہم تک پہنچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین سچی حضرات اپنے زمانہ میں قیامتِ واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو ہم نے اس بُرائی اور ناپائیدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب دہی سے تو بچالیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہی، تو پھر ان کی کیسی ہمت پر کیسے اتماد کیا جاسکتا ہے؟

۱۰ دیکھتے یوحنا، ۲۱: ۲۲،

۱۱ ”لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

اس کے جواب میں ملت مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہی، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجے کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہوتا کہ تمام خطرہ دور ہو جائے،

ادل یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہوگئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہوگئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحتہ دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڈ ٹڈ ہوگئی ہیں ان کی نسبت کچھ نہ کچھ کہنا ہوگا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے سے اس زمانہ میں عام ہوگئی تھی، اس بنا پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مبتلا ہوگئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملت عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے کرائے تھے، بلکہ مسیحی اقوال کے ساتھ اس ملک میں رائے عامہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہو گیا ہے، اور ارواح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا تو ان کے پیغام کا جزو ہے نہ اس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے،

دوسرے ان کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، ظاہر

ہر کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی تو منہج و تقویت کے سلسلہ میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعت مومنوہ الہامیہ کی اعانت واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے،

پولس جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں اسی بہت سی باتیں ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب تسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت ملت مسیحی کی حمایت کے لئے کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان کے مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہوگا وہ واجب تسلیم ہوگا، مگر یہ بات ہلتے لئے ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا ان کو قبول کریں، البتہ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف کیا ہو تو بیشک وہی واجب تسلیم ہو سکتے ہیں ۛ

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوتے ہیں:-

اول یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوع قیامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح ہو، کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت ان کے زمانہ میں واقع ہوگی

مفسر یارنس، انجیل یوحنا کے باب کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ :-

یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی ہے جو آسانی غلطی میں مبتلا کر سکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید پختگی ہو گئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا۔

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ :-

غالب یہ ہے کہ مشیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھالیا جائے گا۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ :-

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر و رائج ہو گئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تحریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدر کم اعتنا رہے گا؟ اور یہ تفسیر ہماری روایت ہے، عیسیٰ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے۔

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ :-

حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا جس کی تصریح انجیل نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی۔

لہٰذا پس عقابتوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ نہ مرے گا۔ (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

ان مفسرین کی تفسیر کی بے بنیاد پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے غلط سمجھا، اور جب ان کا عقیدہ قیامت کے باب میں اسی قرعہ کا ہے جیسا کہ یوحنا کے قیامت تک نہ مرنے کا، تو ظاہر ہے کہ ان کے وہ اقوال جو ان کے ذہن میں وقوع قیامت ظاہر کرتے ہیں، ان سے ان کے ظاہری معنی سمجھے جائیں گے، اور غلط ہوں گے، اور ان کی تاویل کرنا یقینی طور پر مذموم اور نامناسب ہوگا، اور کلام کی ایسی توجیہ کے مرادف ہوگا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو، اور جب غلط ہوتے تو الہامی نہیں ہو سکتے، پہلی کی عبارت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جن معاملات کا تعلق دین سے نہیں ہے، یا دینی امور میں ان کی اتقاقیہ آمیزش ہو گئی ہے ان میں غلطی واقع ہونے سے متنبہ مسیحی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا،

تیسرے یہ کہ انھوں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ حواریوں کے دلائل اور تشبیہات میں غلطی واقع ہونے سے کوئی بھی مضرت نہیں پہنچتی، چوتھے انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اراواحِ خبیثہ کی تاثیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی، بلکہ خالص وہم کی پیداوار اور واقعہ میں غلط ہے، اور ایسی غلطیاں حواریوں اور عیسیٰ کے کلام میں بھی اس لئے موجود ہیں کہ وہ اس ملک اور زمانہ کی رائے عامہ سے اڑ پانچکی تھی،

اب ان چار باتوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آدھی انجیل سے زیادہ حصہ الہامی ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کی رائے کے مطابق صرف احکام اور مسائل الہامی رہ جاتے ہیں، اور یہ رائے اس کے امام جناب بونہر کی

راتے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لوتھمر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی معتبر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسیٰ کو حاصل ہے، لہذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:

وارڈ کیٹولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر

علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:-

① "زڈنکلیس وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں

درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے"

② "سٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور

اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

③ "ڈاکٹر کوڈر اس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادر کیم کے درمیان ہوا تھا

کہتا ہے کہ: پطرس نے رُوح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں

غلطی کی"

④ "برٹس جس کو جوئل نے فاضل و مرشد کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ:

رئیس الحواریین جناب پطرس اور برنبا نے رُوح القدس کے نزول کے بعد

غلط بیانی کی، اسی طرح یروشلم کے گرجا نے بھی"

⑤ "جان کالون کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اضافہ کر دیا، اور مسیحی

آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا، اور سچی توفیق کو دُر پھینک دیا»

① "میکڈی برجس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیانی کو لمسوب کیا ہے؟

② "دانی ٹیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گروہوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پولس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے روح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں»

③ "زنگیس نے اپنے رسالہ میں کالونین کے بعض پیسردوں کا حال ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر پولس جیروا میں آئے اور کالونین کے مقابلہ میں دعتل کے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالونین کی بات سنیں گے»

④ "دو اختر دس لو تھر کے قبعین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہو کر کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر دو تھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے، اس طرح اسپرگ کے عیسائے قعائہ کا کتاب میں شک نامکن نہیں ہے»

جن علماء کے اقوال بیان ہوئے یہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے اپنے طبقہ کے لوگ ہیں جنہوں نے طے کر دیا ہے کہ ہم جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے،

ایکھارن اور جرمنی علماء کا اعتراف:

فاضل ٹورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر بوٹن میں ۱۸۳۷ء

میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی حبلہ کے زیباچہ میں لکھتا ہے کہ:-

"ایکھارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات

میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہے کہ اصلی انجیل وہی ہے

لو ر قالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدین کے لئے تھی جنہوں نے اپنے کانوں سے

مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے

تھے، یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار

درج نہ تھے۔"

غور کیجئے ایکھارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مردہہ انجیلوں سے

انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلہ قالب کے نہیں

ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں سیوے

کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتداءً دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا ماخذ تھی،

اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیاں

دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ

کمی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آگئیں، جنہوں نے اس نقصان کی

تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی

جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے: رسیوں کی انجیل

ٹے شن وغیرہ کی انجیل، اُنہوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کر دیا، مثلاً نسب کا بیان، دلالت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسٹن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو احزاب ہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز جو آسمان سے سنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ ”تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ جیسا کہ جسٹن نے ردِ جگہ نقل کیا ہے، اور کلیمس نے یہ فقرہ ایک مجہول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ ”تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ ”تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں“ جیسا کہ برقس نے اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ایوانی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ ”تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے“ جس کی تصریح ایسی فائیس نے کی ہے،

اور میں تاریخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈ ٹڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قلمی اطینان کے لئے مسیح کے اصطفیٰ کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں، اس خلط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کس طویل روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بد شکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کر لی، پھر کلیسنے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ سچی انجیل کی حفاظت کرے، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالاً پہنچائے تو اس زمانہ کی مروجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ مستبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی پتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تھیودوسیس ہے، اور اس نے ان کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۳۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب تسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کر لی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ نئے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس عمل انجیل کو جو گذشتہ داعظوں کو اپنے داعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجرد اور پاک کر دیتا، انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کر لیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکر گزار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بنا پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع ناپید

تھے، جن سے اصل میں اور الحقائق میں امتیاز کیا جائے،

پھر اکہارین حاشیہ میں کہتا ہے :-

بہت سے متقدمین کو ہر سی ان انجیلوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ

اس کی تفصیل پر قادر نہ ہو سکے۔

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لٹو

کسی کتاب میں تخریب کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سنی گئی ہے، مگر اس

زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اس زمانہ سے مختلف ہوا،

اس لئے ایک نسخہ جو کسی کاملوک تھا اس کے لئے اس نسخہ میں تخریب کرنا ممکن تھا،

اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہو سکی کہ یہ نسخہ صرف

مصنف کے کلام پر مشتمل ہو یا نہیں، پھر یہ نقول لاطلی کی وجہ سے پھینتی چلی گئیں

اور بہت سے نسخے درمیانی دور کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی

عبارتوں اور ناتیق عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے

مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کاتبوں

اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدت ان میں تخریب

کر ڈالی تھی، اور یونانی شمس کے رسالوں میں ان کی نقول کے منقتر ہونے سے

پہلے ہی تخریب کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ایلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں

میں گندگی داخل کر دی، بعض چپیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جگہ

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بنا پر کتب معتبرہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تخریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مغلظاتیں وی تھیں، تاکہ کوئی شخص ان کے کلام میں تخریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ پھر سلسلے کو یہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تخریف کی، اور بعض انجیلوں میں بعض وہ فقرے جو مسیح کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؛ مثلاً ایرونی کی انجیل میں مسیح کے اصطبارخ کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلوں میں اور تذکرہ میں (جس سے جسن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح اپنی فائیس نے کی ہے۔“

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ ۱۔

”جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مرادف لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیح کے ان حالات کو جو ان کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور یہ قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

ہوتی تھی، کہ دین مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسوس عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل مٹی باہ آیت الہی اس فقرہ کے عوض میں کہ ”آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ ”وہ لوگ کامل ہوں گے“ اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ ”وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں ان کو کوئی اذیت ہوگی“

اکھارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

”کبھی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ فقط اکھارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبول عام نصیب نہیں ہوا، اور اناجیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے موافق ہے، اسی طرح ان چیزوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام عائد ہوتا ہے“

اور چونکہ ٹورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکھارن کے کلام کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابل التفات چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس کے

لے پورا فقرہ یہ جو مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ (۵ : ۱۰) ،

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات محفی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراض کیا ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقامات ذیل محرف اور الحاقی ہیں، مؤلفین انجیل کے نہیں ہیں۔

۱۱۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ انجیل متی کے پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں۔

۱۲۔ صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ۔

یہود اسکریوٹی کا واقعہ جو انجیل متی باب ۲۷ میں مذکور ہے آیت ۳

آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھا یا گیا ہو۔

۱۳۔ اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں۔

۱۴۔ صفحہ ۷۰ پر کہا ہو کہ انجیل مرقس باب ۱ کی ۱۳ آیتیں از ۹ تا ۲۷ من گھڑت ہیں۔

۱۵۔ صفحہ ۸۹ میں کہا ہو کہ "انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۲۳ و ۲۴ الحاقی ہیں۔"

۱۵۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرالے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کعبت کی فروختگی کا واقعہ جو صفحہ ۲۳ پر چھپے گزر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ آٹھ اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی، اٹھے، اور ان کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے (۲۷: ۵۳) تفصیلی ملاحظہ ہو کتاب ۱۵۲۔

۱۶۔ ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۴ کے حاشیہ دس ۵۱۶، ۲۵ پر گنت چکی ہے ۱۲

۱۷۔ اس میں حضرت مسیح کی مبینہ پھانسی سے ایک رات قبل جبل زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور کہا گیا ہو کہ "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تعویذ دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اسی دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر پھٹتا تھا" (لوقا، ۲۲: ۴۳ و ۴۴) لیکن ہورن نے اس آیت کو صحیح اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہے اور دیکھے ۵۸، ۵۹

۱۸۔ نیز آخری جلد میں چھٹے باب کے عنوان ساتویں بات "صفحہ ۵۵ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں

۶ ، صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب کی آیت ۳۳ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے :-
پانی کے پلنے کے منتظر ہو کر..... کیونکہ وقت پر خداوند کا سرشتہ حوض پر
اتر کر پانی بلا یا کرتا تھا، پانی پلے ہی جو کون پہلے اترتا سو شفا پاتا، اس کی جو
کچھ بیماری کیوں نہ ہو“

۷۔ صفحہ ۸۸ میں کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب آیت ۲۳ و ۲۵ دونوں الحاقی ہیں“

ظاہر ہے کہ یہ سائٹ مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں
ہو سکتے،، پھر صفحہ ۶۱۰ پر کہتا ہے کہ :-

ان معجزات کے بیان میں جن کو لوقا نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا
ہو اور کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن
اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے“

بتائیے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی
کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکہارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے
جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار بائیں ہیں :-

۱۔ پوری عبارت اس طرح ہے :- ”ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پدمردہ لوگ
پانی پلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ“۔ یہی حیدرا کے نام بہاد صحت آنسریں
حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

۲۔ اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۱۵،

- ۱۔ اصل انجیل ناپید ہو چکی ہے۔
- ۲۔ موجودہ انجیلوں میں سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،
- ۳۔ ان انجیلوں میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے، بہت پرست علماء میں سے سلسوی
دوسری صدی میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس سے
بھی زیادہ مرتبہ بدل لیا ہے، یہاں تک کہ اس کے مصنفین بھی تبدیل ہو گئے۔
- ۴۔ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان حصاروں
انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،

پہلی بات میں ان کی رشتے کے قریب قریب لیکر کہ اور کوب و میکالین
اور سنک اور تمبر و مارش کی رشتے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ غالباً متی،
اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیحی احوال لکھے
ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس
اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چہارم صفحہ ۲۹۵
میں کی ہے، لیکن اس کو ان کی رشتے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے
کچھ مضرت نہیں پہنچتی،

کتاب تواریخ کے بارے میں اہل کتاب کا اعتراف:

تمام اہل کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا پنجم
نے جوڑا اور زکریا کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پنجم ہیں، اس لئے یہ دونوں
کتابیں حقیقت میں مینوں پنجموں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتاب تواریخ اول میں سب
سی غلطیاں ہیں، چنانچہ اہل کتاب کے دونوں ذہن کہتے ہیں کہ

”مصنف کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پوتا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا“
یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

جس عذر رائے نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیتے ہیں
یا پوتے؛ اور عذر راہ کو نسب کے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص
تھے، اسی طرح اس کو غلط و صحیح میں تمیز نہ ہو سکی“

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب مقصد میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ
ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھروسہ کرنے کی
کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہل کتاب کے نزدیک
اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی منسرق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے
صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی
لازم نہیں، نتیجہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،
اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ
عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت
یا ان میں رچ شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ
الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد:

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصل
توریت اور اصل انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں ان کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریث و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ موجود تھیں، پھر بعد میں ان کے اندر تحریف کی گئی، حاشا دکلا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعہ اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ان جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہی جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک گوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

یہ وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے، ان کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، ان کی نسبت ہم نہی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، ان کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں ظلی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متحصص نہ ہونا اور متی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہتا جس کے مولف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بنا پر ان کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، یہے لوقا اور مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحب انہما

ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت : وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی،

اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے :

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى
الْكِتَابَ ،

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب
دی تھی (یعنی توریت) ۔

اور سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے :-

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ،

اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی ۔

اور سورۃ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا :-

وَآتَانِي الْكِتَابَ ،

اور اللہ نے مجھے کتاب سی (یعنی انجیل) ۔

اور سورۃ بقرہ و آل عمران میں ہے :-

وَمَا أَوْتِي مُوسَى وَعِيسَى ،

اور وہ (کتابیں) جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی

گئیں (یعنی توریت و انجیل)

یہی بہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں

ہیں، جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب تسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا

اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو

وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر

اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے،

نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب ۔

سورۃ مائدہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ

اور (میں نے) آپ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّبًا عَلَيْهِ
سچائی کے ساتھ بھی ہو اس حالت میں
کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق
کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ:-

”اور قرآن کے این ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے یہ ہے کہ
اہل کتاب اگر کوئی خیر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق
کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیب
اور ضحاک نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیل نے نگہبان اور محافظ بیان
کئے ہیں، اہل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا ہے
تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جیسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہے
تفسیر منطہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:-

”اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن
میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اس کا
ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا
احتمال ہے“

امام بخاری نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع
سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی،
پھر کتاب الرد علی الجہیمہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،
..... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسطلانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا بروہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں۔

رکیف تستلون اهل الكتاب من اليهود والنصارى والاستفهام
انکاری عن شیء من الشرائع (و کتابکم القرآن الذی انزل عنی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدث) اقرب نزولا الیکم
من عند اللہ فالحدوث بالنسبة الی المنزل علیہم وهو فی
نفسہ قد یم رتقرؤنه محضاً) خالصاً لم یثب بضم اوله
ونتم المعجزة لم یخلط فلا یطرق الیه تحریف ولا تبدل
بغلاف التوراة والانجیل،

روقد حد تکم) سبحانہ وتعالی (ان اهل الكتاب) من اليهود
وغیرہم ربد لو کتاب اللہ) التوراة (و غیر وہ) وکتبوا بایدکم
الکتاب وقالوا هو من عند اللہ لیمتروا به ثمناً قليلاً الا بما
لتخفيف (لاینہا کم ما جاءکم من العلم) بالکتاب والسنة،
رعن مسئلتهم) بضم المیم وسکون السین ولابی ذر عن
الکشدہینی مساءلتهم بضم المیم وفتح السین بعد ها الف
رلا والله ما رأینا منهم رجلاً یسألکم عن الذی انزل علیکم
فانتم بالطریق الاولی ان لاتسألوهم،

”تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کوئی حکم شرعی نہیں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ ہمیں

لہ عربی میں قرین کے درمیان حدیث کا متن ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانی کی تشریحات
ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور ان کے علاوہ علامہ قسطلانی کی شرح

پوچھنا نہیں چاہتے) حالانکہ تمہاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے، اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (ہنذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفاہہ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو، یعنی پاس میں کوئی بیسرونی چیز نہیں ملی، اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پاسکتی، بخلاف تورات و انجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و غیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب سے ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حیرت و حیرت حاصل ہو، کیا تمہارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟

نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمہیں تو بطریق ادنیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے؟

اور کتاب الرد علی الجہمیہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے :-

”اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو! حالانکہ تمہاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظ یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پاس سے آیا ہے۔ تاکہ اس کے عوض میں حیر معادندہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پوچھنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہے) ہمیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے۔

کتاب الاعتصام میں معاد یہ رضی اللہ عنہ کا قول کتب احبار کی نسبت یہ ہے کہ: "اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ پے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے ان میں جھوٹ بھی پایا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تخریض و کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بنا پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ صحابہ کے نزدیک نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ "اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں" صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی کتابیں محرف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس قرأت اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، ان میں سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں،

کتاب تجیل من حرف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باپ میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:

یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی
ہدایت سے اتاری گئی تھیں۔

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:-

”اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو شیخ کی زبان سے نکلی۔“

پھر باب ۹ میں عیسائیوں کی تباہیوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

”اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا،

کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بورا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو پیکا یا جاسکتا

ہو، اس لئے اس خبیثت نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا۔“

غور کیجئے: ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے؟

میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تفسیروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہو

جو رسالہ المناظرہ مطبوعہ سنہ ۱۲۴۴ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے۔ انھوں نے بعض

علماء پر ڈسٹنٹ کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خورد غلط فہمی کی

وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں، تو مناسب

سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے پوچھا تو علماء نے

یہ کہا کہ یہ مجموعہ جو آجکل مجدد بد کے نام سے مشہور ہے، ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز

ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو

علی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،

فتویٰ حافل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام

کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالہ مناظرہ کا جسز و بنا دیا گیا ہے۔ تمام ہندوستان

کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہو خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انھوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،

امام رازیؒ کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب السنۃ کی قسم ۲ فصل چہارم فرماتے ہیں کہ :-

”عینی علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انھوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دئی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہی کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں اچھ جائیکہ جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انھوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تنزیہ تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی، بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی، اور یہ ثابت ہو گیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا“

امام قرطبیؒ کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسی کتاب الاعلام بانی دین النصرانی من الفساد و

الاد ہام باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

”جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انھوں نے انجیل رکھ چھوڑا اور وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا

فَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ ۗ

پھر انہوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور بن کرامات کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں، اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ:-

اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، اور نہ اُس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے، اس لئے ناقلوں میں غلطی اور ہوکا امکان ہے، لہذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن، اس لئے نہ وہ قابل التفات ہے، اور نہ اس تدرال کے لئے قابل اعتماد ہے، یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کی صلاحیت ہونے اور اس کے مضامین کے لائق اعتہار نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے ناقلوں کی بے پردہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے:

اس کے بعد انہوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

۱۔ ترجمہ:- اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری ۲۔ تھی

اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت و انجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں میر متواتر ہیں، اور دونوں میں تخریفات کا امکان موجود ہے، اور بعض تخریفات شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے، پھر جب اس قسم کی تخریفات دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتی ہوں جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہ بہار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود درجہ فاسد کر لیجئے، کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ چونکہ ان کی طرح مشہور ہیں، نہ خدا کی فسوف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور قبول تخریفات میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی۔

یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کو پہلی میں موجود ہے،
علامہ مسترزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبلیوں سے قبل کی قوموں کی تاریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :-

”یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پلک ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

نہ یعنی کتاب، الا ظلام جس سے علامہ قرطبی کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں“

۲۵ توریت سبعین اس سے مراد مشہور ”ہبتادی ترجمہ“ Septuagint ہے، جو عہد

قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے، اور اس کو ہبتادی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیخسز سردار کاہن کی خواہش پر یہ قلم سے شترترجمین (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ سے بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا بعد میں اسی ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا،

و تبدل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں، سامری کہتے ہیں کہ ان کی تورات حق ہے، اور اس کے علاوہ جس قدر تورات ہیں وہ باطل ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے،

بعینہ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں جمع کر دیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک انجیل ہے، دوسری روم کی، تیسری یوحنا کی جو تھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں، ان کی دعوت کے زمانہ میں، سولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابلِ تحمل ہے، اس کے باوجود مرقیوں والوں

۱۔ اگرچہ نوجو یہودیوں ہی کو کرایا ہوا ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسا نے اس عبد غنی کو مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہو گئے، (بائبل ہیمنڈیک) نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے یہ انکار محض کلیسا دہنی میں کیا، ماداقعی عیسائیوں نے اس میں شریعت کر ڈالی تھی،

۲۔ مرقیوں Marcion عیسائیوں کے فرقہ مرقونیہ کا بانی، یہ نیٹلس کے شہر سلوپ میں پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تیسری سائسدہ میں عیسائی ہوا، اور مسیح کے گنگ بنگ اس کے اپنا گنگ فرقہ قائم کیا، جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک عرصہ تک نزع انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار ہی، پھر ایک اور خدا نے جو منصف اور رحم دل تھا اپنے بیٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو حواری بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انہیں صحیح سمجھا، اور اسے درحقیقت یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بس کا حقہ نہیں کہا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

اور ابن ویصان والوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہے جس کے بعض حصے
 انجیل کے مخالف ہیں، مانی کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہے
 جو نساہنی کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ
 یہی صحیح ہے، اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل
 اور ہے جس کا نام انجیل سبعین ہے، جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی
 اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر
 شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور راز
 کے بس میں نہیں ہے تو پھر ان کی جانب سے اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا
 ناممکن ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہو سکتی ۱۱

كشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں
 یوں کہا ہے کہ :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہو گیا، پھر منصف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور
 پولس کا سچا پیغام سنا تا ہوں، وہ مرد جب انجیل کو تحریر شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ
 انجیل بنائی تھی، جسے وہ بھی انجیل کہتا تھا، اس منصفہ کے تابعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور
 کچھ مغرب کے علاقوں میں تھے، ۲۵ء سے ۳۵ء تک ان کا عروج رہا، اور یہ کلیسا اعظم کے لئے
 خطرہ بنے، پھر ان کا زور ہلکا ہو گیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہو گیا (از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
 مقالہ "مرقیون" ص ۸۶۸ ج ۱۱۴)

۱۵ اس کی سوانح اور عقائد کا ہمیں سسراخ نہیں لگ سکا ۱۲

۱۶ "مانی" ایران کا مشہور فلسفی اور مانی مذہب کا بانی جو ۲۱۰ء میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ
 خدا صرف روشنی کا خالق ہے جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام
 برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض

”وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہوئی اور کہا ہے کہ :-

”عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تباہی ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جوٹی بہمت رکھی“

ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصارى کے مصنف کہتے ہیں کہ :

”یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف پائی جاتی ہے جو ماہرین علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، ان کو خوب یقین ہے کہ یہ تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہو گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اس میں اُن کو سولی دیتے جانے کا واقعہ کیوں درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر بکل آنا وغیرہ وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے اکابر کا کلام ہے“

پھر کہتے ہیں کہ :-

”بہت سے علماء اسلام نے اس کمی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے“

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعویٰ کی سچائی روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائے گی، ضرورت فونہ تھی کہ اس باب میں مزید اور پچھ لکھا جائے، مگر بعض مصارع کے پیش نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں :-

دو مغالطے

علماء پر ڈسٹنٹ عوام کو فریب دینے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیسن اور اگناشس وغیرہ نے دی ہے جو اُن دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے اور لوقا نے پولس کی مدد سے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور پولس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلین اس لحاظ سے الہامی قرار پاتی ہیں، پہلے مغالطہ کا جواب :-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص ہے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری تک اس کی زبان سے خود سنی ہے، یا اس کو کوئی سنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہو، اور اس واسطہ باواسطوں کا مستبر اشخاص ہونا ضروری ہے جن میں روایت کی تمام شرطیں صیح ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہو کہ اس نوع کی مسند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک عیسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہو، ہم نے متعدد مرتبہ اسی مسند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری مسیح نے مجلس مناظرہ میں یہ مذہب پیش کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی مسند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں ۲۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ مسند رومی پادری کلیمنس یا گناکسٹس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بنا پر یہ حضرات کتب مقدسہ ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو مسند کا نام نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقے سے مشہور ہو گئی تھیں، کہ ان میں مخربت کئے جانے کی

لہ جب مسند کا پادری مذہب سے مشہور مناظرہ ہوا تھا، تو فنڈر کی جانب پادری فریح بطور معاون مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر دریر خان صاحب مرحوم ۱۲ تقی

پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ باب میں عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیئس اور اگناسشس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے!

کیا کلیئس کا خط اناجیل سے ماخوذ ہے؟

روم کے بڑے پادری کلیئس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اس نے رومی گرجا کی جانب سے کرنتھس کے گرجا کو لکھا تھا، اس کے سال تحریر میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ کنٹر برسی کہتا ہے کہ یہ سال ۶۴ اور ۷۰ کے درمیان کا کوئی سال ہے۔ لیکرک کا قول ہے کہ ۶۵ء ہی، دیون اور تلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیئس ۹۱ء تا ۹۲ء تک اسقف ہیں بنا تھا، پھر جب اُس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو ۹۲ء تا ۹۳ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے؟

مشہور مورخ ولیم میور نے ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈز نے ۹۶ء

کو ترجیح دی ہے۔

ہم اس اختلاف سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سال تحریر عیسائی دعوؤں کے مطابق بہر حال ۹۵ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے بعض جملے ان پاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے کسی مضمون میں متحد اور موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوئے کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں، یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے :-

۱۔ بعض مضامین کے اتحاد سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، ورنہ یہ بات لازم آتی

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پرڈسٹنٹ فرقة کے لوگ ٹھہرتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انجیل میں جو اخلاق حسنہ کی تعلیمات نظر آتی ہیں، وہ حکما اور بت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکیسوا موکا مصنف کہتا ہے کہ :-

انجیل میں احسلاق فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر ہسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ نظریہ لفظ کنفیوشس کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو سال ۶۰۰ مسیح سے ۶۰۰ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ، دوسرے کے ساتھ وہی بتاؤ گرجس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ تمام احسلاق کی جڑ ہے، خلق مبراہ میں ہے کہ اپنے دشمن کی موت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے، خلق مبراہ ۵۳ میں ہے کہ، ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوئے ممکن ہے، اور طبیخی خیالات ہمیشہ بڑے نہیں ہوتے، اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان دیوان کے حکام کے کلام میں موجود ہیں۔

۲، اگر کیمنس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کسی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہے، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

۱۰ یعنی ابراہیم کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور معقولیت پسند Rationalist کہتے ہیں،
 ۱۱ کنفیوشس (Confucious) اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب
 ۱۲ احسلاق پر بعد اثر انداز تھا، پیدائش ۵۵۰ ق، وفات ۴۷۹ ق م، اسی کی نسبت سے چین کے
 سابق نظریہ حیات کو "کنفیوشزم" کہا جاتا ہے، ۱۳ نقل

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مردج تھیں، چنانچہ اکھاؤن نے اس جملہ کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جس کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۳، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور شیخ کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرتس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مردج انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہوگا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلا عمل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعی بے عمل ہے، ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (مثبت کے بعد کی روایت سے) نقل کرتے ہیں:-
کلیمس کے خط کی عبارت :-

”جو شخص عیسیٰ سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسیٰ کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے“

سٹر جو اس کا دعویٰ ہے کہ کلیمس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب آیت ۵ سے نقل کیا، آیت مذکورہ یوں ہے کہ :-

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے“

دونوں عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جو کس صاحب نے محض اس کی بنا پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس منسرق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض ہٹ دھرمی ہے، جس کی وجہ چھپے اسباب تلاشہ..... میں آپ معلوم فرمائیے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے تلاشہ ہو، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا مال تخریر جملہ اقوال کے میں نفا سلسلہ سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود ان کی رائے کے مطابق انجیل یوحنا ۱۹ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فہرستہ اس انجیل سے کیوں منقول ہو سکتا ہے؟ مگر سند ثابت کرنے کے جنون نے اس بطل دہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں کہتا ہے کہ :-

یوحنا نے اپنی انجیل کریزاسٹم اور اپنی فائس جیسے متقدمین اور متاخرین میں سے ڈاکٹر مل اور فیبری شمس، لیکرک اور بشپ ناٹلان کی رائے کے مطابق ۱۹ء میں لکھی، اور مشر جنس کی رائے کے مطابق ۱۹ء میں لکھی ہے :-

اس کے علاوہ یہ پسزید ہی ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی دعوت پر عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈ ز مفسر نے بڑی انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۴ء کی جلد ۲ صفحہ ۴۴ پر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہی، اس نے کہ کلیس جوار یوں کے دستخط اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے :-

دوسری عبارت :-

اس کے خطا کے باب میں ہے کہ :-

جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ رُوح القدس نے یوں کہا ہے کہ عقلمند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انہوں نے بردباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کر دے، تاکہ تمہاری خطا سے درگزر کی جائے، جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ
برتاؤ کر دو گے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا تم دوسروں کو رو گے ویسا ہی
تم کو دیا جائے گا، جیسا کرو گے ویسا بھروسے، جیسا تم دوسروں پر رحم کھاؤ گے
تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیانہ سے تم دوسروں کو ناپ کر دو گے اسی پیانہ سے
تم کو ناپ کر دیا جائے گا۔

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیسنس نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب آیت ۳۶،
۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱ و ۲ و ۳ ات نقل کی ہے، اور لوقا کی
عبارت اس طرح ہے کہ :-

جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمہاری
بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے
خلاصی دو، تم بھی خلاصی پاؤ گے، دیا کرو، تمہیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیانہ
داب داب کر اور بلا بلا کر اور لبریز کر کے تمہارا پتے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیانہ
سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا۔ (آیات ۲۶ تا ۲۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

”عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم
عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس
پیانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔“ (باب، آیت ۱ و ۲)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو“

کیونکہ تدریست اور زبیدوں کی تعلیم یہی ہے۔

تیسری عبارت:

اس کے خط کے باب ۳۶ میں یوں ہے کہ:-

تخداتے مسیح کے الفاظ یاد کرو، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے
بڑی خرابی اور ہلاکت ہے جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ
پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ اُن لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے جو
میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں جلی کا پتھر لٹکالیتا اور
دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو
اذیت دے۔

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۲۳، اور
باب ۱ کی آیت ۶ سے، اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ سے، اور انجیل لوقا باب
آیت ۲ سے نقل کی ہے،

اور یہ آیات اس طرح ہیں:

انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۳ کے الفاظ یہ ہیں:-

”ابن آدم توجیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہے، لیکن اس آدمی پر

افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑا یا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا

تو اس کے لئے اچھا ہوتا۔

اور باب ۱ آیت ۶ میں ہے کہ:-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہرے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۱ میں ہے :-

جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلانے اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۲ میں ہے:

ان چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے مفید ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا۔

لارڈز نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں کلیسن کی عبارت اور انجیلوں کی عبارت میں نقل کرنے کے بعد یوں لکھا ہے کہ :-

میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیئے ہیں، تاکہ ہر شخص ابھی حیرت پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے۔

کلیسن کے خطا کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو خدا کا دعویٰ ہے سب بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پہلی نے ان دونوں پر اکتفاء کیا ہے، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی ضرورت تھی کرتا، اور اگر صراحت نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو ہوتی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر منتسب کیا
احتمال صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بات کتنی عجیب ہو کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جاوے
ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ
علیہ السلام کے حالات سے معاصر واقعہ تھے۔

اور اگر ہم نقل کو تسلیم ہی کر لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں
کس دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بیسٹیم کے حالات کا ایک فقرہ ایک
مجموعہ الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اگنارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے۔
پیرس کے اسقف نے القاصات پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا کہ
اس نے ان انجیلیوں سے نقل نہیں کیا، لارڈز نے اپنی تفسیر کی حوصلہ میں ان دونوں
عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:-

”وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دوسرے متبعین کی صحبت میں
ہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے احوال و مسائل سے پوری
طرح واقف تھے جب ہم ان کی تاویلات دیکھتے ہیں تو اکثر اوقات اشکال پیش
آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس وقت ہم پر جو
اشکال ہرگز یہ کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے کلمے ہوتے احوال نقل
کرتا ہے، یا کرتھس والوں کو ان کے دو اقوال یا دو لارہا ہے جو اس نے اور ان
لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سنے ہیں، لہذا الیکٹرک نے تو
اول کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو۔“

ہم یہ تسلیم کرنے لیتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے لایعت

ہو چکی تھیں، پھر اگر کہیں اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہے، اگرچہ لفظ و عبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعہ نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور کرتھس دانے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی بھی تعلیم ہمارے خداوند نے بردباری اور ریاضت سمجھنے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہے، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے یکسرک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب آیت ۳۵ میں مقدس پوس نے یہ نصیحت کی ہے کہ:

اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا دنیا

نہیں سے مبارک ہے

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم لی گئی ہے کہ پوس نے یہ قول کسی

مکتوب نقل نہیں کیا، بلکہ ان مسجی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جائے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقین ہے کہ وہ نکلی ہوئی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے؛

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہے کہ کلیئس نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بنا پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہر دو صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح مؤلفین انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کئی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہوگی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہ نقل نہیں کیا ہوگا۔

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیئس کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیح کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری چھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیئس کے مکتوب کے بعض فقرے ان کے موافق ہیں،

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولی کارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے،

کیونکہ یہ شخص بھی کلینس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے۔ اس کا اناجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پولس جیسی ہو، اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت،

کلینس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو اناجیل کا اسقف تھا، لارڈز اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:-

”یوسی ہیں اور جیرم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور سات مسٹر و سٹن اور دو یا پانچ اس کے قبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخے میں اضافہ کیا گیا ہو، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جاسکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخے کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنا دیا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

لہ یعنی جس طرح پولس نے اعمال، ۲۰، ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیح کی طرف منسوب کر دی ہیں جو انجیلوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح میں ممکن ہے کہ پولیکارپ نے بھی ایسا ہی کہا ہو،

مترکات بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخہ کے خطوط کیا واقعہ آگنا شمس کے لکھے ہوتے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں، فریقین کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پیچیدہ ہو گیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی بیس نے بڑھاپہ اور جو آر بیجن کے عہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے آگنا شمس کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ فقرے انھائی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فقرےوں کی وجہ سے زد کردیں بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فسرقہ ایرین کے کسی شخص نے بڑے نسخہ میں اضافہ کر دیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فسرقہ کے کسی شخص نے یاد بینداروں میں سے کسی نے یاد دہن میں کسی شخص نے چھوٹے نسخہ میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا۔

مجھشی پہلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ :-

گذشتہ زمانہ میں آگنا شمس کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا، جس کو کیوری ٹن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

اس فسرقہ ایرین، وہ فسرقہ جو آر پوس کا پیر و تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور جسے نیقیہ کی کونسل میں رد کیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح آئرنے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے !

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی

ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوتے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسٹر و سٹن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے

نزدیک جعلی اور محرف ہے، اس لئے وہ بھی لائق اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصلی ہر یا جعلی؟

اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین گئے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق

یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں اُن کے قول کی بنا پر بھی اس میں

تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا فرقہ "ایرین" کا کوئی فرد

ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابل اعتبار

نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی

میں گھڑا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم

کی جعل سازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی چنانچہ

تفسیر باہ، انجیلیں، اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی طرف

نسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرین قیاس

ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب نسوب کر دیئے گئے

ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی، اور اس کی نسبت.....

یشن کی جانب کر دی گئی، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :
 وہ اصل تفسیر جو طیش کی طرف منسوب تھی وہ محدود ہو چکی ہے، اور جو
 اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک
 کرنا درست ہے ۵

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کر لیں کہ یہ خطوط انگلستان شس ہی کے ہیں تب بھی
 کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب اوہ میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتقاد اٹھ گیا، پھر
 جس طرح ان کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ
 دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعلی
 ہوں، اور اس قسم کی باتیں ان لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوسی ہیں
 اپنی تاریخ کی کتاب راج باب ۲۲ میں کہتا ہے کہ :-

”گو رتھیہ کے اسقف دیونی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست
 پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیاطین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے
 بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوسرے
 ڈکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں
 الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں
 میں ایسا لادہ کر چکے ہیں جو ان کے مرتبہ کی نہیں ہیں ۵

لہ انجیل طیش ائے ڈاٹیا ٹیسرن
 Dictionnaire of Theology
 کہا جاتا ہے، جی ٹی مینلی لکھتا ہے یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں ۱۲ جیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا،
 لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں ۵ (ہماری کتب مقدسہ ص ۱۳۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :-

”آرچن کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں، اس کی بہت سی تفسیریں موجود بھی ہیں، مگر ان میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو ان میں تحریف واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے“

معلم میکائیل مشاقہ جو پرنٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب

اجوبۃ الابطالین علی ابطال التقلیدین کی قسم اول فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ :-

”ربان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تحریف کرنا تو پہلے ہم اس کے دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی

ہمارے دعویٰ بھی ان کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب انشین

جو یوحنا فم الذہب کی طرف منسوب ہو، اور جس کی تلاوت کنیسوں میں

کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گردہ کے پاس ہے وہ دوسرے گردہ کے نسخہ

سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ ردیوں کے نزدیک اس میں حسد سے

درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک روح روٹی اور شراب پر نازل فرما کر

ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کر کے آسانی کر دیں، مگر کیتھولک کے

زودیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر روح القدس کو بھجوتے

۱۵ یہ کریزاسٹم Chryostome کا عربی نام ہے، نہایت فصیح و بلیغ معترض

ہوئی شکل وجہ سے اسے فم الذہب (سونے کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ ۳۸۶ء میں انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک

عصر تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، ۴۰۱ء میں انتقال ہوا (المجد فی العلوم)۔

۱۶ اس میں عشاء ربانی کی رسم کا تذکرہ ہے، بات ہماری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۲۳۲ کا مطالعہ

ملاحظہ فرمائیں ۱۲ تفسیر

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کر لیں، نین آقا سے مگھیوس کی امارت کے زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کر ڈالا اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونہ والی اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے بھاگ گئیں کہ رومیوں نے ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا ہے مگر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک روح اس روٹی پر جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے بھیج دے، اس میں انقلاب پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول نم الذہب ہی کا ہو، کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب احتمالہ کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوتی تھی، لیکن سردار ایبٹامطان جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۷۲۲ء میں رومیوں کے مسیح کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس "ہلکے قد" اس کے طقس میں یونانی عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخے سے کیا جو

لہ اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، اہل علم کی طبع آزمائی کے لئے اصل عربی عبارت حاضر ہے، "وقالوا المنتقلان المستعجلان ہرنا من دعوی الروما علیہم بان الاستمالة تدریجہ"۔

۱۷ "طقس" کلیسا کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہر شربانی، نماز، عیدوں کے اعلان وغیرہ کی دین خدمات کا نظام جو جماعت یا سرودان خدمات کو انجام دیتا ہو انہیں بھی "طقس" کہہ دیا جاتا ہے، اور "قد" اس کا ایک خاص قسم کی سریانی ہے (المہر فی العلوم) ۱۲ تقی

باسی راہوں کا ہی، ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکذرس نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قداس الروم میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی محکمہ فیز ہے، پھر جب لیے قدیس کی افشین میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آبار کے درمیان مشہور ہے، جس کی تلاوت تمام مشرقوں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کیا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آبار کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عزائمات کو ان کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تحریف نہیں کی ہوگی؟

خود ہمارا شاہدہ قریب کے چند سانوں کا یہ ہے کہ شماس غیر ملی قبلی کیتھولک نے یوحنا قلم الذہب کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارف سے کی، اور روم کے علماء

۱۱۔ اس سے مراد راہوں کا وہ فرقہ ہے جو نہایت کے سلسلہ میں باسیلیوس (Basile) کی پیروی کرتا ہو، باسیلیوس ۳۲۹ء، ۳۷۵ء قیصریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں رہنمائی دیکر دنیا کو ایک باقاعدہ نظام بتایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہنمائی کی ابتداء کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب سے پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف بھی ہیں، (المجدد تواریخ کلیسا سے روم) ۱۲

۱۲۔ شماس Deacon کلیسا کا ایک عہدہ ہے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے،

نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک مصنف نسخہ احتضار کیا، لیکن سردار میکسوس نے شویری کی خانقاہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پادری ایکسیوس اسپانیولی اور خورم، پوسا، صحیح مارونی کی امداد سے اس کی کھوج کرید کی، جو دونوں کے دونوں اصلی یونانی زبان سے بالکل نادان تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا استیانتاں کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنی مہریں ثبت کیں، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اس اصل کے ساتھ کیا گیا جو ردیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کتوت انھوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شتاس غیریل اس مذموم حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو ان کے یہاں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہے، ان کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

لے شویر، لبسان کا ایک شہر ہے، جس سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی مشہور خانقاہ تھی، اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو ”شویریات“ بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں رائج تھا اسے شویریہ کہتے ہیں (المجد)

پیش کرتے ہیں، وہ مسبنانی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے احبزاء کے ساتھ
 رومی گرجے سے طائفہ مارونیتہ کے تمام پادریوں اور ان کے بطریق اور علماء کی
 جانب سے رومی کمیٹی کے سربراہ مونسینور سمعان کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور
 شویر کی خانقاہ میں کیتھولک سرداروں کی اجازت سے چھاپی گئی، یہ کمیٹی خدمۃ العتقا
 پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافیری یعنی یسیر حیات پرانے
 موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدسی لوگوں کی طرف
 منسوب ہیں جنہوں نے نہ ان کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں
 ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد
 اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خلاف ان کا یہ قرار
 کافی ہے کہ ہمارے گرجے میں گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔
 پھر کہتا ہے کہ:-

”ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری مدونہ خیالی نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف
 کرنے کی جرات کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے
 محافظوں کی نگاہیں انہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی
 سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پاپا اور اسقفوں کا مطلب ایک برہی

سے عیسائیوں کا یہ ظائفہ مار مارونیتہ کی طرف منسوب ہو، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے
 ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بنی، اسی کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب کے زیادہ
 مخالفت نہیں رکھتے، صرف نام میں ممتاز ہیں کہ انہیں مارونیتہ **Maronites** کہا جاتا ہے
 (برٹانیکا، المنجد)

”نفاذ الیقوت بحیات“ سے مراد طقس یا دینی خدمات ہیں، یہاں وہ کتابیں مراد لگی ہیں جنہیں طقس مذکور ہوں۔

حکومت تھی جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بچاڑے مشرقی
عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑ جانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت
کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے بارے میں ہم کو تحقیق سے
معلوم نہیں، کیا کچھ گذرا ہو گا، لیکن جب ہم اس عہد کی تواریخ پر نظر ڈالتے ہیں
تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظائے آتے ہیں جو ہم کو اس سچی گرجے کی حالت
پر آٹھ آٹھ آنسو روئے پر مجبور کرتے ہیں، جو اس زمانہ میں مسکرا پاؤں تک
ستیا ناس ہو چکا تھا۔

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے
سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے؟
نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف :-
نیقادی کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تعداد صرف بیس تھی، جن میں تحریف
کر کے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، مشرق کی مشوکلک اس کے قانون نمبر ۲ و ۳ کے
پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر مطبوعہ
۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے :-

یہ شہر نیقیہ یا نائس Nicaea کی طرف منسوب ہے، مشرق ۳۲۵ء میں ایک اسکندری کاٹھن
آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح اپنے جوہر کے اعتباراً
سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے عقائد حید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطین نے
عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیہ میں بلائی، جس میں بافتاق رائے پورے جوش و خروش کے ساتھ
آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بجد اہمیت رکھتی ہے۔

مذکورہ کمیٹی کے صرف میں قوانین ہیں جس کی شہادت ثاؤدور سیوس کی تاریخ اور جیلا سیوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکوئی کونسل نمبر ۳ بھی شہادت دیتی ہے کہ نیقاوی کمیٹی کے صرف ۲۰ قوانین ہیں۔

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑسی گتیں، جنگو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیستوس، ہیرسویس نکلیتوس و اسکندر و مرسیلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ:-

ٹوپ لائیڈ اور تمھارے ردی گریس کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں۔

مخالطہ نمبر ۲ کا جواب

انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی۔

یہ بھی سراسر دھوکہ دہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے: ارنیوس کہتا ہے کہ:-
پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پطرس کے مرنے کے بعد پطرس

لہ مسکوئی کونسل تاریخ عیسائیت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو مالگیر پاپا نے پرہوتی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوتے ہوں، ایسی کونسلیں نکل پندرہ ہوتی ہیں، یہاں چوتھی کونسل سے مراد وہ کونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ Chalcedoine میں منعقد ہوئی، اور اس میں مونوفیسس فرقہ کو خلاف شریعت قرار دیا گیا (تواریخ و المنجد) لکن یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہو، اور یوقا نے پطرس کی اعانت سے، اور چونکہ یہ دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہوتیں ۱۲

پوس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا :-

سی طرح پوس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، دو وجہ سے :-

۱۔ اول تو اس لئے کہ آجکل علماء مشرق پر دستنٹ کارائج قول یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل ۶۳ء میں بھیجی تھی، اور اس کی تالیف انجیا میں ہوئی،

دوسری جانب یہ محقق ہے کہ مقدس پوس نے ۶۳ء میں قید سے رہائی پائی تھی،

پھر کس صحیح روایت سے مرتے دم تک اُس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب

یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اسپانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرقی

گرجوں کی طرف، اور انجیا مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو تھینکس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت

انجیل کی تالیف کا باعث تھا۔

مرشد الطالبین کا مصنف نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۲ء جلد ۲ فصل ۲: صفحہ ۱۶۱ میں لوقا

کے حال میں یوں لکھتا ہے کہ :-

”چونکہ لوقا نے پوس کی رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا، اس لئے

کسی صحیح روایت بنی بنا پر رہائی سے موت تک اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ

معلوم نہیں ہوتا :-

لا رڈنر اپنی تفسیر مطبوعہ سنہ ۱۸۴۸ء جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں لکھتا ہے کہ :-

”ہم چاہتے ہیں کہ اب حراری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کہ یہ کتاب تھینکس کے لئے لکھی جا رہی ہے :-

۱۔ یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک مگر لوہا کے بیان سے کچھ بھی مدد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے بہت کچھ تھمڑی مدد ملتی ہے۔ متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، اور اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا :-

ان دونوں مفسدوں کے کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہو سکتا، رومیوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ :-

”مگر چونکہ جھکوا ب ان ملکوں میں جگہ باقی نہیں رہی اور بہت برسوں تک اے پاس آیکاشتنی بھی ہوں اس لئے جب اسفانیہ کو بیاؤ مگنا تو تمہارا پاس پہنچا ہوا جاؤ مگنا کیونکہ مجھ پر امید ہے کہ اس سفر میں تم سے ملے گا“

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہوگا، کیونکہ اس کے ارادہ کے نسخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

”اب دیکھو میں جتا ہوں کہ تم سب جتنے درمیاں میں بادشاہی کی منادی کرنا چہرا، میرا منہ پھرنے دیجو گے،“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا تھا، کلینس رومی اس وقت اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ :-

”پس سارہ عالم کو سچائی کا سبق پڑھانے کیلئے اہتیار ملک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگہ روانہ ہو گیا“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۱۲ لارڈز نے اپنے تواریخوںس کا قول یوں نقل کیا ہے :-

پولس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وہ خط

پولس نے کہا تھا :-

پھر کہتے ہیں کہ :-

مذکورہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بریلین رومانیہ میں لوقا کی اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا

اور پولس دپلوس کی وفات کے بعد :-

اب اس قول کی بناء پر پولس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قلعی ممکن نہیں ہے،

اور اگر یہ منسرحن کر لیا جائے کہ پولس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا ہی تھا، تب

بھی ہمارے نزدیک اس کا دیکھنا کا عدم ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کا قول

الہامی نہیں ہے، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پولس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر

ہو سکتا ہے ؟

—————

جلد اول تمام شد

ضمیمہ

مرتبہ :- جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

بائبل سے قرآن تک کی پہلی اشاعت کے بعد مجد اللہ یہ کتاب بہت سے اہل علم و نظر کی نگاہ سے گزری، اور اس کے بارے میں بعض مفید مشورے بھی موصول ہوئے، اس سلسلے میں عالم اسلام کے نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے (جو آجکل پیرس میں مقیم ہیں) بطور خاص بڑی محنت اٹھائی ہے، اور وہ اظہار الحق کے اس اردو ترجمے کو علمی و تحقیقی مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کیلئے کتاب کے فرانسیسی ترجمے کی مدد سے اس کا ایک ایسا اشاریہ مرتب کرنے میں مصروف ہیں جس میں فرنگی ناموں کا صحیح املا، ساتھ درج ہو، ابھی یہ اشاریہ زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ مرتب ہونے پر اسے شائع کر دیا جائے گا، ایک فوری کام انھوں نے یہ کیا ہے کہ "اظہار الحق" کے فرانسیسی مترجم نے ترجمے کے ساتھ اصل کتاب پر کچھ حواشی تحریر کئے تھے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان میں سے اہم حواشی کا اردو میں ترجمہ کر کے بعض جگہ کچھ مزید معلومات جمع کر دی ہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کاوش بطور ضمیمہ پیش کی جا رہی ہے، یہ حواشی تینوں جلدوں سے متعلق ہیں، (محمد تقی عثمانی)

فرانسیسی ترجمے کے مفید تر حاشیے؛

(حوالے موجودہ ترجمے کے صفحے اور سطر کے دیئے گئے ہیں)

(اردو صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰)؛ ہمارا مؤلف HORNE کی کتاب کو لارڈ نر

LARDNER کی طرف منسوب کرتا ہے، نیز بشپ ہورسلے HORSLEY کی "کتاب مشروح" COMMENTARIES کو، اور بشپ واٹسن WATSON کی کتابوں کو جو متعدد ہیں، صرف "واٹسن کی کتاب" سے موصوم کرتا ہے، [مگر یہ وساحت نہیں کہ آیا جو م نے متعدد کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، یا صرف کسی ایک کتاب کے، (محمد حمید اللہ)]

۲۳۴ سطر ۵: کیتھولک ہیرالڈ CATHOLIC HERALD (ص ۲۳۴ سطر ۵)

ہفتہ وار اخبار تھا جو شہر فلاڈلفیا (امیرکا) سے شائع ہوا کرتا تھا،

(ص ۶): عیسائی عقائد میں تثلیث کو خدا سے واحد کے تین اقنوم HYPOSTASE

کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح جو فلسفہ افلاطون کے شائق استعمال کرتے ہیں، وہ پورانے بے دین لوگوں PAGANS سے مستعار لی گئی ہے

(ص ۳۲۱، س ۷): ٹرولو TRULLO کا پادریہ اجتماع، یہ ساتواں عالمگیر کلیسائی

اجتماع (کونسل COUNCIL) ہے، جو قسطنطنیہ میں ۱۹۲ء میں منعقد ہوا تھا، اس کے

لئے دعوت شہنشاہ جسٹی نین ثانی JUSTINIAN نے دی تھی، یہ تیسرا شاہی کے ایک بیج

(TRULLO) میں منعقد ہوئی، اس لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے، اس کو ”بیج ششی کونسل“

QUINSEXTUM بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں پانچویں اور چھٹی کونسل کی فترا دادوں

کی توثیق کی گئی تھی،

(ص ۳۲۲، س ۸): [اردو میں کلموس، اصل عربی میں کالوس (حمید اللہ):

۹ GALLUS, CALLUS, CALOUS, CLOUS، مسلوب نہیں کیا مراد ہے،

تساید کالون CALVIN مراد ہو، مگر یہ صرف ”کالوس“ (یا کالون) ہی کی رائے نہیں ہے

کہ ”یہ کتابیں ہر جگہ پڑھی نہیں جاتی ہیں“ بہت سے دیگر مؤلف بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ

ٹامس وارڈ THOMAS WARD کے مطابق ڈاکٹر بلسن BILSON کا اڈعا ہے

کہ کتب مقدسہ کو ہر جگہ کا مل طور پر قبول نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ خود یوسی بیس کے زمانے میں

(ص ۳۳۱، س ۶): یہ خلاصہ ہے نارٹن [اردو میں ٹورٹن چھپا ہے (حمید اللہ)]

نورٹن کی کتاب EVIDENCES OF THE GENUINENESS OF THE GOSPELS

جلد دوم، صفحہ (۲۲۲) مطبوعہ لندن ۱۸۴۷ء کا،

(ص ۳۶۵، آخری سطر): ”یحییٰ کی قبر“: یہ بھی خلاصہ بیان ہے،

(ص ۳۸۵، س ۱۰): انتالیسواں اختلاف، زیادہ صحیح ہوتا اگر آیت (۱۶) و (۳۲)

کہا جاتا، جو مماثل ہیں،

(ص ۴۴۹، س ۷): ”۱۲۴- مجتہ اور متی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سرکہ

پیا“ مگر یہ پوری طرح درست نہیں،

(ص ۴۸۵، س ۱۱): ”۲۳۔ کتاب پیدائش ۱۱: ”یہ عام مروجہ بائبل VULGATA کے مطابق ہے، جس میں لکھا ہے کہ ”میری روح ابدی طور پر انسان کے ساتھ نہ جھگڑے گی کہ، اپنی گمراہی میں وہ گوشت [کے لو تھڑے] کے سوا کچھ بھی نہیں، ان کے دن...“ لیکن اوٹروالڈ J.F. OSTERVALD کی شائع کردہ بائبل کے الفاظ ہیں، ”میری روح انسانوں سے ہمیشہ نہ جھگڑے گی، کیونکہ وہ بھی آخر گوشت [کا لو تھڑا] ہی ہیں، ان کے دن...“

(ص ۴۶۴، س ۸، نیز ص ۴۶۵، س ۱): ”میری مکر تعمیر کبھی نہ ہوگی...“ اور مصر سے...“۔ ان دونوں جملوں کا خلاصہ دیا گیا ہے، اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں [خود عربی میں ”مخلصاً“ لکھا ہے، یہاں اردو ترجمے میں ایک پوری عبارت چھوٹ گئی ہے، عسربی میں ہے: *وَأَعْطَيْتَكَ لَصَخْرَةَ صَفِيَّةٍ وَتَصْدِيرَ لَبِطِ الشَّبَاكَاتِ وَوَلَنَ ثُبْنِي*“ اس جملے کے ترجمے کے بغیر حاشیے کا مطلب سمجھ میں نہ آئے گا، (حمید اللہ)]

(ص ۴۸۲، س ۱): ”قبیلہ، جس کا نام اُورم تھا۔ ۶۳۹“ حوالہ صحیح نہیں، شاید ۶۳۹ مراد ہے، مگر وہاں ہوڑن اس بات کے بالکل برعکس بیان کرتا ہے جو ہمارے مولف نے اس کی طرف منسوب کی ہے،

(ص ۵۰۵، س ۱) پالس اور شانر PALAY & CHANNING مگر یہ یقینی

نہیں، [۹]

(ص ۵۱۲، س ۳): الگزنڈر کیٹھ A. KEITH کا بیان کہ عیسائی مذہب کی صحت اس بات سے ثابت ہوگئی کہ اس کی پیشینگوئیاں پوری ہو گئیں۔ یہاں اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں دیا گیا ہے،

(ص ۵۴۱، س ۹): یہ ہوڑن کے بیان کا خلاصہ ہے،

(ص ۵۴۹، س ۱۴): [اصل عربی میں ”باسور“ سے پہلے بنا ہے، اس باب میں

نکات کے سائے نمبر اردو میں حذف ہو گئے ہیں، (حمید اللہ)] نمبر (۱۰) بہ ظاہر ہمارا مولف ذیل کی فرانسیسی کتاب کے انگریزی ترجمے کا اقتباس دینا چاہتا ہے جو کیمبرج میں چھپا، بوسوٹر BEAUSOBRE اور لاں فان L'ENFANT کی فرانسیسی کتاب

”عہد جدید کے مطالعے کی تمہید“۔ INTRODUCTION A LA LECTURE DU NOUVEAU TESTAMENT - آمسٹرڈام (ہالینڈ) میں چھپی تھی،

- (ص ۵۵۱، س ۴): [یہاں بھی نکتہ ملا اردو میں لکھا جاتا چھوٹ گیا ہے (حمید اللہ)]
- نکتہ ملا: اصل میں شولز [صحیح: شولتس] SCHULZE کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ہوون نے بیان کیا ہے کہ یہ مؤلف حضرت موسیٰ کو ایک افسانوی اور خرافاتی شخصیت قرار دیتا ہے، کئی جرنیلوں کی یہی رائے ہے، داتے DATHE اور ابارن [صحیح: آیش ہوون] [بھی یہی رائے رکھتے ہیں، (ص ۵۴۰، س ۹): "پتھر [نورٹن، مگر اصل عربی میں نورتن ہے (حمید اللہ)] [صفحہ ۶۱۰ پر (اصل عربی میں ۱۱ ہے، (حمید اللہ)] کہتا ہے: "نورٹن NORTON کا پہلا ایڈیشن مورخہ ۱۸۴۷ء اس کے دو سکراپڈیشن سے بہت مختلف ہے، مذکورہ اقتباس بعینہ مجھے طبع ثانی میں ملا، اس دو سکراپڈیشن میں ۲۰۹/۱ پر ایک عبارت ہے، جو دینے سے اقتباس سے کم و بیش مماثل ہے، (ص ۵۹۸، س ۷): یہ لارڈنر LARDNER کی عبارت نہیں بلکہ اس کا خلاصہ ہے، (ص ۶۳۹، س ۱۳): "غنا زبور ۲۱/۲" یہ اصل میں زبور ۲۲ ہے، (یہاں عام مروج بائبل VULGATA اور پرائسٹنٹوں کی بائبل وغیرہ میں باہم اختلاف ہے)۔
- (ص ۶۴۱، س ۱۸): نمبر ۲۸ - ہوون نے عبرانی عبارت کا اغلباً تصحیف ہوا ہونا صرف ملاحظہ کی عبارت کے متعلق بیان کیا ہے، دوسری عبارتوں کی اس نے توجیہ و تاویل کر دی ہے، (ص ۶۴۵، س ۵ اور ۶ کے مابین): [اردو ترجمہ میں کئی سطری عبارت چھوٹ گئی ہے جو یہ ہے: "شاہد نمبر ۳۳ - پونس کے مکتوب اول بنام طیموتاوس کے باب ثالث کی آیت ۱۶ میں ہے کہ، اللہ جس میں ظاہر ہوا، کریماج [صحیح: کرائس باخ] کہتا ہے کہ یہاں لفظ اللہ غلط ہے، اور صحیح ضمیر غائب ہے، یعنی کہا جائے کہ: "وہ" اس کے بعد مطبوعہ شاہد نمبر ۳۳ کو ۳۴ اور ۳۴ کو ۳۵ پڑھا جائے، (حمید اللہ)] [شاہد نمبر (۳۳) - یہ عام مروج بائبل کی عبارت ہے، (ص ۶۵۷، س ۶): نمبر ۸ - کلازک A. CLARKE نے بیان کیا ہے کہ یہ ساری آیت مجھے الحاقی معلوم ہوتی ہے، (دیکھو کتاب اعداد ۲۱)
- (ص ۶۶۷، س ۸): نمبر ۲۱ - اس بارے میں عام مروج بائبل VULGATA اور دیگر ایڈیشنوں میں فرق ہے، (ص ۶۷۱، س ۳): نمبر ۲۶ - ہوونٹلے HORSLEY نے کینی کاٹن KENNICOTT کے اعداد کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں عبارت کا الحاق و اضافہ نہیں ہوا، بلکہ محض نقل مقام ہو گیا ہے، اور یہ کہ باب سابق (یعنی ۱۶) کی دس آخری آیتیں اصل میں

باب (۱۸) کی آیت (۹) اور (۱۱) کے مابین آگئی ہیں نیز یہ کہ باب (۱۰) کا تعلق باب (۱۶) کی آیت (۱۳) سے ہے، اور وہ اس باب کے بعد آتا ہے، اور اس طرح ساری دشواری رفع ہو جاتی ہے (ص ۶۷۵، س ۱)؛ جوئل JEWEL اور وارڈ WARD۔ اصل میں صرف جوئل نے یہ بیان کیا ہے کہ مرقس کو دھوکہ ہوا ہے، اس کے برخلاف وارڈ اس بیان کو نعتل کر کے اس کی تردید کرتا ہے،

(ص ۶۹۰، س ۱۱)؛ نمبر ۴۔ ہوژن کے اقتباس میں تراش خراش ہوئی ہے، وہ تو یہ بیان کرتا ہے کہ ان عبارتوں کی صحت کی تائید ڈاکٹر میل MILL، ڈاکٹر وینٹلی WHETLEY بشپ مڈل ٹن MIDDLETON، ہوئے مان HEUMANN، میٹائلس MICHAELIS اشٹور STORR، لانگولس LANGUIS، ڈیٹمرس DETTMERS، اشٹویڈ لن STEUDLIN، کوئی نوئل KUINOEL اور ڈاکٹر بلوم فیلڈ BLOOMFIELD نے کی ہے،

(ص ۷۰۶، س ۹، نمبر ۱۱)؛ انیسویں آیت؛ اصل میں یہ نحمیا کی کتاب باب (۱۲) میں ہے، (ص ۷۰۸، س ۷، نمبر ۱۳)؛ مکتوب بنام رومیان ۱۳/۳، ۱۸؛ یہاں کلارک A. CLARKE نے ان آیتوں کی صحت کی تائید اور تردید کرنے والی ساری چیزوں کو تفصیل سے نقل کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے: ”اگر یہ آیتیں زبور میں الحاقی ہیں تو یہ الحاق بہت قدیم زمانہ میں ہوا ہوگا، کیونکہ جیروم JEROME [فوت سن ۴۲۰ء] نے، جسے عبرانی عبارت سے انقباض ہے، اس کی شہادت دی ہے، اور کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ آیتیں سائے گرجاؤں میں پڑھی جاتی تھیں، جیروم سے کس قدر قبل یہ الحاق ہوا ہے، یہ ہم بیان نہیں کر سکتے، اور یہ کہ یہ آیتیں ربانی الہام کا ایک قیمتی ٹکڑا ہیں، اس کا ذکر سینٹ پاول کے مکتوب بنام اہل روم ۱۴-۱۸ میں ہے، اس کی تردید سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا دیکھو روزن ہوئر ROSEN MÜLLER، کتی کاٹ KENNICOTT، اور ڈی روسی DE ROSSI کی کتابیں“

(ص ۷۱۰، س ۹)؛ سب سے پہلے HALES (؟ ہیلز، ہالیس؟) نے یہ اکتشاف کیا، یہ عبارت ہوژن کے ہاں نہ ملی، ممکن ہے کہیں ضمنی طور پر اس کے ہاں اس کا ذکر آیا ہو، کتاب میں اشاریہ نہ ہونے سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں، (پھر دو صفحے کے حاشیے ہیں)؛

(ص ۳۸، س ۱): ”جب پطرس نے اپنے مکتوب اول کے باب (۲) کی آیت (۶) لکھی،
— یہ حوالہ صحیح نہیں معلوم ہوتا،

(ص ۲۵، س ۱): ”سینوپ کے اویلا AQUILLA DE SINOPE نے عبارت
کا یہ ترجمہ کامل نہیں، بہت مختصر خلاصہ ہے،

(ص ۵۳، س ۶): ”نمبر (۲۹) مذکورہ بیان وارڈ سے ماخوذ ہے — یہ اقتباس لفظی نہیں
ہے، اصل عبارت یوں ہے: ”(۱) مسٹر کارلائل CARLISLE نے اعتراض کیا ہے کہ انگریزی
ترجموں نے مفہوم کو بگاڑ دیا، حقیقت کو مدہم کر دیا، اور ناواقف کو بھٹکا دیا ہے؛ نیز یہ کہ بہت سے
مقاموں پر انھوں نے کتاب مقدس کو توڑ موڑ DISTORT دیا ہے، جس سے صحیح مفہوم بدل
گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود وہ روشنی سے زیادہ تاریکی میں، اور حق سے زیادہ باطل میں ہیں

(۲) کتاب مقدس کو بگاڑنے CORRUPTION کی اس عظیم بُرائی کو مسٹر براؤن BROUGHTON
جیسے انتہائی جوشیلے نے بھی اس شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ وہ مجلس شاہی کے امراء LORDS
OF THE COUNCIL کو ایک خط لکھنے پر مجبور ہوا، کہ اس کی رائے میں ضرورت ہے کہ وہ
جلد سے جلد نیا ترجمہ کرائیں، اور وہ لکھتا ہے: ”کیونکہ اب جو ترجمہ انگلستان میں پایا جاتا ہے وہ اغلاط
سے پُر ہے،“ اور عبارتوں کو بگاڑنے کی مثالوں کے سلسلے میں وہ بَشپوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ:
”ان کا انگریزی ترجمہ کتاب مقدس ایسا ہے کہ وہ عہد قدیم کی عبارت کو (۸۲۸) مقاموں پر
بگاڑتا ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں لوگ عہد جدید [یعنی عیسائیت] کو قبول کرنے سے
انکار کرتے ہیں، اور ابدی جہنم کے مستوجب ہو رہے ہیں“

(ص ۸۳۲، آخری سطر): ”نمبر ۱۶۔ ”ڈی آئی D'OYLY [صحیح تلفظ ڈایلی (حمید اللہ)]
اور چپٹرڈ منٹ MANT کی شرح میں ڈین [پادری] اسٹائن ہوپ STANHOPE
[اسٹان ہوپ (حمید اللہ)] کا قول ”مندرجہ الفاظ مجھے مذکورہ شرح میں نہ ملے، وہاں لکھا
یہ ہے کہ ہماری بات کی اساسی تصدیق اور ہماری ابدی نجات اس وعدے پر مبنی ہے (جو خدا نے
حضرت ابراہیم سے کیا تھا)، نہ کہ قانون (یعنی تورات) پر، اور یہ قول ڈاکٹر ہامنڈ HANMOND
کا ہے کہ ”مسیح اور انجیل کے ماقبل زمانے میں خدا نے ہمیں قانون (؟ تورات) کی معاشیات کے ماتحت
اور تابع کیا تھا، اور نظم و ضبط کے سلسلے میں ہم امیدواروں اور توقع کنندوں کی حالت میں تھے
تا آنکہ انجیل کے نزول کا زمانہ آئے“ ذرا آگے ایک اور مقام پر اسی مولف ڈاکٹر ہامنڈ نے

پائل PYLE کے حوالے سے اور قانون (کی آیت ۲۴) کے مطابق کہا ہے کہ ”نامکمل حالت میں قانون بھی نامکمل ہوتا ہے“ اور تب اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ”ہم میں ضبط و نظم برقرار رکھے، ہمیں تعلیم دے، اور ہماری طبیعت کو اس بات کے لئے تیار کرے کہ زیادہ بلند اور زیادہ مقدس نظامِ انجیل کو ہماری اساسی تصدیق کے طور پر قبول کیا جاسکے“ قانون ایک معلم اور مدرسے کے ایک استاد کے مماثل ہے، اور جو لوگ اس قانون (؟ تورات) کے ماتحت زندگی گزارتے تھے، وہ زیرِ کفالت نابالغوں کے سے تھے، بلکہ ننھے بچوں کی طرح سے تھے؛ نتیجہً انجیل کے توسط سے لایا ایسا اعلیٰ تعلیم دینے والے پروفیسر اور یونیورسٹی میں درس کی کرسی پر فائز شخص کے مماثل ہی؛ جب آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ پروفیسر کے درس میں شریک ہو سکے تو اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی، کہ مدرسے کے معلم سے درس لے، خود سینٹ پاول (آیت ۲۵ میں) بیان کرتا ہے کہ: ایسا کی آمد کے باعث ہمیں اس معلم کی ضرورت نہ رہی، ”اوستروالڈ کی فرانسیسی بائبل میں [معلم کی جگہ] رہنما و قائد CONDUCTEUR کے الفاظ ہیں، کیا اس ساری بحث سے ضمناً یہ بات انتہائی مثبت طور پر واضح نہیں ہو جاتی کہ حضرت مسیح کے قانون نے حضرت موسیٰ کے قانون کو منسوخ کر دیا،

(ص ۸۹۹، س ۱)؛ ”مقریزی... حران“ موس ہایم MOSHEIM کے مطابق

ملکانی MELCHITE فرقے کے عیسائی راسخ العقیدہ ORTHODOX عیسائی ہیں، کیونکہ محفل کانسیدون [CHAACEDON] حال: قاضی کوئی، استانبول کے ایشیائی ساحل پر (حمید اللہ) کی قراردادوں پر جھے ہوئے ہیں، اور نتیجے کے طور پر قسطنطنیہ کے شہنشاہی (بیزنطینی) دربار کے مذہب پر قائم ہیں، اور چھٹی صدی عیسوی میں انھوں نے بدنام (ملکانی یعنی بادشاہی) فرقہ کا نام اس لئے اختیار کیا کہ اپنے آپ کو یعقوبی JACOBITE فرقے سے ممتاز کریں، لیکن زمانہ حال کے فرقہ ملکانی کے عیسائی شام اور مصر کے ”متحدہ اوغلی“ UNITED GREEK فرقے والے ہیں، اور ایک زمانے میں ان کا بطریق ہی کسیموس مظلوم تھا، (جسے MADHLOUM اور لاطینی لوگ MAZLOUM لکھتے ہیں) اور جس کا ابھی اوپر ذکر آیا، اس فرقے کو اوغلی کہتے ہیں GREEK CATHOLIC کا بھی نام دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ کلیسائے روم کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں، بودانی فرقے BODHAMITE یا BODHANIA کے متعلق مجھے موٹھہایم MOSHEIM

کے ہاں کوئی چیز نہ ملی، کتاب ”الہارالحی“ کے عربی ناشر نے حرف ”ب“ کو ”بی“ کر دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ شہرستانی کے مطابق اس فرقے کا نام ”یدعانی“ ہے، نیز..... ”مستربہ“ MAQARABA اور یہ لوگ ہمدان کے یدعان نامی ایک شخص کے متبع ہیں، جس کا نام مؤلف نے یہودا (یودا) لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہرستانی ان کو ایک یہودی فرقہ سمجھتا ہے، اور ان کا ذکر فرقہ سامریہ SAMARITAN کے ساتھ کرتا ہے، شہرستانی مزید برآں یہ بیان کرتا ہے کہ آریوس ARIUS نے مسیح کے متعلق اپنے عقائد ان تصورات سے اخذ کئے ہیں، جو اس فرقے نے اُلُوہیت کے متعلق پھیلائے تھے، واضح رہے یہ فرقہ آریوس [فوت ۳۳۶ء (رحمید اللہ)] سے چار سو سال پہلے گزرا ہے، یعنی حضرت مسیح سے بھی قبل، رہے مرقول MARCOLITE، یہ ظاہر [ہمارے مؤلف مفریزی کے ہاں] ایک طباعتی غلطی ہے، شہرستانی ان کو ”مرقونیہ“ لکھتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے مراد مارسیونی MARCIONITES ہیں،

عربی جلد دوم

مطلب ہم | (اردو صفحہ ۱۰۳۶، آخری سطر) باب اول کے آخر میں ۱۰ اس باب کے پڑھنے پر ایک سے زیادہ یورپی [غیر مسلم انہ سے طفلانہ سمجھ کر] ہنس پڑے گا، لیکن جو لوگ کسی خدائی وحی پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور بائبل کی صحت کو مانتے ہیں، وہ مجھے خوف ہے کہ بہت سی چیزوں پر محسوس کریں گے کہ وہ پکڑے گئے ہیں، اگر صفحہ ۲۵ (۹) پر نقل شدہ کتاب تثنیہ DEUTERONOME کی عبارت، خاص کر پہلا، جو کہ ہمارا مولف نقل نہیں کرتا، مگر جو حسب ذیل ہے:

”اگر کوئی نبی اتنا مغرور ہو کہ وہ میرے [یعنی خدا کے] نام پر کوئی

ایسی چیز بیان کرے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہ دیا ہو، یا یہ کہ وہ دیگر

دیوتاؤں کے نام پر کچھ بیان کرے تو ایسا پیغمبر مر جائے گا،“

اگر یہ حقیقت میں خدا کا قول ہے اور کوئی جھوٹی فرضی عبارت نہیں، تو ان تمام لوگوں

پر جو بائبل پر اعتقاد رکھتے ہیں، واجب ہوگا کہ [حضرت] محمد کو ایک سچے نبی کے طور پر قبول

کریں، کیونکہ [اپنے دعوائے نبوت کے باوجود] نہ صرف یہ کہ وہ مرے نہیں بلکہ تریٹھ سالہ

عمر تک زندہ ہے، اور ایک دین کی تاسیس کی جو آٹھ یا نو سو سال تک ساری دنیا پر حکومت کرتا رہا، اور آج ہمارے زمانے میں بھی اتنا ہی مضبوط اور غیر متزلزل ہے جتنا اپنے مؤسس کے زمانے میں، ممکن ہے اس کا شاید یہ کہہ کر جواب دید یا جائے کہ کتاب تثنیہ کی اس عبارت سے مراد [صرف] یہودیوں کے پیغمبر ہیں،

[ایک بالکل مماثل ذکر تران مجید سورۃ الحاقہ ۴۳ تا ۴۹ میں بھی ہے کہ پیغمبر جھوٹ بولے تو فوراً اس کی رگ جاں کاٹ دی جائے گی، لیکن یہ سچے پیغمبر کے عہد جھوٹ بولنے کے متعلق ہے نہ کہ نبوت کا جھوٹا ادعا کر نیوالے کے متعلق، مقصد کہنا یہ ہے کہ نبی کی ہر بات سچی اور اہامی ہے، (حمید اللہ)]

(ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹)؛ "چارلس روچر" کی کتاب مجھے دستیاب نہ ہو سکی، [عربی املا، روچر کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ اسے مولانا نے کسی مصری یا شامی عربی کتاب میں پڑھا ہے، ان علاقوں میں "ژ" کو "ج" لکھتے ہیں، اور یہ نام اگر ROGERS ہے تو اس کا فرانسیسی تلفظ روژیر ہوتا ہے، آخری "S" تلفظ میں ساقط ہو جاتا ہے (حمید اللہ)]

(ص ۱۰۹۲، ۱۰۹۳)؛ نمبر ۲۶۔ یہ عبارت [بائبل کے] مختلف ترجموں میں مختلف ہے، 'OSTERVALD' دیوداتی DIODATI وغیرہ،

(ص ۱۱۰، ۱۱۱)؛ تیسرا اعتراض — متی ۲۶، نیز مرقس اور لوقا کے مطابق حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ میں اب شراب دوبارہ اس وقت تک نہ پیوں گا جب تک تمہاری ساتھ پینے کا موقع نہ ملے، یعنی وہ جنت HEAVEN میں پیئیں گے، لوقا کے الفاظ سے تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہاں [پینا ہی نہیں] کھانا بھی ہو گا، "میں دوبارہ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ یہ بات خدا کی بادشاہت میں پوری نہ ہو جائے"؛ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ جب عید الفصح خدا کی بادشاہت میں پوری ہو جائے گی، تو حضرت عیسیٰ غذا کھائیں گے، عید الفصح دہنے کے بغیر نہیں منائی جاتی، اور جب حضرت [عیسیٰ] نے آخری عید الفصح منائی تو اس وقت بھی دہنہ موجود تھا، اگر یہ بات صحیح ہے کہ خدا کی بادشاہت میں عید الفصح کے موقع پر لوگ غذا کھائیں گے تو یہ فرض کرنے کا حق ہے کہ وہاں دہنہ بھی ہوں گے، اور اگر وہاں دہنہ ہوں تو دہنہ ہے کہ وہاں مینڈھے اور مینڈھیاں بھی ہوں، اور بطور نتیجہ یہ بھی کہ وہاں خرنے کے غزار بھی ہوں، پانی بھی ہو، وغیرہ وغیرہ، ان حالات میں مسیحیوں کی جنت مجھے قرآنی جنت سے

زیادہ روحانیت والی نظر نہیں آتی، ان حالات میں وہاں صرف حوروں کے ہونے پر کیوں اس قدر شور کیا جائے؟ مزید برآں سینٹ پاؤل کے مطابق جو قوموں کا بڑا حواری ہے، جنت کئی منزل ہوگی، کیونکہ خود سینٹ پاؤل کا تیسرے آسمان پر دل بٹھا لیا گیا تھا، جنت کے کئی منزلیں ہونے کی تائید حضرت عیسیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انجیل یوحنا [۱۴] (حمید اللہ) میں ہے کہ "میرے باپ کے مکان میں متعدد مسکن ہیں" کیا اس کا امکان نہیں کہ نہریں، میوے وغیرہ ان منزلوں میں سے ایک میں ہوں، اور روحانی لذتیں ایک دوسری منزل پر ہوں؟

[ناچیز مترجم محمد حمید اللہ ادب سے کچھ اور بھی عرض کرے گا (۱) عیسائیوں کے عقائد زمانوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، چوتھی صدی عیسوی کے نہایت مستند ادراسخ العقیدہ مولف پادری میشل سوری MICHELLE SYRIEN کے مطابق جنت میں ساری مادی لذتیں ہی نہیں بلکہ خوبصورت حوریں بھی ہیں،

(۲) اسلامی جنت ایک لمبا کمرہ نہیں جس میں بے شمار بستر ہوں، اور ساری اولاد آدا وہاں غریب غریب کی طرح اکٹھی رہتی ہو، بلکہ ہر انسان یا ہر جوڑے کے لئے اس کا اپنا ایک مستقل اور علیحدہ محل ہوگا، جس میں مستقل باغ اور نہریں، خدمتگارانہ اور ضروریات زندگی ہوں گے، ظاہر ہے کہ انفرادی قصر زیادہ موزوں ہیں، بہ نسبت غریب بورڈنگ ہاؤس یا شفا خانے کے سونے کے لیے مشترک کمرے کے، اس میں کوئی امر مانع نہیں، کہ ان انفرادی جنتوں کے مجموعے کے اطراف ایک احاطے کی دیوار ہو جس میں متعدد دروازے ہوں، تاکہ غیر جنتی لوگ وہاں چپکے سے گھس نہ آئیں،

(۳) اسلامی جنت کے متعلق صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دیکھا سنا ہوا ہونا تو کیا، اس کا کسی کے دل اور ذہن میں تصور بھی نہیں آسکتا، اور بخاری، مسلم جیسی مستند ترین کتب حدیث میں بعض معنی خیز حدیثیں بھی ہیں، مثلاً جب جلد یا بہ دیر سا کہ اہل جنت جنت میں آجائیں گے تو خدا تجلی فرمائے گا اور کہے گا: میں تم سے خوش ہوں! اگر کسی مزید نعمت کی ضرورت یا خواہش ہو تب تو کہو کہ وہ بھی تم کو دوں، لوگ حیران ہوں گے کہ کیا مانگیں، کیونکہ انھیں وہ جنت مل چکی ہوگی جس میں حسبِ لخواہ ہر چیز فوراً مل جاتی ہے، (تکمُّد فیہا ما تشتہون، انفسکم وکم فیہا ما تشتہون، قرآن ۱۱۲)۔ اس پر خدا خود ہی ایک نئی نعمت عطا فرمائے گا اور اپنے رُخ انور سے حجاب اور پردائے کبریائی کو ہٹالے گا، اور لوگوں کو خدا کی رویت زیارت

نصیب ہوگی اور اس لفظ میں لوگ ایسے محو ہو جائیں گے کہ جنت بھی اس کے سامنے ہیچ ہوگی، یہ بیان کرنے کے بعد رسول اکرم نے ارشاد فرمایا کہ قرآنی آیت **لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْكَفَىٰ وَزِيَادَةٌ** (اچھے کام کرنے والوں کو بہت اچھی چیز بھی ملے گی اور ایک زائد چیز بھی) میں لفظ **زِيَادَةٌ** میں اسی تعلق اور رویت باری کی طرف اشارہ ہے، اب جدید عیسائی خود ہی مقابلہ کر لیں کہ قدیم اور غیر تبدیل پذیر اسلامی عقائد کی جنت کیا ہے، اور خود عیسائیوں کے ہاں کے آسے دن بدلنے والے تصورات کو کیا قیمت دینی چاہئے، (حمید اللہ)

(ص ۱۲۵۳، س ۷): ”خدا نے (حضرت) محمدؐ کو وہ ملک بتا دیا جو آپ کے ہاتھوں فتح ہونے والے تھے۔“ مماثل چیز (حضرت) مسیح کو صحرا میں پیش آتی: شیطان نے آپ کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر سے دنیا کی ساری بادشاہتیں دکھائیں تاکہ آپ کو درغلا سکے، [متی، باب ۴ (حمید اللہ)] لیکن خدا کی قوت شیطان کی قوت سے کہیں زیادہ ہے، [اسے ”مماثل چیز“ کہنا صحیح نہیں، (حمید اللہ)] (حضرت) موسیٰ کو بھی نیبو NEBO کی چوٹی پر سے خدا نے وہ سارے ملک دکھائے تھے جو جلعاد GELAAD سے دان DAN تک پائے جاتے تھے۔ (یکھو تثنیہ ۳۴ (حمید اللہ))

(ص ۱۶۲۹، س ۳) ”قسطنطین کے بعد سے چھٹا شہنشاہ“۔ (اغلباً اس سے مراد تیمودوس اعظم **THEODOSE THE GREAT** کا اعلان ہے، جس میں ”جھوٹے خداؤں“ کی عبادت منع کر کے اس کی خلافت ورزی پر سزائے موت مقرر کی گئی تھی، اور اس [بت پرستی] کو سارے شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں سے خارج کر دیا گیا تھا؛ اور جو لوگ پرانے دین پر جمے رہے وہ گڑھیوں اور دیہاتوں میں جا پناہ گزین ہوئے، اور وہاں مخفی طور پر اپنے دین پر عمل پیرا رہے اس تباہی سے، اس بنا پر کہ ان لوگوں کو دیہات پر اکتفا کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا، ان لوگوں کو عیسائیوں نے **PAGANI** (دیہاتی) کے نام سے منسوب کیا، یہی لفظ انگریزی میں **PAGAN** بنا، اور فرانسیسی میں **PAIEN** (جس کے معنی بے دین کافر کے ہوتے ہیں)، قسطنطین نے بھی بے دین لوگوں (**PAGANS**) کے خلافت ایک فرمان صادر کیا تھا، لیکن یہ دونوں مثالی شہنشاہ اپنے فرمانوں کے صدر کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے، اور ان کے احکام کی محض جسزئی تعمیل ہونے لگی، البتہ بے دین لوگوں کو تیمودوس کے جانشینوں کے زمانے میں قسم قسم کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں +

تالیفات و تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انسانی اعضاء کی پیوندکاری
خطبات جمعہ و عیدین
ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری
چہل حدیث
آداب المساجد
آداب الشیخ و المرید
اسلام کا نظام تقسیم دولت عکسی
انگریزی
توزیع الثروة فی الاسلام عربی
اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات
قرآن میں نظام زکوٰۃ
ہیئتہ زندگی
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود
احکام دُعا
نجات المسلمین - گناہوں کا کفارہ
تصویر کے شرعی احکام
تسہیل قصد السبیل
احکام القمار
حکم الاستقاط
سایہ رسول
بسم اللہ کے فضائل
اسلامی ذبیحہ
مناجات مقبول
اوزان شرعیہ
ضبط ولادت
ذوالنون مصری
احکام القرآن عربی جلد ہفتم
جلد سادس
الازدیاد الستی علی الیلخ الجنی

معارف القرآن مکمل مجلد ۸ جلدیں
قتاوی دارالعلوم کامل مجلد دو جلدیں
امداد القتاوی کامل ۶ جلدیں مجلد
جواہر الفقہ جلد اول و دوم کامل مجلد
آلات جدیدہ کے شرعی احکام
مفتا صحابہ
ختم نبوت کامل
علمی کشکول
اسلام کا نظام اراضی
مسئلہ سود
ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں
مجالس حکیم الامت
تاریخ فتربانی (مع ضروری احکام)
علامات قیامت اور نزول مسیح
سیرت خاتم الانبیاء
آداب النبیؐ مجلد
مسیح موعود کی پہچان
شہید کربلا
رویت ہلال کے احکام
گناہ بے لذت
دو شہید
سنت و بدعت
احکام حج
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف
کانگریس اور مسلم لیگ
عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ
مصیبت کے بعد راحت
رفیق سفر (مع احکام سفر)
میرے والد ماجد

منے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲